تاریخ

عصر قدیم

عبدالحلیم شرر لکھنوی

قیمت مُجلّد

چار روپیہ پچاس پیسے

ناشر

نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ۔ لکھنؤ

ٹیلیفون ۲۴۵۵۹

ناشر: عزیز الرحمن

پرنٹر: شاہی پریس لکھنؤ

پہلا باب

فصل اوّل

فصل دوم

فصل سوم

فصل چہارم

دوسرا باب

فصل اوّل

فصل دوم

تیسرا باب

فصل اوّل

فصل دوم

فصل سوم

چوتھا باب

فصل اوّل

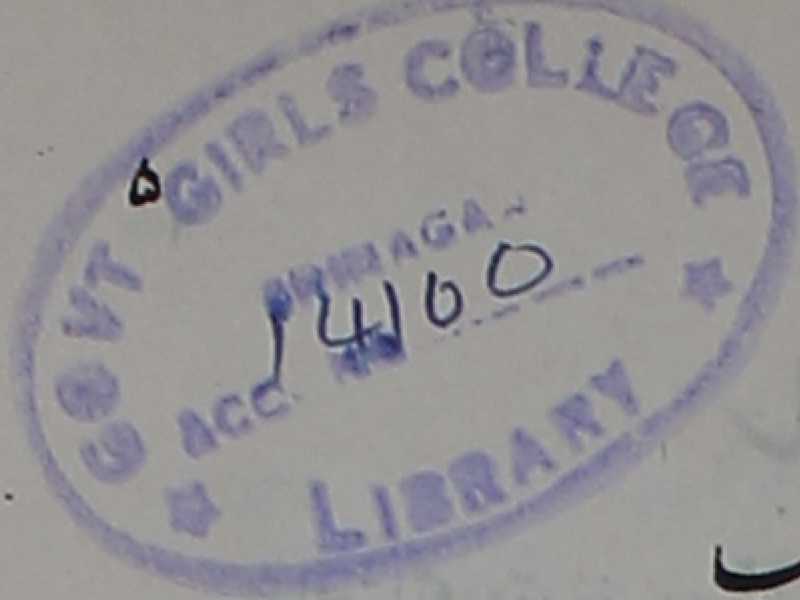
فصل دوم

فصل سوم

فصل چہارم

فصل پنجم

فصل ششم



پانچواں باب

چھٹا باب

ساتواں باب

آٹھواں باب

نواں باب

دسواں باب

گیارھواں باب

بارھواں باب

رومیوں کی پولیٹیکل پارٹیاں (سنہ ۷۱۴ قبل محمدؐ سے سنہ ۶۰۱ قبل محمدؐ تک)

آپ کے شہر کے کسی حصہ میں کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے تو مختلف زبانوں پر رودادِ واقعہ مختلف ہی ہوتی ہے اور واقعہ آپ کے شہر کا ہونے کے باوجود مشکل ہی سے آپ کسی بات کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں اس لئے اگر آپ تصدیق کرنا چاہتے ہیں تو جائے واقعہ پر پہنچکر حالات معلوم کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں۔ اور اسی طرح آپ کو صحیح بات معلوم ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر آپ کسی ایسی بات کی تصدیق کرنا چاہیں جو آپ کے نہ شہر ہی کی ہے اور نہ ملک کی، بلکہ کسی دوسری ولایت کی ہے تو جائے واردات پر جا کر آپ کے لئے جانچ پڑتال کرنا آسان نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں آپ اخبارات کے بیانات ہی سے اس بات کے متعلق قیاس کر سکیں گے۔ یہاں پر دشواری یہ پیدا ہوگی کہ مختلف اخبارات واقعہ کو مختلف رنگ دے کر لکھیں گے، اس لئے کہ اخبارات کی اپنی ایک مخصوص پالیسی ہوتی ہے اور وہ کسی خبر کو شائع کرتے وقت اپنی پالیسی کے تحت ہی اظہارِ خیال کرتے ہیں مثال کے طور پر یوں سمجھ لیجیے، کہ ہمارے ہندوستان میں کہیں ہندو مسلم فساد ہو جاتا ہے تو اخبارات میں خبریں متضاد آتی ہیں۔ ہماسبھائی اخبار لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے شرارت کی اور ہندوؤں پر مظالم کے پہاڑ توڑ دیے۔ مسلم اخبارات لکھتے ہیں کہ اکثریت نے اقلیت کا قلع قمع کر دیا۔ نہتے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اُن کی جائدادیں جلا دیں۔ عورتوں اور بچوں پر بھی رحم نہ کیا۔ کانگریسی اخبار لکھتے ہیں کہ دو فریق کے درمیان آزادانہ جنگ ہوئی۔ اسی طرح مختلف اخبارات خبروں کو

اپنے مقاصد کے تحت توڑ مروڑ کر شائع کرتے ہیں۔ واقعات کی حقیقت کیا ہوتی ہے اس کا صحیح علم دور رہنے والوں کو مشکل ہی ہو پاتا ہے۔ بہر حال خبروں کی بنیاد پر ہم کسی نہ کسی فیصلہ پر پہنچ ہی جاتے ہیں اس لئے کہ ہمیں اخبارات کی پالیسی کا علم ہوتا ہے۔ جائے وقوعہ پر کس کی کتنی آبادی ہے، یہ بھی معلوم ہوتا ہے اور ان سب باتوں سے ہم اندازہ کر لیتے ہیں، لیکن اگر یہ اخبارات نہ ہوں تو ہم آج کے واقعات کے متعلق بھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ چہ جائیکہ سو، دو برس پہلے کے واقعات کو تاریخ کی شکل میں منضبط کرنا ظاہر ہے کہ ایک دشوار کام ہوتا ہے اور اس کے لئے مؤرخ کو بڑی جد و جہد کرنا پڑتی ہے۔ اس دور کی کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے مختلف تواریخ کی چھان بین کرنا ہوتی ہے اور ان کے حوالوں کے ساتھ وہ اپنی کوئی رائے بھی دیتا جاتا ہے، لیکن سو، دو سو یا ہزار پندرہ سو برس کے واقعات لکھنا چنداں مشکل نہیں اس لئے کہ اس دور میں کسی نہ کسی طرح واقعات کو قلمبند کرنے کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا اور بہت سے مؤرخوں نے اپنی عمر عزیز صرف کر کے بڑی بڑی تاریخیں مرتب کر ڈالی ہیں، جن سے ہمیں اپنے اسلاف کے کارناموں کا علم ہوتا ہے اور ہم ان مؤرخین کے ممنون احسان ہوتے ہیں جنکی کوششوں سے کسی زمانے کی تاریخ ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ اگر مؤرخ ایسا نہ کرتے تو ہم گذرے ہوئے زمانہ کے واقعات سے لاعلم ہوتے۔ ہمیں نہ معلوم ہو سکتا کہ قوموں کا عروج و زوال کیسے ہوا، اور کس کس دور میں کیا کیا واقعات رونما ہوئے، کیسی کیسی ترقیاں ہوئیں، کیسے کیسے قانون بنے اور کس طرح بڑی بڑی لڑائیاں لڑی گئیں۔

در اصل مؤرخ کا دنیا والوں پر بہت بڑا احسان ہوتا ہے اور رہتی

دُنیا تک اسے یاد کیا جاتا ہے۔ واقعات کے سلسلہ میں فاضل اور دیانتدار مؤرخین کا ذکر آتا رہتا ہے۔ صدہا کتابیں ان کے حوالوں کے ساتھ شائع ہوتی ہیں جنھیں پڑھ کر ہم صدہا سال قبل کے واقعات کو اس طرح محسوس کرنے لگتے ہیں، جیسے کہ ہم اسی زمانے میں پہنچ گئے ہوں۔

عصر قدیم کی تاریخ جو آپ اس دیباچہ کے بعد ملاحظہ فرمائیں گے مشہور مؤرخ جناب عبدالحلیم شرؔر لکھنوی کا ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر رہتی دُنیا تک کم سے کم اُردو تو ناز کرتی ہی رہے گی، اس لئے کہ اُردو میں زمانۂ قدیم کے حالات پر کوئی مستند تاریخ موجود نہیں۔ یہ ۱۳۸۳ھ ہے۔ ظاہر ہے کہ طلوع اسلام کے بعد ہماری دُنیا کافی متمدن ہو گئی تھی۔ اور واقعات چمڑے کے پتروں اور پتھروں وغیرہ پر لکھے جانے لگے تھے قرآن پاک کو جس احتیاط اور صحت کے ساتھ مُرتب کیا گیا اس سے کون واقف نہیں۔ اس کے بعد تاریخ اسلام بڑے بڑے مؤرخوں نے مُرتب کی، لیکن اِس دَور کی تاریخ ایسی اہمیت نہیں رکھتی، البتہ عصر قدیم کی تاریخ لکھنا ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر مؤرّخ بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ یہ تاریخ ۲۴۹۷ء قبل محمدؐ سے شروع ہوتی ہے یعنی آج سے ۳۰۸۰ سال قبل سے۔ جب دُنیا اتنی متمدن نہ تھی کہ تاریخ کے واقعات باقاعدہ ضبطِ تحریر میں لائے جا سکتے، لیکن قدیم کتب اور کتبوں وغیرہ سے زمانہ قدیم کے حالات کا بھی علم ہوتا رہا ہے اور کھوج لگانے والوں نے قدیم سے قدیم زمانہ کے حالات معلوم کرنے اور انھیں تحریر میں لانے کی کوشش کی ہے۔

شرؔر صاحب مرحوم عرصہ تک حیدر آباد میں رہے اور وہاں کی سرکاری

لائبریری سے فیض حاصل کرتے رہے اس لئے کہ مؤرخ کے لئے ایک بہت بڑے کتب خانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس میں ... کتابیں بھی ہوں اور مخطوطات بھی۔ اور کمتر ہی ایسے علم دوست ہوتے ہیں جنھیں قسمت سے ایسے عظیم کتب خانے مل جائیں۔ شررؔ صاحب مرحوم نے حیدر آباد کے کتب خانے سے بہت کچھ حاصل کیا بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اسی کے طفیل وہ ایسے عظیم مؤرخ بن گئے۔ لیکن صرف کتابوں کے انبار سے ہی کوئی شخص مؤرخ نہیں بن سکتا۔ مؤرخ بننے کے لئے علمی قابلیت کے ساتھ ہی وسیع مطالعہ خداداد ذہانت اور یادداشت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ شررؔ صاحب مرحوم کو یہ سب کچھ حاصل تھا اور یہی وجہ ہے کہ موصوف نے تاریخ پر بہت سی ٹھوس کتابیں ہی نہیں لکھیں بلکہ بہت سے ناول بھی تصنیف کئے جو تاریخی پس منظر رکھتے تھے اور ان کی وجہ سے تاریخ کے مختلف واقعات ایسے لوگوں نے بھی پڑھ ڈالے جو محض تاریخ سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔

عصر قدیم ایسی تاریخ نہیں جس میں تفصیل کے ساتھ کسی دور کے حکمرانوں کے حالات اور سماجی زندگی کی تفصیلات ہمیں مل سکیں۔ اس میں بہت ہی اختصار کے ساتھ تاریخی واقعات کو یکجا کیا گیا ہے۔ پھر بھی یہ اس قدر دلچسپ اور جامع ہے کہ پڑھنے والا اُکتا نہیں سکتا، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ یہ تاریخ ہمیں ترقی یافتہ دور کی تاریخ سے زیادہ دلچسپ محسوس ہوتی ہے۔ صرف اس لئے کہ یہ اُس دور سے تعلق رکھتی ہے جس کے حکمرانوں سے ہمیں بہت کم واقفیت ہے اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص ۵ ہزار سال قبل کی دنیا کے واقعات تاریخ کی شکل میں پیش

کر سکے تو لوگ اسے غیر معمولی دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے اس لئے کہ ہم اس سے قطعی ناواقف ہیں اور انسانی فطرت کے تحت یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین رہتے ہیں کہ دُنیا کے ابتدائی دَور میں انسان کس طرح انفرادی یا اجتماعی زندگی گذارتا تھا۔

آج کے ترقی یافتہ دور میں، جبکہ سائنس نے عظیم قوّتوں کو انسانی مٹھیوں میں بند کر دیا ہے، بڑے سے بڑے اہم کارنامے بھی ہمیں کسی تحیّر میں مُبتلا نہیں کرتے، لیکن جب ہم زمانہ قدیم کی کسی عظیم تعمیر کا ذکر سنتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں اور سمجھ میں نہیں آتا کہ سائنسی طاقتوں کے بغیر انسان کس طرح انھیں کیا کرتا تھا، مثال کے طور پر اہرام مصر ہی ایسے عجیب وغریب ہیں کہ انسانی عقل انھیں دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ کس طرح ہزار ہا من وزنی پتھروں کو اتنی بلندیوں پر پہنچا کر فٹ کیا جاتا رہا ہوگا۔ کتنے انسان، کس طرح اسے اتنی بلندیوں تک لے جاتے ہوں گے، سوچ کر ہم ششدر رہ جاتے ہیں عصرِ قدیم میں ۲۴۹۷ قبل محمدؐ سے ۲۲۷۸ قبل محمدؐ تک ہادیانِ دین کے تذکرے ہیں۔ اس کے بعد عہدِ بنی اسرائیل کی تاریخ سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔ مصر، نینوا، بابل، فارس، زوال بابل۔ مملکت یونان اور یونانیوں کی ترقی کے بعد اس کی نو آبادیات کا ذکر ہے۔ یونانیوں کے بعد ایرانیوں کے عروج کی تاریخ شروع ہوتی ہے جنھوں نے یونان پر دھاوا بول دیا تھا۔ معرکۂ مار اتھون، معرکہ تھرموپلی، لے، ہیں کیخسرو کی شکست کے واقعات تاریخ کے حیرت انگیز اور عجیب وغریب افسانے ہیں۔ کیخسرو کے بعد یونانی بادشاہ اور فاتح اعظم سکندر کا دور آتا ہے۔ اس کی فتوحات اور محاربات

کے واقعات انسانی اولوالعزمی کی ایسی داستانیں ہیں جن کی مثالیں تاریخ میں کمتر ہی ملتی ہیں۔ لیکن ہر کمالِ را زوال کے مصداق یونان کو بھی جو تہذیب و تمدن کے اعتبار سے اس دور میں ساری دنیا سے بڑھ چڑھ کر سمجھا جاتا تھا زوال کا منہ دیکھنا پڑا۔ روم کی سلطنت یونان کی تباہی کا باعث بنی۔ قیصر روم نے ایسی عظمت و شان حاصل کی کہ تاریخ اس دور کے عجیب و غریب واقعات پر انگشت بدنداں نظر آتی ہے۔ روم کی تاریخ اپنی نوعیت کے اعتبار سے عجیب و غریب ہے، لیکن اس دنیا میں کسی کا بھی عروج ہمیشہ قائم نہیں رہتا، روم کی سلطنت عالمِ شباب پر تھی کہ اوغسطوس کے عہد حکومت میں حضرت مسیحؑ پیدا ہوئے، جن کی ولادت نے دنیا کی تاریخ میں نیا انقلاب پیدا کر دیا۔

تاریخ عصر قدیم اوغسطوس ہی کے حالات پر ختم ہو جاتی ہے اسلئے کہ اسکے بعد سنہ عیسوی شروع ہو جاتا ہے اور اس دور کو عصر قدیم سے متعلق نہیں سمجھا جاتا۔

شمیم انہونوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

پہلا باب

فصل اوّل

ہادیانِ دین (۲۴۹۷ قبل محمدؐ سے ۲۲۷۸ قبل محمدؐ تک)

طوفانِ نوحؑ آیا اور ساری دُنیا کو غرق کر کے تھما۔ اس کے بعد پانی اُترتے اُترتے اُتر گیا۔ کشتیِ نوحؑ کوہِ جودی پر آ کے ٹکی۔ اور نسلِ آدمؑ جسے اب اولادِ نوحؑ کہنا چاہیے دریائے دجلہ و فراتؑ کے کنارے کنارے جو اُسی قرب و جوار سے نکلے ہیں بڑھنا پھیلنا اور آباد ہونا شروع ہوئی۔ پھر جب اُن میں جہالت بڑھی اور خداشناسی کا نور دُھندلا پڑا تو انھیں شوق ہوا کہ کسی تدبیر سے آسمان کے اس رواقِ نیلگوں تک پہونچ جائیں جہاں سے روز شام کو روشن تارے ہمیں اپنا جمالِ جہاں آرا دکھایا کرتے ہیں چنانچہ یہیں دریائے فرات کے کنارے والے میدان میں انھوں نے ایک اتنا اونچا بُرج بنانا چاہا جس کی چوٹی آسمان سے جا ملے۔ اور اُس عالمِ بالا کی کیفیت معلوم کر سکیں۔ مگر خیال کی کمند تو کنگرۂ فلک تک پہونچتی نہیں اُنھیں بھلا کیا کامیابی ہوتی؛

ؑ۔ یہ سلسلۂ کوہ جو ایران و روم کے درمیان میں جنوب سے شمال کو چلا گیا ہے اُس کے شمالی سرے پر جہاں ایران و روم اور روس کی سرحد ملتی ہے ایک تلۂ کوہ ہے جسے عربی میں "جودی" اور انگریزی میں "ارارات" کہتے ہیں۔ اسی پہاڑ پر کہتے ہیں کہ حضرت نوحؑ کی کشتی طوفان کے بعد آ کے ٹکی تھی۔

لوگ اسی سرزمین میں تھے کہ حسبِ بیان توراۃ خدا نے اُن کی بولیوں میں تفرقہ ڈالا اور مختلف زبانیں پیدا ہوئیں۔ پھر اس کے بعد سے ایک مدت دراز تک کے حالات ہمیں بالکل نہیں معلوم تھے۔ یہاں تک کہ ولادت سرورِ کائنات صلعم سے تقریباً دو ہزار چھ سو برس پہلے خدا نے خاص اُس خاندان کو امتیاز دینا شروع کیا جس سے خود جناب رسالتمآب صلعم پیدا ہونے والے تھے۔

یہ نبی سام تھے جن میں کے چند لوگ دریائے فرات کے شمال جانب ذرا فاصلہ پر رہتے تھے۔ اور جو سچی توحید اُن کو حضرت نوحؑ سے پہونچی تھی اُس کی بعض تعلیموں کی ادب و تعظیم کے ساتھ حفاظت کرتے تھے اور ان پر کاربند تھے۔ یہ لوگ ہبرو (عبرانی) کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ اور دُنیا میں اکیلے وہی ایک وارث رموز وحدت اور حامل تعلیمات نبوت تھے۔

انھیں لوگوں میں ایک حضرت ابراہیمؑ تھے۔ جن کو اللہ جل شانہ نے حضرت محمد صلعم سے تقریباً چوبیس سو نوّے سال پیشتر ہدایت کی۔ کواکب کے عظمت و جلال اور اُن کی چمک دمک سے دھوکے کھائے اور فسنح ۶۰ اثم کر کے وہ جوش و خروش سے کہہ اُٹھے۔ "یاقوم اِنّی بریٓءٌ مِمّا تُشرِکُون" (لوگوں میں تمھارے شرک سے بری ہوں) یہ سنتے ہی لوگ دشمن ہو گئے۔ حاکم وقت نمرود نے آگ جلوا کے اُس میں ڈلوا دیا کہ جل کے خاک ہو جائیں۔ مگر خدا کو اُن سے اور اُن کی نسل سے ابھی بہت کام لینا تھے۔ لہذا ایک طرف تو آتشِ نمرود کو حکم دیا کہ "یانارُ کونی برداً و سلاماً علیٰ ابراھیم" (اے آگ ابراہیمؑ کے حق میں ٹھنڈی اور اچھی بن جا) دوسری طرف خود ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ "اپنے مُلک اور اپنے ماں باپ کے گھر کو چھوڑ کے اس سرزمین کی راہ لو جو تمھارے لئے مخصوص ہے"۔

ابراہیمؑ نے اس حکم خداوندی پر عمل کیا۔ اور اُس قطعۂ زمین پر پہونچے جو

صحرائے شام اور بحیرۂ روم کے درمیان ایک پتلی سی دھجّی کی طرح دور تک چلا گیا ہے۔ وہاں پہاڑیوں کی ایک قطار شمالاً وجنوباً فاصلہ تک پھیلی ہوئی ہے جس پر آسمان سے بدلیاں اُتر کے برستی۔ صدہا آبشاروں کو اُن کے دامنوں سے اُتارتی۔ اور بہت سی نہریں اور چشمے جاری کرتی ہیں جن میں سب سے بڑی ندی نہر یردون ہے۔

حضرت ابراہیمؑ سے اس وقت جب کہ اُن کے کوئی اولاد نہ تھی خدا نے وعدہ کیا کہ یہ خوش سواد اور سرسبز وشاداب زمین تمہاری نسل سے وابستہ رہے گی۔ مگر جس وقت آپ پہونچے ہیں اُس وقت وہاں قوم کنعان آباد تھی۔ جو لوگ کہ حام بن نوحؑ کی نسل سے تھے۔ اور اُسے اپنی جانب منسوب کر کے ارضِ کنعان کہتے تھے اسکی وادیوں میں اُن لوگوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم کر لی تھیں اور شہروں یا گڑھیوں کے ذریعہ سے جو پہاڑیوں کی چوٹیوں پر بڑی بڑی چٹانوں سے تعمیر کی گئی تھیں وہ لوگ اپنی سلطنتوں کی حفاظت کرتے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کے خاندان کے ساتھ آپؑ کے بھتیجے حضرت لوطؑ بھی یہاں آئے تھے۔ وہ اپنے چچا سے علیحدہ ہو کے دولتمند مگر نالائق وناپاک شہر سدوم میں جا کے مقیم ہوئے۔ اتفاقاً شاہان شنار اور ایلام جنھوں نے ارضِ مشرق سے آ کے وادی یردن کے شہروں پر تسلّط کر لیا تھا۔ شہر سدوم پر حملہ کیا۔ اور تمام باشندگان شہر کو اور اُن کے ساتھ خود لوطؑ کو بھی پکڑ لے گئے۔

یہ خبر سُن کے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے ملازموں کو مُسلّح کر کے اُن بادشاہوں کا تعاقب کیا۔ اُنھیں شکست دی۔ اور اسیروں اور مالِ غنیمت کو صحیح وسالم واپس لائے۔ مگر اُس میں سے اپنے لئے کچھ نہیں لیا۔ اور حسب بیان توراۃ ملکئی زیدک نام ایک پُر اسرار راہب اور فرماں روا سے جو کوہ سلیم پر رہتا تھا فقط دُعا کے خواستگار ہوئے۔ توراۃ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا نام اس سے پہلے

اَبرم تھا۔ اب خدا نے اُسے بدل کے اَبرہام یا ابراہیمؑ کر دیا جس کے معنی ہیں "ایک جماعت کثیر کا باپ"۔ اور یہ نام بدلنے کے ساتھ ہی انھیں یہ خوشخبری سُنائی کہ تمھارے اولاد ہوگی جس سے وہ اس وقت تک محروم اور کبرسنی کے باعث مایوس تھے۔

اس خوشخبری کے دوسرے دن شہر سدوم جس میں حضرت رہتے تھے اپنی سیہ کاریوں کی ہی وجہ سے مبتلائے غضب الٰہی ہوا۔ اور عقاب ربّانی سے کلیۃً تباہ و برباد ہوگیا۔ اس ہیبتناک تباہی سے وہ مقام جہاں یہ شہر آباد تھا۔ ایک آتش فشاں جھیل بن گیا جو کہ آج تک ڈیڈسی (بحر موت) کے نام سے مشہور ہے اور سب لوگ تو اس عذاب میں مبتلا ہو کے ہلاک ہو گئے۔ اکیلے حضرت لوطؑ بچے تھے جن کی نسل اُسی بحر موت کے آس پاس آباد اور بنی مُواب اور بنی عمون کے نام سے مشہور ہوئی۔

اب حسب وعدۂ الٰہی ابراہیمؑ کے اولاد ہونا شروع ہوئی۔ جن میں سب سے بڑے اور حامل وعدۂ ربانی حضرت اسمٰعیلؑ تھے جو ایک مصری خاتون کے بطن سے تھے۔ اور چونکہ وہ دُعائے خلیلؑ اور منشاء الٰہی کے خاص حامل تھے۔ اس لئے ابراہیمؑ کو حکم ہوا کہ اولاد اکبر یعنی اسمٰعیلؑ کو حجاز کی وادی غیر ذی ذرع میں (جہاں کوئی پیداوار نہ ہو سکتی ہو) لے جا کے اُن کی قربانی کرو۔ اور وہیں اُس خاص خانۂ خدا کو اپنے ہاتھ سے تعمیر کرو جو دُنیا میں انوار قدس کا سب سے بڑا سرچشمہ قرار پائے گا۔ یہ بڑا نازک امتحان تھا۔ مگر توفیق الٰہی نے ابراہیمؑ کو ثابت قدم رکھا۔ میدان مِنا میں انھوں نے اسمٰعیلؑ کو لِٹا کے ذبح کرنا شروع کیا تھا کہ ہاتھ رُک گیا اب خدا اپنی اطاعت میں پوری طرح ثابت قدم دیکھ چکا تھا۔ لہٰذا اسمٰعیلؑ کی جگہ ایک مینڈھا عطا فرمایا اور حکم دیا کہ اسمٰعیلؑ کے عوض اس کی قربانی کرو۔

الغرض اس طریقہ سے اسمٰعیلؑ خاص طور پر خدا کی نذر کر دیے گئے۔ پھر مقدس باپ بیٹوں نے مل کے کعبہ کو تعمیر کیا۔ اور تعمیر سے فارغ ہونے کے بعد دونوں نے اُس خانۂ خدا کے پاس کھڑے ہو کے دُعائے خیر و برکت مانگی۔ اب ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ کو تو اس خانۂ خدا کا خادم و متکفل بنا کے مع اُن کی والدہ کے یہیں چھوڑا۔ اور اپنی بی بی سارہ اور دوسرے چھوٹے بچے اسحٰق کی خبر گیری کے لئے ارض کنعاں میں واپس گئے۔ آخر کار ایک عابرانہ دیانت داری اور مہماں نوازی کی طولانی زندگی بسر کر کے جناب ابراہیمؑ نے دُنیا کو رخصت فرمایا اور مقفلہ کے غار میں قیامت تک کے خواب نوشیں کا مزہ لینے کے لئے لٹا دئے گئے۔

آپ کے بعد آپ کے بڑے بیٹے اسمٰعیلؑ ذبیح خاص حرم ربانی کے متکفل اور رسالت محمدیؐ کے حامل بن کے مکۂ معظمہ میں سکونت پذیر ہوئے اور دوسرے بیٹے اسحٰقؑ جو وطنی بی بی سارہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ خاص ارض کنعاں اور اپنے پدر بزرگوار کی موعودہ اور خدا کی دی ہوئی سرزمین میں اقامت گزیں رہے۔

اسحٰقؑ نے بھی اپنی خدا پرست والدہ کی سی رضا و تسلیم کی زندگی بسر کی۔ اس وقت تک اُن کا قیام خیموں میں تھا۔ اور ارض موعودہ یعنی ملک کنعاں کے جنوبی حصہ میں اِدھر اُدھر پھرتے رہتے تھے۔ اُن کے دو توام بیٹے ہوئے عیصؑ اور یعقوبؑ۔ بڑے یعنی عیص نے جنوبی پہاڑیوں میں سکونت اختیار کی جو سرزمین کہ اَدوم (یعنی سُرخ) کے لقب سے مشہور تھی یہیں اُن کی نسل بڑھی اور پھیلی جو لوگ کہ ادومی کہلاتے تھے۔ اور غالباً انھیں میں سے حضرت ایوبؑ پیغمبر بھی تھے جن کے صبر اور جن کے رضا و تسلیم کی دُنیا میں شہرت ہے۔ ان ادومیوں نے اِلّورا وغیرہ کے غاروں کی طرح اپنے شمالی عرب کی بڑی بڑی چٹانوں میں کھود کھود کے اپنے رہنے کے واسطے عجیب و غریب قسم کے غار بنائے تھے جو آجتک حیرت کی نگاہوں سے دیکھے

جاتے ہیں۔

اسحٰقؑ کے چھوٹے بیٹے یعقوبؑ جن کا لقب اسرائیل تھا۔ اپنے دادا کے اصلی وطن میں گئے۔ وہیں شادی کی اور ایک بڑے خاندان کے ساتھ پھر ارض موعودہ میں آ کے اقامت گزیں ہو گئے۔ یہاں اُن کے لاڈلے بیٹے یوسفؑ کو حاسد و نامہربان بھائیوں نے بنی اسمٰعیل کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ جن کا ایک قافلہ اتفاقاً وہاں آگیا تھا۔ وہ اسمٰعیلی یوسفؑ کو مصر لے گئے۔ جہاں یوسفؑ کو چند روز تک غلامی و مصیبت میں مبتلا رہنے کے بعد اوج و عروج حاصل ہوا۔ اور بادشاہ مصر (فرعون) کے مشیر خاص یعنی وزیر اعظم بن گئے۔ اب عروج حاصل کر کے یوسفؑ نے اپنے والد اور اپنے بے مہربان بھائیوں کو مع اُن کے بال بچوں اور تمام متعلقین کے مصر میں بلوایا۔ اور نسل ابراہیمؑ اپنی موعودہ زمین کو چھوڑ کے مصر کے زرخیز و شاداب ترین مقامات میں آباد ہو گئی۔

فصل دوم

ملک مصر (۲۲۷۸ء قبل محمدؐ سے ۲۰۶۲ء قبل محمدؐ تک)

سرزمین مصر جو براعظم افریقہ میں ہے ارض کنعاں سے ملی ہوئی ہے اور دریائے نیل کے کنارے دور تک پھیلتی چلی گئی ہے یہاں کے باشندے جو حام بن نوحؑ کے بیٹے مصرایم کی نسل سے بتائے جاتے ہیں۔ قدیم الایام میں بڑے قابل اور صاحب علم و فن تھے۔ اُنھوں نے اس سرزمین کو بویا جوتا اور دریائے نیل نے ہر سال طغیانی پر آ کے اُن کے کھیتوں کی آبیاری کر دی۔ اسی اطمینان و فارغ البالی نے اُن کی نسلیں بڑھائیں۔ اور اُن کے ہاتھوں سے وہ عالیشان اور باعظمت عمارتیں تعمیر کرا دیں جو آج تک اعجوبۂ روزگار ہیں۔ اور سنین مابعد میں ہمیشہ پُر جلال

و پُر اسرار چیزیں سمجھی گئیں۔
اہرام مصر یعنی انسان کے ہاتھ کے بنائے ہوئے سر بفلک پہاڑ جن کی بنیاد مربع ہے اور ہر ضلع اوپر جھکتے جھکتے اور گھٹتے گھٹتے ایک نوک پر ختم ہو گیا ہے اُن کی کاریگری کی یادگار ہیں۔ یہ اہرام بالو کے لق و دق میدان میں بادشاہوں کے مقبروں کی حیثیت سے تعمیر کئے گئے تھے اور آج تک اُسی طرح سر اُٹھائے کھڑے ہیں۔ اہلِ مصر کے مُردوں کی لاشیں آج بھی بے سڑی گلی مصر کی نفیس ململ میں لپٹی۔ روغنی صندوقوں کے اندر محفوظ اور پُر تکلّف کمروں میں رکھی ہوئی ملتی ہیں۔ جن کمروں میں رکھی ہوئی ہیں ان میں ایسی عجیب وغریب نقّاشی اور رنگ آمیزی کی گئی ہے کہ اِتنی مدّتیں گزرنے کے بعد آج بھی اسی طرح صاف سُتھری اور اسی وقت کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ اُنھیں لاشوں کے ساتھ اُن کے حالاتِ زندگی بھی لکھے ہوئے موجود ہیں جو انھیں کمروں کے در و دیوار میں اُن کے پُرانے خط میں جس میں زیادہ تر تصویروں اور علامتوں سے کام لیا گیا ہے پتّھروں اور سِلوں پر کُھدے ہوئے ہیں۔ اور اس گھڑی تک ویسے ہی صاف واضح اور مکمّل ہیں جیسے کہ پہلے ہوں گے۔
دُنیا کی دیگر اقوام کی طرح پُرانے مصری بھی بُت پرست تھے۔ اور انکے بُت بڑے بڑے قد و قامت کے ہوتے تھے جو اس وقت تک دُنیا میں کثرت سے موجود ہیں۔ اُن کی تو ہی ہیکل زبردست مورتوں کے عظیم الشان خط وخال سے نہایت ہی سنجیدگی و متانت ظاہر ہوتی ہے اور دیکھنے والوں پر بنانے والوں کی عظمت کا بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ تھِیبس و قدیم دار السلطنت مصر جس کے کھنڈر آج دُنیا میں نہایت ممتاز ہیں، کے میدان میں پتّھر کی ترشی ہوئی مُورتوں کی ایک لمبی صف چلی گئی تھی جو بڑی بڑی کرسیوں پر بیٹھی ہوئی بنائی گئی تھیں۔ اور ایک بڑی بھاری مورت

کا سر جو کہ فی الحال لندن کے برٹش میوزیم میں رکھا ہوا ہے۔ اور "نیگ منون" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اُسے دیکھ کے دل میں خیال گزرتا ہے کہ جب مصر میں یہ سب چیزیں دُرست مکمل اور اپنی جگہ پر قائم ہوں گی تو وہاں کا منظر کیسا مؤثر، کیسا پُرہیبت نہ پُراسرار اور عجیب وغریب ہوگا۔

اہرامِ مصر میں بڑے ہرم کے پاس ایک بہت ہی بڑے قد و قامت کی ہیبتناک اور عجیب وغریب مورت ہے جو "ابوالہول" کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں شیر کے دھڑ پر انسان کا سر لگا دیا گیا ہے۔ اور اتنی بڑی ہے کہ اُس کے دونوں اگلے پنجوں کے درمیان میں ایک شوالہ بنا ہوا ہے جس کے اندر اُسی ابوالہول کی ایک چھوٹے پیمانے کی پتھر کی ترشی ہوئی مورت موجود ہے۔ جس پر بادشاہانِ مصر آ کے چڑھاوے چڑھایا کرتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ قدیم اہلِ مصر دو خاص اور متضاد قوتوں کا اعتقاد رکھتے تھے۔ ایک اُسائرس جسے وہ ساری بھلائیوں کا سرچشمہ تصور کرتے تھے۔ اور دوسری قوت کا مظہر سیہ کار ٹائیفون تھا جو ہر قسم کی بُرائیوں کا باعث خیال کیا جاتا اُن کا عقیدہ تھا کہ یہ دونوں برابر کی قوتیں ہیں۔ اور ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتی رہتی ہیں۔ تمام مویشی اُسائرس کی جانب منسوب تھے۔ خاصتہً ایک کالا بیل جس پر خاص قسم کے نشان بنے ہوئے تھے اور ایپیس کے نام سے یاد کیا جاتا۔ وہ دارالسلطنت ممفس میں رکھا جاتا۔ اور اُسائرس دیوتا کے مظہر کی حیثیت سے اُس کی پرستش کی جاتی۔ کتے، بلیاں، اگرمچھ۔ اور ایک طائر جو آئی بس کہلاتا تھا۔ ان سب کی پرستش یکساں طور پر کی جاتی۔ جن کی ممیاں (مدبر لاشیں) قدیم اہلِ مصر کی بنائی ہوئی آج تک کثرت سے موجود ہیں۔ پردانوں کی اُن میں بڑی عزت کی جاتی۔ اس لئے کہ اُن کو وہ لوگ ابدی زندگی کا مظہر خیال کرتے۔

ہندوؤں کی طرح مصر والوں میں بھی یہ امر جزو مذہب بن گیا تھا کہ لوگ مختلف ذاتوں میں بٹے ہوئے تھے۔ یعنی ہر شخص اس بات پر مجبور تھا کہ اپنے آبائی پیشہ کو اختیار کرے۔ رہنمایان دین کے بیٹے رہنما و مقتدا۔ سپاہی کے بیٹے سپاہی اور کسان کے لڑکے کسان ہوتے تھے۔ اور یہ بھی ممکن نہ تھا کہ اپنے خاندانی لقب کو چھوڑ دیں۔ چاہے وہ کچھ ہی اور کسی درجہ کا ہو۔ علم زیادہ تر مقتداؤں میں تھا۔ جس سے دوسرے مصری محروم تھے۔ خصوصاً جادو کے پُر اسرار علم و ہُنر کے وہ عامل ہوتے تھے۔ اور اُن کا اثر ملک پر اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ بغیر انکی رضامندی کے بادشاہ بھی کچھ نہ کر سکتے تھے۔

اُسی قدیم زمانے میں ایک مرتبہ مصر پر کسی غیر قوم نے چڑھائی کی تھی جو لوگ ہِک سُوس (گڈریے) بتائے گئے ہیں۔ اہلِ مصر نے اُن کے ہاتھوں سے بڑا نقصان اُٹھایا۔ لیکن اس کا پتہ لگانا کہ یہ واقعہ کس زمانہ کا ہے اور وہ کون لوگ تھے دُشوار ہے۔ بہت سے لوگوں کا خیال اس جانب کیا گیا۔ اور غالباً یہ صحیح بھی ہو کہ یہ عرب لوگ تھے جن کے بعض گروہ اپنے گلہ چراتے چراتے تاج و تخت مصر پر متصرف ہو گئے۔

شاہانِ مصر کی (جو فرعون کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے) ایک بڑی طولانی فہرست موجود ہے۔ لیکن اُن کے ناموں کے سوا اُن کے حالات اور ان کے عہد کے واقعات کا پتہ لگانا نہایت دُشوار ہے۔ اور جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ ایسے ہی واقعات ہیں کہ فرعون چیوپس نے ہرم اعظم کو بنایا۔ اور فرعون میریس نے وہ جھیل بنوائی جو اُس کے نام کی جانب منسوب ہے۔ اور اس جھیل کے بنوانے کی غرض یہ تھی کہ جب دریائے نیل میں طغیانی ہو تو پانی کے اس جھیل میں آ بھر جانے کی وجہ سے ملک میں سیلاب نہ آنے پائے۔

اس لئے کہ طغیانیِ نیل کی وجہ سے اکثر بہیا آجاتی تھی اور ملک کو اس سے نقصان پہونچ جایا کرتا تھا۔

اب ملکِ مصر میں حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں کی نسل بڑھی اور یہ حالت ہوگئی کہ باوجودیکہ فراعنۂ مصر اُنھیں روز بروز زیادہ دباتے تھے مگر اُن کی تعداد یوگا فیوگا بڑھتی ہی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ وقت آیا جو حضرت رب العزت نے ان کی آزادی و ترقی کے لئے مقرر فرما رکھا تھا۔ یعنی ۲۰۶۲ سنہ قبل ولادت محمدیؐ حضرت موسیٰ آلِ یعقوبؑ یعنی بنی اسرائیل کو لے کر ارضِ مصر سے نکلے۔

اسی سال کوہِ طور پر (جو جبال سینا کی ایک چوٹی ہے اور بحرِ قلزم کے دونوں شمالی سینگوں کے درمیان چھوٹے جزیرہ نمائے عقبہ میں واقع ہے) حضرت موسیٰ کو وہ احکام خداوندی عطا ہوئے۔ جن پر عمل پیرا ہونا اولادِ یعقوب یعنی خدا کی منتخب و محبوب قوم بنی اسرائیل کے لئے لازمی تھا۔ حکمتِ ربانی کے ان قوانین کے مطابق اُنھیں بُت پرست اقوام سے ملنے جُلنے اور اُن سے کسی قسم کے تعلقات پیدا کرنے کی قطعی ممانعت تھی اور اُن سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ نسلاً بعد نسل ہمیشہ اپنے خالق لاشریک لہٗ سے وابستہ رہیں گے جس نے اُن کو اپنی ایک مخصوص و منتخب قوم ہونے کا امتیاز عطا فرمایا تھا اس کے ساتھ یہ وعید بھی تھی کہ اگر وہ اِن قوانین کی پابندی نہ کرسکے تو وہ تمام لعنتیں اُن پر پڑجائیں گی جن سے اُس وقت کی ساری مُشرک دُنیا بھری پڑی تھی۔

خلاصہ یہ کہ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ سے اُس سچی شریعت اور دینداری کی تعلیم دی گئی جو خدا کا سچا فطری دین تھا۔ یعنی "فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا" جس کی تعلیم حضرتِ آدمؑ سے لے کے اِس وقت تک کُل انبیائے سلف دیتے آئے تھے اور جس کا تکملہ اللہ جلّ شانہٗ نے "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ" فرما کے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے کرایا۔

فصل سوم

فینقیین (سنہ ۲۰۲۲ قبل محمدؐ سے سنہ ۱۶۶۷ قبل محمدؐ تک)

بنی اسرائیل نے خدا سے جو عہد کیا تھا وہ ہنوز تکمیل کو نہیں پہونچنے پایا تھا کہ انھیں کے ہاتھوں سے ٹوٹ گیا اور سرکش بنی اسرائیل کو یہ سزا ملی کہ مصر سے نکلنے کے بعد بجائے اپنی موعودہ سرزمین میں پہونچنے کے چالیس برس تک وہ اس لق و دق ریگستان میں جو وادی تیہ کہلاتا ہے سرگرداں و پریشان رہے۔ اس طولانی مدّت کے ختم ہونے کے بعد جب کہ حضرت موسیٰؑ رہ گزائے عالم جاوداں ہو چکے تھے اُن کے جانشین یوشع بن نون اُنھیں لیے ہوئے ارض موعودہ میں پہونچے جہاں پہونچنے کے بعد خدا نے اُن کی اتنی مدد کی کہ کنعانیوں کو جو اُس سرزمین کے مالک و حکمران تھے، کامل شکست ہوئی اور اس خدا کی دی ہوئی زمین پر وہ اطمینان و فارغ البالی سے آباد ہو گئے۔ اب حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں کی نسل ہونے کے لحاظ سے اُن کے بارہ گروہ تھے جو بارہ سبط کہلاتے اور جنھوں نے اس زمین کے مختلف اضلاع کو آپس میں بانٹ لیا۔

مگر ابھی بنی اسرائیل کی تعداد اتنی نہ تھی کہ اس پوری زمین کو گھیر لیتے۔ لہٰذا کنعانیوں ہی کے بعض گروہوں کو اجازت دی گئی کہ اُن حصوں میں بدستور آباد رہیں جنھیں بنی اسرائیل اپنی کمی تعداد کی وجہ سے نہیں آباد کر سکتے تھے۔ لیکن باوجود اس کے بنی اسرائیل کو ان سے کسی قسم کے تعلقات رکھنے اور راہ و رسم پیدا کرنے کی قطعی ممانعت تھی۔ کیونکہ وہ بُت پرستوں سے ملنا جُلنا بنی اسرائیل میں سب سے بڑا قومی اور دینی جرم تھا۔

یہ کنعانی قومیں جن کو رہنے کی اجازت دی گئی ان میں زیادہ ممتاز دو قومیں تھیں۔ ایک تو فلسطین جو اس سرزمین کے دجواب بجائے ارض کنعاں کے ارض یہودا کہلاتی

تھی)، جنوبی حصہ میں رہا کرتے تھے۔ اور دوسرے زِدونی جو شمال کی جانب سمندر اور کوہ لبنان کے درمیان میں آباد تھے۔

یہی زِدونی لوگ ہیں جو فنیقین کہلاتے تھے۔ یہ ایک بڑی دولتمند اور نہایت زبردست قوم تھی۔ اور ان کے دو بڑے شہر طائر اور زِدون ہی دُنیا کی پہلی بندرگاہیں ہیں۔ جہاں تجارتی کاروبار قائم ہوا۔ انھیں لوگوں نے ایک قسم کی سیپی سے جو جزیرہٗ روم میں نکلتی تھی پہلے پہل ایک گہرا سُرخ ارغوانی رنگ ایجاد کیا تھا۔ جسکی شاہی کپڑوں کے لئے بڑی مانگ تھی۔ لبنان کے علاقہ میں نہایت اعلیٰ درجہ کا ساگوان پیدا ہوتا تھا۔ عمارتوں کے لئے دُنیا میں اس کی بھی بہت مانگ تھی۔ غرض اُن کی تجارتوں سے فنیقی لوگ بڑی دولت پیدا کر لیتے تھے۔ علاوہ بریں مسالہ اور روغن زیتون جو چیزیں کہ ارضِ کنعان کی پیداوار تھیں اُن کا مبادلہ مصر والوں کے غلّہ اور وہاں کی نفیس ململ سے نفع بخش طریقہ سے ہو جایا کرتا تھا۔ جب تجارت کی ضرورتیں وسیع ہوئیں تو ان فنیقی لوگوں نے جو اُن دنوں دُنیا کے سب سے بڑے تاجر تھے جہاز بنائے اور تاجرانہ سفر اختیار کر کے ممالک دور و دراز میں پہونچنے لگے۔ وہ سونا اور چاندی۔ شیلیم (یعنی ایشیائے کوچک) اور ترشیش (جس سے یقیناً ملک ہسپانیہ مراد ہے) سے لایا کرتے تھے۔ ادھر صحرا نورد عربوں کے قافلے فنیقی سوداگروں کے قافلوں سے آکے ملنے لگے۔ جو اپنے مغرب کی طرف کے ریگ زار افریقہ سے جواہرات اور ہاتھی دانت۔ اور مشرق کی طرف سواحل ہند سے سونا تلاش کر کے لایا کرتے تھے چنانچہ اسی تاجرانہ لین دین اور کاروبار نے فنیقی لوگوں کے شہروں طائر اور زِدون کو تجارت کی بہت بڑی بارونق منڈیاں بنا دیا۔

مگر ان دونوں دولتمند شہروں میں ایک نہایت ہی جاہلانہ بگڑا ہوا اور قابل نفرت مذہب مروّج تھا جس کو دیکھ کے حیرت ہوتی تھی کہ اس ابتدائی زمانہ ہی میں نسل حام نے

انبیائے برحق کے بتائے ہوئے کیش و آئین کو کس قدر جلد ہاتھ سے کھو دیا تھا فینیقون میں بدترین قسم کی بُت پرستی تھی۔ وہ بعل کو اپنا سب سے بڑا دیوتا مانتے تھے۔ منجملہ اُن کے دیگر دیوتاؤں کے ایک ملوخ تھا۔ جس کو دُنیا میں آسمانی سیارے زحل کی مورت تصور کرتے۔ اور اُس پر اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھینٹ چڑھایا کرتے۔ اس دیوتا کی ایک بڑی بھاری برنجی مورت تھی جس کے آغوش میں دونوں ہاتھوں کے درمیان ایک توا سا تھا اور اس کے نیچے ایک بھٹی تھی جس میں آگ سُلگتی رہتی۔ معصوم شیرخوار بچّوں کو وہ اس توے پر لے جا کے رکھ دیتے جس پر سے تڑپ کے وہ نیچے بھٹی میں جا گرتے اور دم بھر میں جل بُھن کے خاک ہو جاتے۔ اس ملوخ کے علاوہ ان کی ایک دیوی اشتورت تھی۔ جس سے ماہتاب عبارت تھا۔ اُسے آسمان کی ملکہ کہتے۔ اور اُس کی پوجا بڑی دھوم دھام سے کرتے تھے۔ اس ملکہ کا عاشق تموز نام ایک اور دیوتا بتایا جاتا جس کے سامنے فینیقی عورتیں ٹکیاں پکا پکا کے چڑھاتیں اور ہر قسم کی علامات غم کا اظہار کر کے سوگوار بنتیں۔ پھر اسکے بعد موسمِ بہار میں اس اعتقاد کی بنیاد پر کہ تموز دوبارہ زندہ ہو کے اپنی معشوقہ سے ملا۔ خوشیاں مناتیں۔ گاتیں۔ بجاتیں۔ ناچتیں۔

بنی اسرائیل بعض ضعیف الاعتقادیاں مصر سے اپنے ساتھ لیتے آئے تھے جو اُن میں ایک مُدّت تک باقی رہیں۔ چنانچہ انھیں کا ایک کرشمہ یہ بھی تھا کہ سامری کے کہنے سے ایک سونے کے بچھڑے کی پرستش کر کے گوسالہ پرست بن گئے۔ کیونکہ ان کا یہ گوسالہ دراصل مصر والوں کے ایپس سے ماخوذ تھا۔ جس کا شوق ان کے دلوں سے ہنوز دور نہیں ہوا تھا۔ اب یہاں فینیقی لوگوں کی قربت نے اُن پر بُت پرستی کا اور اثر ڈالا۔ فینیقی لوگ ایک ایسی زبان بولتے تھے جو بنی اسرائیل کی زبان سے بہت ملتی جُلتی تھی، اور ان کی دولتمندی اس قدر بڑھی ہوئی

تھی کہ بنی اسرائیل کے تعلقات لازمی طور پر اُن کے ساتھ روز بروز بڑھتے ہی گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود بنی اسرائیل بھی شرک و بُت پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ جس سے شریعت موسوی کو قطعی نفرت تھی۔ اور جس سے الگ رہنے کی خدا نے سخت تاکید کر دی تھی۔

ارض فلسطین میں داخل ہونے کے چار صدیوں تک قبائل بنی اسرائیل اپنی قوم کے بزرگوں یا قاضیوں کے زیر فرمان تھے۔ اور اُن کا کوئی بادشاہ یا سردار سوا اس حضرت ربّ العزت اور ذات باری تعالیٰ کے نہ تھا۔ اُن پر خداوند جل و علیٰ کی حکومت استقلال کے ساتھ قائم تھی جس کے موحدانہ احکام انھیں اپنی مقتداؤں اور پیمبروں کے ذریعہ سے معلوم ہوا کرتے جن کی وہ صدق دل سے تعمیل کرتے۔ کبھی خدا کی مرضی انھیں اُن سزاؤں کے ذریعہ سے معلوم ہو جاتی جو شرک و بُت پرستی میں مبتلا ہو جانے کی پاداش میں اُن کو ملا کرتیں۔ اور کبھی اپنے برگزیدہ بارگاہِ الٰہی پیمبروں کی معجز نمائیوں سے۔

فصل چہارم

سلطنت بنی اسرائیل (۱۶۶۵ قبل محمدؐ سے ۱۳۹۴ قبل محمدؐ تک)

۱۶۶۵ قبل محمدؐ میں بنی اسرائیل کو اس بات کی تمنا ہوئی کہ قرب و جوار کی دیگر اقوام کی طرح وہ بھی کسی بادشاہ کے تابع فرمان بن سکے رہیں۔ جس طرح پہلے انھوں نے "منّ سلویٰ" کی سی نعمتیں چھوڑ کے کھیتی باڑی اور غلہ کی آرزو کی تھی ویسے ہی اب انھوں نے آزادی کو چھوڑ کے غلامی کی تمنا کی۔ خدا نے اُن کی یہ آرزو پوری کی اور اس زمانے کے پیغمبر حضرت شموئیل نے بن یامین کے سبط میں سے ساؤل کو تدہین کے ذریعہ سے بادشاہ

۵۔ تدہین کے معنی ہیں تیل لگانا۔ بنی اسرائیل میں اُن دنوں یہ بڑا طریقہ تعظیم تھا کہ سر میں تیل لگا دیں۔ چنانچہ شموئیل نے ساؤل کو بادشاہ منتخب کرتے ہی اُس کے سر میں تیل لگا دیا تھا بلکہ اپنے انتخاب کو اسی طریقہ سے ظاہر کیا تھا۔

منتخب کیا۔ ساؤل نے خدا کی نافرمانی کی۔ جس کے باعث وہ سلطنت اور تاج و تخت سے محروم کیا گیا۔ فلسطین لوگوں کے مقابل کوہ گلبوا کی لڑائی میں جو ولادت سرورِ کائنات صلعم سے ۱۶۲۷ سال پیشتر ہوئی تھی مارا گیا۔ اور اس کا بہادر دیندار بیٹا بھی اُس کے ساتھ ہی قتل ہو گیا۔

اب حضرت داؤدؑ سریرآرائے سلطنت ہوئے جو خدا رسیدہ پیغمبر اور ساؤل کے داماد تھے۔ اور بنی اسرائیل میں صاحب لحن مشہور تھے۔ انھیں تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہی بذریعہ وحی آسمانی بتایا گیا کہ تمھاری نسل قائم رہے گی۔ اور تمھاری نسل والے اگر خدا کے عہد کو توڑ دیں گے تو اُن کی لغزش کی سزا چھڑی سے اور گناہ کی سزا تازیانہ سے ملے گی۔

اُن کے بعد ۱۵۸۷ء قبل محمدؐ میں حضرت سلیمانؑ تخت پر بیٹھے اور آپ نے ۱۵۷۱ء قبل محمدؐ میں بیت المقدس کی مبارک مسجد اقصیٰ کو بنا کے کھڑا کر دیا جس کے لئے بڑے بڑے اہتمام کئے گئے اور جس کا افتتاح بھی عجیب شان و شوکت سے ہوا۔ حضرت سلیمانؑ کے عہد میں اقبال مندی اور دنیوی سرسبزی کے جتنے وعدے خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کیے تھے سب پورے ہو گئے۔ اُنھوں نے فنیقی لوگوں کے ملک کو فتح کر کے اپنے قبضے میں کر لیا۔ اہل شام و دمشق کو مطیع و باج گزار بنایا۔ بلقیس ملکۂ صبا آپ کی بی بی اور آپ کی مطیع و منقاد ہوئی۔ الغرض آپ نے اپنی سلطنت کے حدود دریائے فرات سے لے کے سواحل بحیرۂ روم اور حدود مصر تک پھیلا دیے آپکی دولتمندی تمام ما سبق بادشاہان ارض سے بڑھ گئی۔ اور آپ کی شان و شوکت اور آپ کے رعب و داب کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کی طرف جو کوئی نظر اُٹھا کے دیکھتا اُس کی نظر خیرہ ہو کے نیچے جھک جاتی۔ علم و حکمت وہ خاص نعمت تھی جو آپ کو بارگاہ لم یزلی سے عطا ہوئی تھی۔ اور جو اُس زمانے سے آج تک ساری دُنیا میں ضرب المثل ہے۔

مگر وفات سے پیشتر ہی بذریعۂ وحیِ الٰہی آپ کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کے بعد آپ کی سلطنت منقسم ہو جائے گی۔

آپ کی وفات کے بعد ۹۷۶ قبل محمدؐ میں یوربعم اور بنی اسرائیل کے دس سبطوں نے بغاوت کر کے شومرون کی سلطنت قائم کی جسے سامریہ یا سمار بھی کہتے ہیں اور جو بنی اسرائیل کی مشرک و بُت پرست سلطنت تھی۔ یہ تفرقہ پڑتے ہی ارض یہودا کی کمزور سلطنت پر فرعون مصر شیشاک نے چڑھائی کی۔ اس شیشاک کی نسبت بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ وہی مصر کا فاتح اعظم تھا جو سیسوسطریس کے نام سے مشہور ہے۔ اور جس کی رتھ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُسے صاحب تاج و تخت بادشاہ کھینچا کرتے تھے۔ کیونکہ جو سلاطین و فرماں روا مغلوب و مقہور کیے جانے کے بعد گرفتار کر کے لائے جاتے۔ سونے کی زنجیروں میں باندھ کے اُس کی رتھ میں جوت دئے جاتے۔ اور وہ انھیں گھوڑوں کی طرح ہنکاتا۔

مصر کے ایک مقبرے میں ایک کمرہ برآمد ہوا ہے جس کی چھت اور در و دیوار نقش و نگار سے آراستہ ہیں جن کے سلسلہ میں یہ تصویر بنی ہے کہ ایک مصری فاتح نے کسی قوم پر غلبہ حاصل کیا ہے۔ اُس قوم کے چہرے ایسے بنائے گئے ہیں جن سے خیال کیا جاتا ہے کہ یہودی مراد ہیں۔ کیونکہ اسرائیلیوں کے خط و خال اس قوم کے چہرے مُہرے سے نمایاں ہیں۔ مگر باوجود اس کے سیسوسطریس کی تاریخ اور اس کا زمانہ بالکل نامعلوم ہے اور ایسی کوئی بات نہیں ملتی جس سے پتہ چلتا ہو کہ اس شیشاک سے وہی سیسوسطریس مراد ہے یا کوئی اور۔

عام طور پر یہ نظر آتا ہے کہ ارض یہودا کی اصلی سلطنت یہودا کے مقابل میں سلطنت شومرون کو زیادہ قوت حاصل تھی۔ چنانچہ اس کے فرماں روا اخارب نے فینیقی لوگوں سے ربط و ضبط بڑھایا۔ زدون والوں کی ایک شاہزادی ایزبیل سے شادی کی۔ اور فنیقیوں ہی کی طرح اپنا کاروبار تجارت بھی جاری کیا۔ لیکن اس کے خاندان کے گنا

ہی اُس کی تباہی کے باعث ہوئے۔ جس کی ایلیجاہ نبی نے پہلے سے خبر دے دی تھی۔ چنانچہ اُس خاندان کے سب لوگ بادشاہ جیہو کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔

احاب کی بیٹی اَتالیہ ارض یہودا کے بادشاہ یہورام کی بیوی تھی۔ جب اس کا بیٹا احازیاہ احاب کے خاندان والوں کے ساتھ مارا گیا تو اُس نے شاہی نسل کے اور لوگوں کو بھی قتل کرا ڈالا صرف ایک یواش زندہ بچا جس سے نسلِ داؤدؑ دنیا میں باقی رہ گئی۔

اس اثنا میں خوبصورت اور شاداب شہر دمشق والے اہلِ قام عروج پکڑتے جاتے تھے۔ اور یہی اسرائیل کی سلطنت شومردن اور سلطنت ارض یہودا دونوں کے خطرناک دشمن بن گئے تھے، یہاں تک کہ دُنیا کی جو چار عظیم الشان شہنشاہیاں ان شہروں کے ویران و مسمار کرنے کے لئے قائم ہوئی تھیں۔ اُن میں سے پہلی سلطنت نے تمام والوں کو بالکل پامال کر ڈالا۔

دوسرا باب

(۲۰۷۹ قبل محمدؐ سے ۱۱۴۳ قبل محمدؐ تک)

فصل اوّل

نینوا (۲۰۷۹ قبل محمدؐ سے ۱۱۵۷ قبل محمدؐ تک)

دونوں عظیم الشان ندیاں دجلہ اور فرات جو آرمینیہ کے پہاڑوں سے نکلی ہیں ابتدا میں تو دونوں ایک دوسرے سے الگ اپنے اپنے راستہ پر بہتی رہی ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ ایک دوسرے سے قریب ہونے لگی ہیں۔ اور آخر کار ایک میں مل کے اور ایک دھارا بن کے خلیج فارس میں گری ہیں۔ اور جہاں تک یہ ایک ساتھ مل کے بہی ہیں وہ حصّہ "شط العرب"

ے۔ ان سے نینوا اور بابل کی اور میدیا والوں اور ایرانیوں کی شاہنشاہیاں مراد ہیں۔

کے نام سے مشہور ہے۔ جو مسطح، زرخیز اور شاداب خطۂ زمین ان دونوں ندیوں کے درمیان واقع ہے۔ وہی مذکورہ چار بڑی شہنشاہیوں میں سے پہلی کا مرکز حکومت تھا یہ مقام ابتداءً میدان مشنعار کہلاتا تھا۔ یہیں سرکش و خدا فراموش بنی آدم کے ہاتھ سے بابل کا مشہور بُرج تعمیر ہوا تھا۔ اور یہیں حام بن نوحؑ کے پوتے اور کوش کے بیٹے نمرود نے اپنی سلطنت قائم کی جس کا دار السلطنت شہر بابل تھا اور اُسکے ایک سردار آشور نے دریائے دجلہ کے کنارے شہر نینوا بسایا۔ جس علاقہ کا نام اُسی کی نسبت آشوریا ہو گیا اسی لفظ آشوریا کو مغرب والوں نے بدل کے اسیریا کر دیا ہے۔

نینوا ایک بڑا بھاری عظیم شہر تھا۔ اُس کا رقبہ اتنا بڑا تھا کہ ایک بہت بڑا قطعۂ زمین اس کے اندر آ گیا۔ اُس کے چاروں طرف ایک ایسی عجیب و غریب شہر پناہ تھی جس کی دیواروں کا آثار قیاس سے باہر بتایا جاتا ہے۔ یہ دیوار ایسی اینٹوں سے بنی تھی جو تارکول سے مٹی گوندھ کر تیار کی گئی تھیں۔ اس لئے کہ اس قرب و جوار میں تارکول کی بہت کثرت تھی۔ اس شہر میں بڑے بڑے قصر و ایوان تیار ہوئے تھے اُن کی دیواروں پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ کثرت سے مورتیں کھُدی ہوئی تھیں۔ محلوں، صحنوں میں جا بجا بڑے بڑے قوی ہیکل بُت اور پر دار شیروں اور بیلوں کی مورتیں قائم تھیں جن کا دیکھنے والوں کے دل پر بڑا رعب پڑتا تھا۔

توراۃ کی پوری دو کتابیں اسی شہر نینوا کے بیان میں ہیں۔ جن سے ان کا بھی پتہ چلتا ہے کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے پیغمبر یہاں مبعوث ہوئے۔ اور اُن کی عزت بھی کی گئی۔ اگر اور کبھی نہیں تو حضرت یونسؑ کے عہد میں یہ شان توحید ضرور نظر آ گئی۔ صوبۂ بابل اور صوبۂ میڈیا (جو نینوا سے مشرق کی طرف ذرا ہٹ کے ہیں) دونوں

نینوا کے زیرِ نگین تھے اور ۷۲۲ قبل محمدؐ میں یہاں کے فرماں روا شلما نصر نے بنی اسرائیل کے دس نافرمان سبطوں یعنی گناہ گار و مشرک سلطنت پر یورش کر کے دار السلطنت کا محاصرہ کر لیا۔ اس لئے کہ اُن کی نافرمانی کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ اور خدا کو انھیں سزا دینا منظور تھا۔ چنانچہ یہ محاصرہ قائم رہا۔ یہاں تک کہ شلما نصر کا بیٹا شاہ سرغون ان دسوں سبطوں کو اسیر کر کے پکڑ لے گیا۔ جن میں سے کچھ تو نینوا میں رکھے گئے۔ اور کچھ میدیا میں بھیج دیے گئے۔

اس کے بعد سناخریب بادشاہ ہوا جس نے قرب و جوار کے تمام شہروں کو مغلوب و مقہور کر کے اپنا مطیع و منقاد بنا لیا۔ فینیقین کے چند شہر بھی فتح کر لیے اور آگے بڑھا کہ مصر میں پہونچ کے دولت فراعنہ کو اپنے زیرِ نگیں کرے۔ ارض یہودا یعنی بیت المقدس کا علاقہ چونکہ راستہ ہی میں پڑتا تھا اس لئے اس نے اپنے ایلچی "ربشاکہ" کو خاص شہر یروشلم میں بھیجا اور اس کے ذریعہ سے یہود کو حکم دیا کہ:۔

"میرے آگے ہتھیار ڈال دو" اور کمال تجبّر و دلیری سے یہ الفاظ کہے کہ:۔

"جس خدا پر تمھارے نبی حزقیا کو بھروسہ ہے وہ تمھیں میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکتا"

یروشلم (بیت المقدس) میں جیسا امن و امان اُن دنوں قائم تھا۔ کبھی نہ تھا۔ سناخریب نے جو قہر الٰہی کا ایک مظہر تھا۔ اس سفیر بھیجنے کے سوا اور کوئی کارروائی نہیں کی اور ارض یہودا کے چھوڑ کے چلے جانے کو تھا کہ خبر آئی بادشاہ حبشہ اہل مصر کی حمایت میں اس کے مقابلہ کو آ رہا ہے۔ یہ سنتے ہی سناخریب بادشاہ سخت برہم ہوا اور آمادہ ہو گیا کہ حبشیوں سے پہلے یہود سے نپٹ لے۔ چنانچہ جلدی جلدی کوچ کرتا ہوا چلا کہ اہلِ حبشہ کے آنے سے پیشتر ہی حزقیا پر حملہ کر کے ارض مقدس پر قبضہ کر لے۔ مگر اپنی تمناؤں کے خلاف اُسے میدانِ جنگ کی صورت دیکھنا بھی نہ نصیب ہو۔ اور ایک معجزنما طریقہ سے یہ قدرت الٰہی نظر آئی کہ ایک ہی رات میں سناخریب کے سالے

لشکر کا قلع قمع ہو گیا۔ اور صبح کو دیکھا تو سب مرے پڑے تھے۔

سناخریب ناکام و نامراد سہما اور گھبرایا ہوا نینوا میں پہونچا تھا کہ خود بھی اپنے دو بیٹوں کے ہاتھ سے مار ڈالا گیا اور اُس کا تیسرا بیٹا ایسر حدون باپ کی جگہ تخت پر بیٹھا۔ اس تاجدار نینوا نے اپنے بیٹے کو اس کام پر مامور کیا کہ دارالسلطنت کو نینوا سے میدیا میں منتقل کر دے۔ کیونکہ اُسے یقین تھا کہ نینوا پر عذاب الٰہی نازل ہونے کی پیشین گوئیاں ضرور پوری ہوں گی اور جیسا اُسے اندیشہ تھا ویسا ہوا بھی نینوا کا آخری تاجدار یونانی مؤرخ ہیرو ڈوٹس کے بیان کے مطابق بادشاہ سردانا پلیس تھا۔ مگر اُس کا اصلی نام سراکس معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی عیش پرست بادشاہ تھا۔ اُس کی آرام طلبی اور عیش پرستی اس درجہ تک بڑھ گئی تھی کہ اس کی نظر میں عام قسم کی دلچسپیاں بھی کثرت انہماک سے بے مزہ ہو گئی تھیں۔ جو شخص کوئی نیا طریقہ عیش بتاتا یا نیا سامان عشرت لا کے فراہم کر دیتا اُسے بڑے انعام ملتے۔ مہمات سلطنت میں مشغول ہونے کے عوض اُس نے اپنی بیبیوں اور حرموں کی صحبت اختیار کی جنھیں ساتھ لے کے وہ اپنے محل میں بند ہو کے بیٹھ رہا۔ اور اُن کی صحبت و مذاق کا اُس پر یہاں تک اثر ہوا کہ خود بھی عورتوں ہی کی سی حرکتیں کرنے لگا۔ اُنھیں کے کپڑے پہنتا۔ اُنھیں کی طرح بیٹھ کے چرخا کاتتا۔ کپڑا بنتا اور کشیدہ کاڑھتا۔

اس غفلت کا لازمی نتیجہ تھا کہ صوبہ جات میدیا اور بابل کے ماتحت حکمرانوں نے بغاوت کر دی۔ اور اپنی متحدہ فوجوں کے ساتھ آ کے ۶۰۶ قبل محمدؐ میں شہر نینوا کا محاصرہ کر لیا۔ مگر ان دشمنوں کا سر پر آ پہونچنا بھی سراقس کو خواب غفلت سے نہ چونکا سکا اس لئے کہ بُت پرستوں کی تاریخوں میں جو پیشین گوئی درج تھی کہ: نینوا پر اس وقت تک آنچ نہیں آسکتی جب تک دریا اُس کی دشمنی پر نہ آمادہ ہو جائے۔ اُس پر

اُسے پورا بھروسا تھا۔ غالباً یہ ناحوم کی پیشین گوئی تھی جو کہتے تھے " دریاؤں کے پھاٹک کھُل جائیں گے۔ اور ایوان شہریاری ڈھا دیا جائے گا۔"

سراکس اسی دھوکے میں پڑ کے برابر مزے اُڑاتا اور شراب میں لنڈھاتا رہا۔ یکایک خبر پہونچی کہ " لیجئے دریائے دجلہ چڑھتا چلا آتا ہے۔ اور شہر پناہ کا ایک حصہ منہدم ہو گیا۔" یہ سُنتے ہی اُس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اور اب اُسے یقین آیا کہ میرا وقت آ کے برابر ہو گیا ہے۔ لیکن ہزار غفلت ہو اس میں ایک شاہی آن ضرور موجود تھی۔ دل میں ٹھان لی کہ میری موت کو بھی ویسا ہی نمایاں ہونا چاہیئے جیسی کہ میری زندگی رہی ہے۔ یہ ارادہ کرتے ہی محل میں آگ لگا دی۔ اور اپنی تمام بی بیوں، حرموں اور خزانوں کے ساتھ جل بھن کے خاک ہو گیا۔

اس زمانے کے بعد سے پھر کبھی اس عظیم الشان شہر کا تذکرہ سُننے میں نہیں آتا۔ لوگوں کو بالکل یہ بھی بھول گیا تھا کہ وہ کہاں تھا۔ اور کس جگہ تھا۔ جستجو کرنے والوں کو اس میں بھی شُبہہ تھا کہ دریائے دجلہ کے کنارے جو مٹی کے ملبے کے ڈھیر پڑے ہوئے ہیں وہ نینوا ہی کے ہیں یا کسی اور شہر کے۔ لیکن ادھر آخر زمانہ میں یہ ڈھیر ہٹائے گئے اور پُرانے آثار کھودے گئے تو عظیم الشان شہر نینوا کے پُرشوکت کھنڈر نمودار ہوئے۔ جو اُس بالو اور مٹی کے انبار کے نیچے دفن تھے جسے ریگستان کی ہواؤں کے جھونکے اور آندھیاں ہزارہا سال سے جمع کرتی رہی تھیں۔ آگ میں جُھلسے ہوئے محل، شیروں کی مورتیں۔ نئے اور پُرانے ایوان جن کے در و دیوار پر نقش و نگار بنے ہیں۔ یہ سب چیزیں خاک کے نیچے دبی پڑی رہیں۔ تاکہ اس آخر زمانہ میں آشکار ہوں۔ اور توراۃ کے تاریخی بیانوں کی تصدیق کریں جو وحی والہام کے ذریعہ سے انبیائے سلف کو بتائے گئے تھے۔

فصل دوم

بابل (۱۳۱۸ قبل محمدؐ سے ۱۱۳۲ قبل محمدؐ تک)

نینوا کے زوال کے بعد شہنشاہی آسیریا کا مرکز فرمان روائی شہر بابل قرار پایا۔ دریائے فرات اُس شہر کے اندر سے ہو کر گزرتا تھا۔ اور یہ اتنا بڑا شہر تھا کہ معلوم ہوتا گویا شہر نہیں بلکہ پورا ایک ضلع ہے جس کے گرد شہر پناہ کھینچ کے قلعہ بندی کر دی گئی ہے۔ نصف سے زیادہ حصہ شہر میں میدان اور باغ تھے۔ اور اُن سب کے مجموعہ یعنی پورے رقبہ کے گرد ایسے چوڑے آثار کی دیوار تھی کہ اُس پر تین رتھیں برابر برابر نہایت سہولت کے ساتھ دوڑ سکتی تھیں۔ شہر میں داخل ہونے کے لئے برابر کے فصل سے فصیل میں ایک سو برنجی پھاٹک لگے ہوئے تھے جن سے اس سلطنت کی دولت و شوکت کا عجیب اندازہ ہوتا تھا۔ اور بڑے بڑے ٹوٹ کے پھاٹک دریا کی جانب بھی قائم تھے۔ جو دن بھر کھُلے رہتے۔ اور رات کو بند کر دئے جاتے۔

اس شہر کے ممتاز ترین عجائبات میں وہ حوض اور نہریں تھیں جو اس غرض سے بنائی گئی تھیں کہ پہاڑوں کی برف گھُلنے سے جب دریائے فرات میں طغیانی ہو تو اِن نہروں اور حوضوں کے ذریعہ سے پانی تقسیم ہو کے سیلاب کا زور ٹوٹ جائے۔ شہر کے عین وسط میں عالیشان محل سے متصل اُس کے باغ اور چمن تھے۔ یہیں بابل کے ایک قدیم تاجدار نے اپنی چہیتی ملکہ کی دلچسپی اور سیر کے لئے ایک مصنوعی پہاڑی بنوائی تھی۔ یہ ملکہ چونکہ میدیا کی شاہزادی تھی اور اپنے وطن کی پہاڑیوں کی یاد میں گھُلی جاتی تھی۔ لہذا اس کی دلداری کے لئے یہ پہاڑی بنوائی گئی جو آج تک دُنیا میں باوجود اتنی ترقیوں اور ایسے ایسے کمالات انجنیری کے نہایت حیرت انگیز چیز تصور کی جاتی ہے۔ اس کے پہلوؤں پر منتخب قسم کے درخت اور جھاڑیاں لگائی گئی تھیں۔ چمن درجہ بدرجہ ایک دوسرے

سے بلند ہوتے گئے تھے یہاں تک کہ آخری چمن نہایت ہی اونچا اور گویا پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہوا تھا۔ یہی باغ ہے جو بابل کا ہوائی باغ کہلاتا ہے۔

اس شہر کے عظمت و جلال کے متعلق اسی طرح کی اور بھی بہت سی باتیں ہمیں معلوم ہو سکی ہیں جن کی بنیاد پر اگلے دنوں گویا شہر بابل کو دعویٰ تھا کہ میں ساری دُنیا کے شہروں کا سرتاج ہوں اور جسے توراۃ میں نیز بہ اعتبار دولت و حشمت اور نیز بہ لحاظ زوال و تباہی اس دُنیا کا ایک مکمل نمونہ قرار دے سکے اس کی حالت نمایاں طور پر دکھائی گئی ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ کلدانی لوگ جو نینوا کی تباہی کے وقت بابل پر متصرف تھے قدیم قوم ایسیریا سے تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ شمال میں اُن خانہ بدوش قوموں میں سے تھے جنھوں نے پہلی قوم کو فتح کیا۔ اور سنہ ۱۳۱۸ قبل محمدؐ میں شہر بابل کو اپنا مستقر سلطنت قرار دیا۔ نینوس اور زبردست فاتح ملکہ سیمر امیس کے متعلق بہت سے قصے بیان کئے جاتے ہیں۔ مگر یہود کے بادشاہ حزقیا سے بیشتر کے شاہان بابل کے متعلق ہمیں کوئی امر متیقن طور پر نہیں معلوم ہو سکتا۔ حزقیا کے پاس شاہ بابل میرو داخ بلادن اس وقت پہونچا جب کہ حزقیا بیماری کے بعد صحت یاب ہوا تھا۔ کلدانی لوگ بڑے ستارہ شناس تھے۔ اور غالباً چاند کے مہینوں کے خلاف آفتاب کی رفتار میں حیرت انگیز تغیر ہوتے دیکھ کے انھیں اجرام فلکی پر غور کرنے اور اُن کے جدا جدا حرکات کا پتہ لگانے کی طرف توجہ ہوئی۔

حزقیا کا شریر بیٹا منسہ سنہ ۱۲۷۹ قبل محمدؐ میں گرفتار کر کے بابل میں لایا گیا۔ اسی اسیری سے جب وہ اپنے اعمال پر پچھتایا اور نادم ہوا تو پھر اپنی سلطنت پر بحال کر دیا گیا۔ اگرچہ بظاہر اس کو اپنی سلطنت پھر مل گئی تھی۔ مگر ارض یہودا کے خلاف قسمت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس صدمہ کے بعد سلطنت ارض یہودا کو پھر پنپنا نہ نصیب ہوا۔ اس زمانہ میں خیال کیا جاتا ہے کہ یوڈن نے ہوتو فرمیس کو قتل کر کے علاقہ بیتھولیا کو اُس کے دشمنوں کے پنجہ سے

سے چھڑایا تھا۔

منسّہ کے بعد آمون شاہ یہودہ کے جرائم نے سلطنت ارض یہودا کا پیمانہ لبریز کر دیا اور حق پرست یوشع کو جو اُس زمانے کے پیغمبر تھے پوری طرح یقین تھا کہ قوم یہود کے خلاف تقدیر کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اُس عہد کے واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی بادشاہ آموِن کلدانیوں کا خراج گذار ہو چکا تھا۔ اور انھیں کی طرف سے غالباً شومرون کے اُس حصہ پر بھی قابض تھا۔ جہاں کہ یربعام کی قربان گاہ یعنی اُس کا معبد مسمار کیا جا چکا تھا۔ بنی اسرائیل میں اُن دنوں جو پیغمبر تھے وہ عموماً یہی مشورہ دیا کرتے تھے کہ یہودی کلدانیوں کی اطاعت کریں۔ اور مصر والے آگے بڑھیں تو اُن کے مزاحم ہوں اور جب شاہ مصر فرعون نیخو نے ارض یہودا میں سے گذر کے شہنشاہی اسیریا یعنی بابل والوں پر حملہ کرنا چاہا تو آموِن نے اپنی فوجیں جمع کیں۔ مجدّو کے میدان میں مصریوں سے مقابلہ کیا۔ اور اُن کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جو سنہ ۶۱۱ قبل محمد کا واقعہ ہے۔ قوم کی جانب سے اتنی بڑی قربانی پڑھنے کے باعث سر دست بلا ٹل گئی۔

آموِن کا بیٹا یہواحاز باپ کی جگہ سریر سلطنت پر بیٹھا ہی تھا کہ تخت سے اُتار دیا گیا۔ اور فرعون نیخو اُسے پابزنجیر کر کے مصر لے گیا۔ اور اس کی جگہ یہویاکیم کو ارض یہودا کے تخت پر بٹھا دیا۔ فرعون کے واپس جاتے ہی بخت نصر نے یورش کر کے یروشلم پر قبضہ کر لیا۔ اور بہت سے یہودیوں کو پکڑ لے گیا۔ بخت نصر کے جانے کے بعد یہویاکیم نے غالباً فرعون کی مدد کے بھروسے پر پھر بغاوت کر دی۔ جس پر بگڑ کے اہل بابل نے پھر یروشلم کا محاصرہ کیا اور بیت المقدس محصور ہی تھا کہ یہویاکیم مر گیا اور اس کا بیٹا یہویاشیم جو باپ کے تخت و تاج کا وارث ہوتا مع اپنے بہت سے اُمرا اور معززین قوم کے گرفتار ہو کے بابل پہونچا۔ اور اسی یورش میں ہیکل سلیمانی یا معبد ربانی کی بہت سی دولت بھی لوٹ لی گئی۔

یہودیوں کے پچھلے بادشاہ صدقیا نے باوجودیکہ ارمیا نبی بہت متنبہ کرتے رہے ایک

دشمنی۔ اور مصر والوں کے وعدوں پر بھروسا کر کے بابل والوں سے پھر بغاوت کر دی۔
اس کے نتیجہ میں بابل والوں نے آ کے پھر بیت المقدس پر حملہ کیا۔ بابل کا بادشاہ بخت نصر
مشہور ظالموں میں ہے۔ جس کے مظالم جریدۂ عالم پر خون کے حرفوں سے ثبت ہیں۔ وہ
مسلسل بارہ مہینہ تک اس محترم شہر کا محاصرہ کیے پڑا رہا۔ جس زمانہ میں کہ قحط کی بدولت شہر
والوں نے سخت مصیبتیں برداشت کیں۔ آخر کار بخت نصر مستجاب ہوا۔ اُس کے لوگوں نے
یورش کر کے شہر کو فتح کر لیا۔ بد قسمت تاجدار یہود صدقیا کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ پہلے
اس کے بیٹے اس کی آنکھوں کے سامنے جان سے مارے گئے۔ پھر اُس کی آنکھیں
نکال لی گئیں۔ اس کے بعد پیٹا گیا۔ اور پھر اسیر کر کے ۵۸۸ قبل محمد میں پا بہ زنجیر بابل
روانہ کیا گیا۔

بیت المقدس کے بعد بخت نصر نے شہر طائر کا محاصرہ کیا۔ جس کی تباہی کی خبر حزقیل
نبی دے چکے تھے۔ یہ ایسا زبردست شہر تھا کہ بابل والے تیرہ برس تک محاصرہ کیے پڑے
رہے۔ اور کلدانی لشکر نے پیہم بہت صدمات بھی اُٹھائے۔ لیکن آخر کار کامیاب ہوئے اور
ایسے جلے ہوئے تھے کہ فتح پاتے ہی سارے شہر کو ڈھا کے مسمار کر دیا اور بالکل تباہ و
ویران کر دیا۔ شہر کے باشندوں میں سے اکثر جو جان بچا کے بھاگے انھوں نے ساحل کے قریب
ایک چھوٹے سے جزیرہ میں جا کے پناہ لی۔ وہاں اُنھوں نے ایک نیا شہر بسا لیا جو تھوڑے
ہی دنوں میں دولت اور سامان عیش کے اعتبار سے پہلے تباہ شدہ طائر کا ہم رتبہ ہو گیا۔

اب طائر کی مہم سے بھی فراغت کر کے بخت نصر نے مصر پر چڑھائی کر دی۔ جہاں حال کے
بہت سے سرکش یہودیوں نے پناہ لی تھی باوجودیکہ ارمیا نبی بار بار اُنھیں وہاں جانے سے
منع کرتے رہے تھے۔ بابل والوں نے چند ہی روز میں ساری مملکت پر قبضہ کر لیا۔ اور یہی
زمانہ ہے جس کے بعد سے مصر کو پھر کبھی کوئی وطنی حکمراں نہیں نصیب ہوا۔
اِن دنوں جبکہ بابل کا ستارۂ اقبال نہایت اوج پر تھا۔ وہاں کا شیر اعظم ایک اسیر

شدہ اسرائیلی غلام تھا۔ جو شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ حضرت دانیال نبی تھے جنہیں ایک معجزنما الہام کے ذریعہ سے دُنیا کی آیندہ قسمت بتادی گئی تھی۔ توراۃ میں جو کتاب اُن کی جانب منسوب ہے اُس میں بخت نصّر کے کبر و نخوت اور اس کے بعد اسکی سزایابی کی کیفیت درج ہے۔ سنہ ۱۱۲۲ قبل محمدؐ میں بخت نصر نے دارالجزا کی راہ لی۔ اور اس کا پوتا بیل شزر بابل کا فرماں روا ہوا جو کہ وہاں کا پچھلا تاجدار تھا۔

تیسرا باب

شہنشاہی فارس (سنہ ۱۱۳۰ قبل محمدؐ سے سنہ ۱۰۹۲ قبل محمدؐ تک)

فصل اوّل

کرسیوس کی تباہی (سنہ ۱۱۲۸ قبل محمدؐ سے سنہ ۱۱۱۹ قبل محمدؐ تک)

سلطنت نینوا سے بغاوت کرنے کے بعد میدیا والے ایک آزاد اور زبردست قوم بن گئے تھے اُن کا پہلا بادشاہ ڈیوسیس تھا۔ جس کا خاندان مدت تک ان لوگوں پر حکومت کرتا رہا۔ ایرانی لوگ خواہ اُن لوگوں سے تعلقات دوستی رکھتے ہوں یا اُن کے زیر فرمان ہوں اُن پہاڑوں میں آباد تھے جو بحر خزر اور خلیج فارس کے درمیان میں واقع ہیں۔ اور اُن قدیم الایام میں وہ میدیا والوں نے اسیریا کے سامان عیش و عشرت اور اُن کے تمدن کو کلیتہً اختیار کر لیا تھا۔ بخلاف اُن کے ایرانیوں کی قوم ایک جفاکش اور جنگجو قوم تھی۔

یہ لوگ اپنی اولاد کو سادی زندگی کی تعلیم و تربیت دیتے۔ اور انھیں بڑے ضبط و تحمل کے ساتھ لڑائی کی سختیاں برداشت کرنے کا عادی بناتے۔ یہ عام طور پر مشہور تھا کہ اُن کی تعلیم میں یہ باتیں شامل تھیں کہ کمانوں کے چلّے کھینچیں۔ گھوڑوں پر سوار ہوں اور سچ بولیں۔ اُن کا مذہب بھی اس قدر زیادہ غارت نہیں تھا جتنا کہ قرب و جوار کی دیگر اقوام

کا تھا۔ اگرچہ وہ بُت پرستوں ہی کی طرح طلوع ہونے والے سورج اور آگ کی پرستش کرتے مگر اس طرح نہیں کہ ان چیزوں کو خدا مانتے ہوں۔ بلکہ اُن چیزوں کو اس مجرد اور نورانی ذات وحدہٗ لاشریک کے علامات تصور کرتے تھے۔ اُن کے مقتدایانِ دین "ماجی" کہلاتے اور انھیں کے تعلقات کی بنا پر ان کا لقب مجوس پڑ گیا تھا۔ یہ مذہب چند ممتاز لوگوں کے نام سے آج تک زندہ موجود ہے۔ اور اس کا بانی اور سب سے بڑا اور پہلا ہادی زرتشت تھا۔

اس قوم میں پہلا زبردست نامور سائرس تھا۔ جس کا صحیح نام کیخسرو ہے۔ یہ نام ایک پُرانے فارسی لفظ سے ماخوذ ہے جس کے معنی آفتاب کے ہیں۔ وہ ایک فارسی فرمانروا کا بیٹا تھا۔ اور میدیا کے بادشاہ اسٹیاغیس کی بیٹی کے بطن سے پیدا ہوا تھا اسے اپنے قومی مذاق کے مطابق جفاکشی اور مستعدی کی زندگی بسر کرنے کی تعلیم ہوئی تھی۔ عنفوانِ شباب ہی میں وہ میدیا کی دارالسلطنت شہر اکباطنہ میں چلا آیا۔ جہاں میدیا والوں اور نیز اپنی قوم کے لوگوں یعنی فارسیوں کی حکومت حاصل کر کے اس نے شمال و مغرب کی تمام چھوٹی چھوٹی قوموں کو مغلوب کر دیا۔ اور یہاں تک عظمت حاصل کی کہ اس کی ترقیاں دیکھ کے لیڈیا کے بادشاہ کرِی سوس کو اس پر حسد آیا جو حصۂ زمین ایشیائے مائنر کے نام سے مشہور ہے اس میں لیڈیا ایک نہایت ہی زرخیز صوبہ تھا۔ اُس کے پہاڑوں میں کئی جگہ سونے کی کانیں تھیں اور دریائے پکتولس کی ریتی میں اکثر مقامات میں سونا پایا جاتا تھا۔ انھیں اسباب سے یہاں کے فرماں روا کرِی سوس کو اپنی دولتمندی پر ناز تھا۔ اور شان و شوکت کے اظہار کو پسند بھی کرتا تھا۔ لیکن اس اخلاقی کمزوری کے ساتھ وہ ایک شریف النفس قابلِ عزت اور علم دوست فرماں روا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایسپ (یوزاسف) نے جو ایک ہوشیار غلام تھا اور جس کی صورت بگاڑ دی گئی تھی۔ اسی بادشاہ کو نفع پہنچانے کے لئے بہت سے قصے ملا کے "تالیف کئے تھے جو اس کے بعد سے ہمیشہ کے لئے ضرب المثل

بن گئے۔

دوسرا نامور شخص جو اُس کے دربار میں آیا وہ سولن تھا۔ جو یونان کے سات مستند عقلا میں شمار کیا گیا ہے۔ کریسس نے سولن کے سامنے اپنے خزانہ کی تمام زرق برق چیزیں پیش کیں اور اس کے بعد یہ سوال کیا کہ "آپ کے نزدیک سارے آدمیوں میں کس شخص کو زیادہ مسرت حاصل ہے؟" اس کے جواب میں سولن نے ایک یونانی شخص کا نام لیا جو ایک خاموش بکار آمد اور امن و امان کی زندگی بسر کر کے اپنے ملک کی حمایت میں مارا گیا تھا۔ کریسس کو تو یہ خیال تھا کہ سولن جواب میں میرا نام لے گا یہ خلاف توقع جواب پا کے پوچھنے لگا "تو اچھا بتایئے کہ اس شخص کے بعد سب سے زیادہ مسرت کسے حاصل ہے؟" اب کی سولن نے دو نوجوانوں کے نام لئے جنھوں نے اپنی ماں کے ساتھ ایسی خالص محبت کا برتاؤ کیا تھا کہ اس نے انھیں دعا دی تھی کہ جنت اپنی جتنی نعمتیں دے سکتی ہو وہ سب تمھیں اُس کے عوض میں ملیں۔ ماں یہ دعا دے ہی رہی تھی کہ وہ دونوں لیٹ کے سو گئے۔ اور اُن کی یہی نیند ایک پُر امن موت ثابت ہوئی۔ یہ جواب سُن کے کریسس دل میں بہت کُڑھا کہ یہ عقلمند شخص میری دولت کی کچھ وقعت نہیں کرتا۔ آخر عاجز ہو کے پوچھا "تو کیا آپ کے نزدیک مجھے مسرت نہیں حاصل ہے؟" اس پر سولن بولا "افسوس! جو شخص دُنیا میں ہنوز زندہ موجود ہو اُسے مسرور کیونکر کہا جا سکتا ہے؟"

اس واقعہ کے دو سال بعد کریسس کو سولن کے اس جواب کی سچائی مجبوراً ماننی پڑی جبکہ اس کا بڑا بیٹا ایک حادثے کی نذر ہوا۔ اور اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد اسے لیڈیا والوں اور فارسیوں کے مقابلہ پر جا کے میدان جنگ گرم کرنا پڑا۔ میدان تمبرا میں اسے فارسیوں نے سخت شکست دی۔ اور بڑھ کے اُس کے دارالسلطنت شہر سارڈیس کا محاصرہ کر لیا۔ تھوڑے ہی زمانہ کے محاصرہ میں لیڈیا والے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔ اور سائرس

نے یورش کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ اور کری سوس کو گرفتار کر کے حکم دیا کہ وہ آگ میں زندہ جلا دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل کے لئے لکڑیوں کی چتا تیار کی گئی۔ اور کری سوس زنجیروں میں جکڑ کے اُس پر بٹھا دیا گیا۔ اس نازک گھڑی میں یک بیک اُسے سولن کا قول یاد آیا کہ جو دُنیا میں زندہ موجود ہے سر دار نہیں ہو سکتا۔ فوراً دنیوی شان و شوکت کی بے ثباتی کی تصویر اُسکی آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ اور بے تحاشا زور و شور سے چلا اُٹھا "اے سولن! سولن! سولن!"

یہ آواز سائرس کے کان میں گئی تو لوگوں سے پوچھا "یہ کیا کہتا ہے"۔ اور جب کسی سے یہ معمہ نہ حل ہوا تو حکم دیا کہ "اس قیدی کو میرے سامنے لاؤ۔ تاکہ پوچھوں کہ یہ اس نے کیا کہا"۔ لوگ اُسے چتا پر سے اُٹھا کے سائرس کے سامنے لے گئے اور جب اُس نے اپنا اور سولن کا قصہ بیان کیا تو سائرس پر بڑا اثر پڑا دُنیا کی عظمت و شوکت خود اُس کی نظر میں حقیر ہو گئی۔ فوراً کری سوس کا قصور معاف کر دیا۔ اور اتنے ہی پر کفایت نہیں کی۔ بلکہ اُسے اپنا مورد عنایت اور مشیر خاص بنا لیا۔ اور دل میں خیال کیا کہ "اس کی مصیبت مجھے اس بات کا سبق دیتی ہے کہ اپنی موجودہ قوت و عظمت پر زیادہ بھروسہ نہ کروں"۔

فصل دوم

زوال بابل (۵۰۹ قبل محمد سے ۱۱۰۱ قبل محمد تک)

اس فتح کے بعد سائرس نے شہنشاہی آسیریا کی طرف توجہ کی۔ اور شہر بابل کا محاصرہ کر لیا۔ اہل بابل کو اپنے شہر پناہ کی مضبوطی پر اس قدر غرور اور ناز اور شہر کے اندر والے کھیتوں کی پیداوار پر اس قدر بھروسہ اور اطمینان تھا کہ سائرس کی اس اولوالعزمی کو اُنھوں نے حقارت کی نظر سے دیکھا اور تمسخر کی راہ سے اور زیادہ عیش و عشرت میں مشغول

ہو گئے۔ اللہ جل شانہٗ کی جانب سے بابل کی تباہی کی خبر پہلے ہی دے گئی تھی اور سائرس جس کا نام دو سو برس مشیتر سے اس اولوالعزمی کے کام کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ اُسے ان خود پرست لوگوں پر غالب آنے کے لئے مناسب تدبیریں بھی بتا دی گئیں۔ اُس نے اپنے آدمیوں سے نالیاں اور نہریں کھدوائیں جن میں دریا کا پانی نبٹ آیا۔ اور وہ زمین نکل آئی جس پر دریا بہہ رہا تھا۔ لیکن اب بھی وہ برنجی پھاٹک اُس کے سدِ راہ تھے جن کے ذریعہ سے دریا کی روک کی گئی تھی۔ مگر بدقسمتی سے شہر والے عیش و عشرت کی ضیافتوں اور دھوم دھام کے جلسوں میں اس قدر مصروف تھے کہ اُن پھاٹکوں کے بند کرنے کا کسی کو خیال بھی نہ آیا۔ اور وہ کھلے پڑے رہ گئے۔ حضرت اشعیا نبی کی زبان سے یہ خوفناک پیشین گوئی ظاہر ہو چکی تھی کہ "میں دو پٹوں والے پھاٹکوں کو کھول دوں گا اور بادشاہوں کے شیروں کو چھوڑ دوں گا!"

جس رات کو فارسی لوگ دھاوے کی تجویزیں کر رہے تھے شہنشاہ بابل بیلشزر کا جشن طرب مزے پر تھا۔ اور بنی اسرائیل کے معبد یعنی ہیکل سلیمانی کے مقدس ظروف دعوت کی ضرورتوں کے لئے منگوائے گئے تھے۔ اس کے عیش کو پہلے تو اس بات نے منغص کیا کہ ناگہاں دیوار پر ایک از غیبی تحریر نظر آئی جس کا خوفناک مضمون حضرت دانیال پیغمبر نے بیلشزر کو پڑھ کے سُنایا اس لئے کہ وہ اس کے مشیر سلطنت تھے۔ اس کو چند ہی گھنٹے گذرے ہوں گے کہ ناگہاں سائرس اپنی اولوالعزم و فتحمند فوج کے ساتھ شہر کے بیچوں بیچ میں نمایاں ہوا۔ شہر میں گھستے ہی اُس نے یورش کر کے بیلشزر کو قتل کر ڈالا۔ اور اہل شہر پر تلوار بلند ہو گئی۔ دم بھر میں وہ عظیم الشان شہر جس کے عظمت و جبروت کے افسانے آج تک حیرت کے الفاظ میں بیان کئے جاتے ہیں۔ مغلوب و مقہور ہو گیا۔ اور اُس کے مغلوب ہوتے ہی ساری قلمرو سائرس کی زیر نگیں تھی۔ ایک آنا فانا میں زمانہ کا رنگ بدل گیا اور وہ پُر شوکت و عظمت شہنشاہی مع اپنے تمام صوبوں کے جس میں ممالک شام فنیقیہ اور

فلسطین شامل تھے۔ سائرس کے قبضہ میں آگئی۔ یوں سائرس نے فتیاب ہو کے ۵۳۸ئہ قبل محمد میں مشیت ربانی کی وہ خدمت ادا کر دی جس کے لئے وہ منتخب کیا گیا تھا۔ یعنی یہود کو آزادی عطا کی۔ اور بنی اسرائیل کو اجازت دی کہ اپنے اصلی وطن ارض یہودا میں جا کے اپنے قدیم معبد الٰہی کو پھر تعمیر کریں۔

یہ قرین قیاس ہے کہ حضرت دانیال نے سائرس کو حضرت اشعیا کی قدیم پیشین گوئیاں بتادی تھیں جن میں اس کا نام اِن الفاظ میں لیا گیا تھا کہ "وہ گڈریا جسے خدائے برتر نے مامور کیا ہے۔" یہ الفاظ سُن کے خود سائرس نے بھی اپنے گڈریے ہونے کا اعتراف کیا۔ اور کہا کہ "بادشاہ کو اپنی قوم کا گڈریا ہی ہونا چاہیئے۔" چنانچہ بعد کے زمانوں میں یہ اصطلاح بادشاہوں کے لئے اکثر استعمال کی گئی جو بہ ظن غالب انبیا کی پیشین گوئیوں ہی سے ماخوذ ہے

آزادی ملنے کے بعد ارض یہودا کے شاہی خاندان کا سرگروہ زِرُوبابل اور ان کے مقتدائے اعظم یوشع اپنی قوم لے کر ارض مقدس میں واپس آئے۔ مگر ابھی انھیں کسی قسم کے اختیارات حکومت نہیں ملے تھے۔ کیونکہ اس وقت سے ارض یہودا دولتِ ایران کا ایک صوبہ تصور کی جاتی تھی۔

فتح بابل کے بعد سائرس کا ماموں کیاکزارس جو میدیا والوں میں سے تھا۔ بابل میں اقامت گزیں ہوا۔ اور گرد و نواح کے ملک پر حکومت کرنے لگا۔ اس نے بابل والوں کے مذہب کو نہایت ضرر پہونچایا۔ اُن کے مندر مسمار کر دیے۔ اور بہت بابلی بھاگ بھاگ کے ارض عرب میں پناہ گزیں ہوئے جن کی نسلیں مدت ہائے دراز تک قائم رہیں۔ چنانچہ یہی لوگ تھے جو وہاں صابئین کہلاتے تھے۔ اور حضرت رسالتؐ کے عہد خیر القرون تک موجود تھے۔

کیاکزارس کی نسبت یقین کیا جاتا ہے کہ یہی وہ بادشاہ ہے جو کتاب الہامی توراۃ

میں ڈیریوس (دارا) کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ اُس نے اپنے شریر النفس درباریوں اور مشیروں کے نفرے میں آ کے حکم دے دیا تھا کہ حضرت دانیال پیغمبر دو شیروں کے بھٹ میں ڈال دیے جائیں۔ فارسی زبان میں لفظ "دارا" کے معنی حاکم اور بادشاہ کے ہیں۔ یہ اس کا نام نہ تھا بلکہ ایک شاہی لقب تھا۔ مگر یونانیوں کی غلطی سے اُس کے اصلی نام کی حیثیت سے استعمال کیا جانے لگا۔

سائرس کے باقی ماندہ حالات نہایت غیر متیقن ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیں دو یونانی مؤرخوں ہیروڈوٹس اور زینوفون سے ملے ہیں۔ اِن دونوں میں سے پہلے کو سچے واقعات کا پتہ لگانے کا موقع ہی نہیں حاصل تھا۔ اور دوسرے نے اس کا ارادہ ہی نہیں کیا کہ ایسی تاریخ لکھے جس میں سائرس کو ویسا ہی دکھائے جیسا کہ وہ تھا۔ اور اُسکے حالات اُس طرح بیان کرے جس طرح کہ کسی بادشاہ کے حالات بیان کیے جانے چاہیئے اُسکی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ سائرس ایک اچھی عمر تک جیا۔ اور نہایت اطمینان، اور فارغ البالی سے اپنے بچوں کو عاقلانہ نصیحتیں کرتا ہوا مرا۔ بخلاف اس کے ہیروڈوٹس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے میدیا والوں یعنی اہلِ ختا کی ملکہ طومیریس سے ایک بڑی بھاری لڑائی ہوئی اور اس لڑائی میں وہ مارا گیا۔ طومیریس ملکہ نے اس کا سر کاٹ لیا۔ اور اُسے ایک خون سے بھرے تھیلے میں ڈال دیا۔ مگر سر کاٹنے سے پہلے اُسے اجازت دے دی تھی کہ تمھیں جن جن چیزوں کی تمنا ہو سب پوری کر لو۔

پُرانی فارسی قصوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ کیخسرو بڑی عظمت و جلال اور شان و شوکت کے ساتھ نوّے برس تک زندہ رہا۔ اس عمر کو پہونچ کے اُس نے ارادہ کیا کہ تاج و تخت کو چھوڑ دے اور زندگی کے باقی ماندہ ایام خاموشی و بےفکری میں بسر کرے۔ چنانچہ اپنے دوستوں اور رفیقوں کو لے کے پانی کے ایک خوشگوار چشمہ کے پاس گیا اور سب سے رخصت ہو کے کہیں چلا گیا۔ جس گھڑی کے بعد سے پھر پتہ نہ چلا کہ وہ کیا

ہوا اور کہاں گیا اُس کے دوست اور وابستگان دامن اِس واقعہ کے بعد ایک مدت تک منتظر رہے کہ وہ بڑی عظمت و جبروت کے ساتھ پھر نمودار ہوگا۔ اور مدتوں بادشاہی کرے گا۔ مگر ایسے جانے والے گو اُن کا بہت انتظار ہوتا رہا۔ کبھی نہیں آتے ہیں۔ فارسی لوگ ایک محترم باپ یا ایک خدارس پیغمبر کی طرح اس کی عظمت کرتے تھے اور ہمیں بھی اُس کے نام کی عزت ہی کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ اسکا نام بھی اگرچہ اُن بادشاہوں کی فہرست میں ہے جو خدا کی مقبول و منتخب قوم سے نہ تھے۔ مگر اُس نے خداشناس و موحد قوم بنی اسرائیل کو مدت ہائے دراز کی غلامی کے بعد آزادی دی۔ ارض یہودا کا خانۂ خدا یعنی بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ اس کی رحم دلی کی بدولت پھر تعمیر ہو کے خدا پرستوں کا ملجا و ماویٰ بنی۔ اور یہی سبب ہے کہ توریت کی الہامی کتابوں میں اس کی نسبت اچھے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

مگر باوجود اس کے اُس کا یہ فعل قابل ملامت ضرور ہے کہ بابل کے سے عجیب و غریب اور عظیم الشان شہر کو فتح کر کے اُس نے اس طرح تباہ و مسمار کر دیا کہ اس شہر کا اور اُس کے ساتھ فلسفۂ اشراق کے پہلے دقیقہ رس ماہروں یعنی صابئین کا نام ہمیشہ کے لئے دُنیا سے مٹ گیا۔ سچ یہ ہے کہ بابل کی تباہی سے قدما کی علمی کمائی اور مشرقی الہیات کے علم کو بہت بڑا نقصان پہونچ گیا۔ خصوصاً علم ہیئات کو تو نہایت ہی صدمہ پہنچ گیا جس کے دُنیا میں وہی موجد تھے۔

فصل سوم

سائرس کے جانشین (سنہ ۱۱۰۰ قبل محمدؐ سے سنہ ۸۷۰ قبل محمدؐ تک)

ایسیریا کے فتح کرنے کے چند ہی روز بعد ایرانیوں نے اپنی اگلی سادگی اور جفاکشی کی وضع ہاتھ سے کھو دی اور وہ عشرت پرستیاں سیکھ لیں جن سے ابتدائے

عہد میں اُنھیں نفرت تھی۔ اب بادشاہوں کے قصر و ایوان دولت و حشمت اور شان و شوکت کے سامانوں سے بھر گئے۔ اُن میں ہزارہا لونڈیاں اور بے شمار غلام بھرے ہوئے تھے۔ جن کا محض یہ کام تھا کہ عیش و طرب کی جو نئی صورت خیال میں آئے اسے بادشاہ کے لئے موجود کریں۔ اُن کی حرم سراؤں میں محلات شاہی اور خوبصورت لونڈیوں کا بڑا بھاری ہجوم تھا۔ جن کے چہرے پر اگر کسی غیر کی نظر بھی پڑ جاتی تو وہ فوراً قتل کر ڈالا جاتا۔ اُن کے بیٹوں کی تعلیم و تربیت کاہلی اور عیّاشی کے آغوش میں ہوتی جس کی وجہ سے وہ کمزور، مغرور، متکبّر، نفس پرست، خود غرض اور آشفتہ مزاج ہو گئے۔ دُنیا میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ بانیِ خاندان چاہے کیسا ہی قابل اور جفاکش شخص ہو مگر اس کی اولاد امارت میں پرورش پانے کے باعث اکثر بہت ہی جلد غارت ہو جایا کرتی ہے۔

اب فارسیوں میں بادشاہ کو امرائے ملک سے یہ امتیاز تھا کہ اس کے سر پر تاج رہا کرتا جس سے مراد ایک قسم کی ٹوپی تھی جس کی نوک سیدھی اوپر کی طرف اُٹھی ہوتی۔ اس کے مقابل دیگر امرا مجبور تھے کہ ایسی ٹوپیاں پہنیں جن کی نوکیں پیچھے کی طرف جھکی ہوں، قلمرو سلطنت صوبجات پر بٹی ہوئی تھی جن کے والی "سترپ" کہلاتے یہ لقب ایک فارسی لفظ سے ماخوذ تھا۔ جس کے معنی چھتر کے ہیں (غالباً "ستر" اور ہندوستان کا "چھتر" ایک ہی لفظ ہیں۔ اور کیا عجب کہ "سترپ" یہاں کے "چھترپت" کا مُرادف ہو۔ اگرچہ یہاں یہ لقب خاص راجاؤں کے لئے مخصوص تھا۔ اسلامی دور میں یہاں بھی اکثر امرا کو یہ عزت دی جاتی تھی یا نہیں)، اور وجہ یہ تھی کہ تمام والیان ملک کا خاص طور پر یہ اعزاز کیا جاتا کہ وہ صاحبِ چھتر قرار دیے جاتے اور جب برآمد ہوتے تو چھتر اُن کے سروں پر سایہ افگن رہا کرتا۔ ہر صوبہ دار خراج اور محاصل ملک ادا کرتا جن کی رقم پرسی پولیس (اصطخر)، اقباطنہ، بابل، سوسا (شوستر) کے خزانوں میں جمع کی جاتی۔ خاندان

شاہی کے مصارف چند خاص شہروں سے وصول کئے جاتے جو صرف خاص کے علاقے ہوتے اور ان میں سے ہر ایک کے ذمّہ بجائے نقد روپیہ کے کسی خاص چیز کا فراہم کرنا تھا۔ مثلاً کہیں سے غذا کے لئے غلّہ لیا جاتا۔ اور کہیں سے کپڑے لئے جاتے۔

سائرس کا بیٹا کم بی سیس ایک ظالم اور جھکّی بادشاہ تھا۔ اس نے مصر پر چڑھائی کی۔ اور وہاں سے قدم آگے بڑھا کے ارضِ حبشہ پر چڑھ گیا۔ جہاں اُس کی فوج رسد کا بند و بست نہ ہونے کے باعث مارے بھوک اور فاقوں کے تباہ ہو گئی۔ وہاں سے ناکام اور نامُراد واپس آیا تو اپنے بھائی سیمر ڈِیس کی جورو پر ایسا فریفتہ ہوا کہ رقابت کے مجنونانہ جوش میں بھائی کو قتل کر ڈالا۔ اور اپنی بہن آتوسا سے اصرار کرنے لگا کہ مجھ سے شادی کر لو۔ از راہ حماقت اہلِ مصر کے مقدس و محترم بیل ایپس کے زانو پر ایک ایسی تلوار ماری کہ سارے مصر والے برہم ہو گئے۔ اور رعایا کے ہر طبقہ اور ہر گروہ سے ناراضی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد ایک ناگہانی اتفاق سے اس نے خود اپنی ہی تلوار سے اپنے آپ کو بھی زخمی کر لیا۔ اور ایسا زخمی کہ جان بر نہ ہو سکا۔ الغرض جب سنہ ۱۰۹۲ قبل محمدؐ میں وہ مرا ہے تو لوگوں میں علی العموم خوشیاں منائی گئیں۔ اور ہر جگہ خوشی کے چرچے تھے۔

کمبی سیس کے بعد ایک مکار مجوسی نے از راہِ فریب دعویٰ کیا کہ میں بادشاہ متوفی کا بھائی سیمر ڈِیس ہوں جس کی موت کی خبر غلط مشہور ہو گئی تھی۔ دھوکے ہی دھوکے میں وہ تقریباً ایک سال تک ایرانیوں کا بادشاہ بنا رہا۔ لیکن آخر کار اس کا فریب کھُل گیا۔ اس مجوسی کی نسبت لوگوں میں مشہور تھا کہ کسی جُرم کی سزا میں اُس کے کان کاٹ ڈالے گئے تھے۔ اس کی تحقیق کے لئے امرائے فارس میں سے ایک نے اپنی بیٹی کے پاس جو ایوان شہر یاری کے اندر رہا کرتی تھی کہلا بھیجا کہ "تم ذرا غور سے دیکھو تو

بادشاہ کے کان بھی ہیں یا نہیں"۔ لڑکی کے پاس سے جواب آیا کہ بادشاہ کے کان کٹے ہوئے ہیں۔ یہ حال معلوم ہوتے ہی لوگوں کو اس کی مکاری کا پتہ چل گیا اور اُس لڑکی کے باپ اور چھ امرائے فارس نے محل میں گھس کے اسے قتل کر ڈالا۔

اب چونکہ سائرس کے خاندان میں صرف اُس کی بیٹی آتوسا باقی رہ گئی تھی اس لیے تمام اُمرا نے باہم مشورہ کر کے یہ رائے قرار دی کہ امرائے ملک میں کوئی آتوسا کے ساتھ نکاح کر لے اور وہی اُس کا شوہر بن کے ملک پر حکومت کرے، رہا یہ امر کہ کونسا امیر اس عزت کے لئے منتخب ہو اس کے واسطے یہ قرار پایا کہ سورج سے مدد لی جائے۔ یعنی وہ ساتوں امیر جنھوں نے مکار مجوسی کو قتل کیا تھا۔ طلوع آفتاب کے ساتھ ہی گھوڑوں پر سوار ہو کے شہر سوسا (شوستر) سے روانہ ہوں۔ جس کا گھوڑا سب سے پہلے ہنہنائے وہی شہزادی آتوسا سے شادی کرے اور وہی ملک کا فرماں روا بنایا جائے۔ دارا ابن گشتاسپ جسے یونانی "داریوس ہستاسپس" کے نام سے یاد کرتے ہیں اُس کا گھوڑا سائیس کی سازش سے پہلے ہنہنایا۔ اور اسی تقدیری فیصلے کے مطابق ۵۲۱ قبل مسیحؑ میں وہی آتوسا کا دولھا اور سلطنت کا مالک قرار دے دیا گیا وہ ایک عقلمند اور لائق بادشاہ تھا اُس کی سلطنت دریائے اٹک کے کنارے سے لے کے سواحل بحر اسود تک پھیلی ہوئی تھی۔ سارا ایشیائے کوچک اس کے زیر نگیں تھا۔ اور اپنی فتوحات کو اس نے بحر اِیجِین کے جزیروں مجمع الجزائر یونان تک پہونچا دیا۔ اس کی اولوالعزمی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ یورپ کے زیر فرمان کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ جس کی ابتدا سیتھیا والوں سے کی جو کہ ایک وحشی قوم تھی۔ یہ لوگ یوزائن (بحر اسود) کے شمالی مرغزاروں میں اپنے گلہ چرایا کرتے۔ ہمیشہ گھوڑوں کی پیٹھ پر رہا کرتے۔ تیر اندازی میں کمال رکھتے اور خانہ بدوش ہونے کی وجہ سے اپنے خیموں اور خاندانوں کو ساتھ لئے ہوئے اِدھر اُدھر پھرا کرتے۔ ان

لوگوں کے مغلوب کرنے کے لئے وہ ہلسپانٹ (آبنائے ڈارڈینلز) کے پار اترا اور دریائے ڈینیوب پر کشتیوں کا پل باندھ کے اُن کی سرزمین میں داخل ہوا۔ مگر وہاں پہونچ کے نظر آیا کہ زمین اُوسر خشک دبلے گیاہ ہے۔ غذا کہیں ملتی نہیں اور نہ کہیں دشمنوں کا پتہ ہے کہ انھیں مغلوب ومفتوح کیا جائے۔ کیونکہ سیتھیا والے ہمیشہ اس سے بھاگتے رہے۔ نہ کبھی اُس کے سامنے آئے اور نہ کبھی اُسے جم کے لڑنے کا موقع دیا کسی کسی جگہ تھوڑی بہت روئیدگی تھی اسے بھی اُن لوگوں نے اس کے پریشان کرنے کے لئے فنا کر دیا۔ اور آخر بے وقوف بنانے کے لئے اس کے پاس ایک نذرانہ بھیجا جس میں ایک چوہیا، ایک چڑیا، ایک مینڈک اور پانچ تیتر تھے۔ جس سے یہ اشارہ تھا کہ جب تک آپ ایک چوہیا کی طرح زمین کے اندر نہ جاسکیں۔ ایک چڑیا کی طرح ہوا میں نہ اُڑ سکیں، ایک مینڈک کی طرح پانی میں نہ پیر سکیں۔ آپ ہمارے تیروں سے بچ کے نہیں جاسکتے۔

آخر کار وہ واپسی پر مجبور ہوا۔ مگر چالاک دشمن اس کے تعاقب میں لگے ہوئے تھے جو ہمیشہ قریب ہی رہتے۔ دُشمنوں کا آپڑنا پھر اُس کے ساتھ قحط وفاقہ زدگی کی مُصیبت، غرض اسی مُہم کے انجام میں وہ ایک ایسی آفت میں مبتلا ہو گیا جس سے جان بڑی دُشوار نظر آتی تھی۔ چنانچہ وہ خود کہا کرتا کہ "اس موقع پر میں صرف اپنے ایک وفادار اونٹ کی بدولت جان بچا کے واپس آیا۔ اس اونٹ کی پیٹھ پر کھانے کا سامان لدا ہوا تھا۔ اور وہ ہمیشہ میرے پیچھے ہی رہا کرتا۔" اس اونٹ کا وہ اس قدر زیر بار احسان تھا کہ اپنے وطن مالوف سوس میں پہونچتے ہی اس نے اس اونٹ کی داشت اور خبر گیری کے لئے ایک پورا ضلع جاگیر میں دے دیا۔ گویا اونٹ بھی خاندان شہریاری کا ایک رکن تھا۔ کیونکہ جاگیریں اس وقت صرف اعوان السلطنت اور شاہزادوں کے لئے مخصوص تھیں۔

دارآیوس نے اور کئی دشمنوں پر بھی حملہ کیے مگر ان کے معاملات بیان کرنے کے لئے ہمیں کتاب کو زیادہ طول دینا پڑے گا۔

چوتھا باب

مملکت یونان (۱۹۷۰ قبل محمدؐ سے ۱۰۰۰ قبل محمدؐ تک)

فصل اوّل

اُن کا مذہب اور اُن کے دیوتا

ارضِ شام اور ایشیائے کوچک کے مغرب جانب جو سمندر واقع ہے اُسے اہلِ عرب عموماً بحیرۂ روم کہتے تھے۔ اور انگریزی جغرافیوں میں وہ مےڈی ٹرے ن ین سی۔ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس میں بہت سے سنگستانی جزیرے پھیلے ہوئے ہیں بہت سے جزیرہ نما اس کے پانی کے اندر گھس آئے ہیں جن کے باعث اس میں بہت سے خلیج اور چھوٹے چھوٹے سمندر بن گئے ہیں۔ یہ جزیرے جن کو توراۃ و انجیل میں جن ٹائل کا لقب دیا گیا ہے۔ تاریخی دُنیا کے بعض خاص واقعات کے منشاء و مصدر رہ چکے ہیں اسی قدر نہیں بہت سے خیالات جو اس وقت سے آج تک سمندر کی لہروں کے ساتھ دُور دُور تک پہونچنے اور طبائع انسانی پر نسلاً بعد نسل تصرّف کرتے رہے ہیں۔ اُن کا سرچشمہ اُس زمانے سے اس گھڑی تک یہی جزیرے اور ممالک رہے ہیں۔

وہ جزیرہ نما جو مجمع الجزائر اور بحر آیڈریاٹک کے بیچ میں واقع ہے مع اُس چھوٹے جزیرہ نما کے جسے خاکنائے کارنتھ اس بڑے جزیرہ نما سے وابستہ کرتی ہے عموماً یونان کے نام سے مشہور تھا۔ اور اس میں ایسے لوگ بستے تھے جو ایک ہی زبان بولتے تھے۔ ایک مذہب کے پابند تھے اور بہت سی باتوں میں اپنے آپ کو باہم یکساں اور متحد تصور کرتے

تھے۔ بلند سلسلہ ہائے کوہ اور گہرے خلیج اس سرزمین کو اس طرح قطع کرتے ہیں کہ بہت سی قدرتی تقسیمیں ہو گئی ہیں۔ چنانچہ یہاں کی ہر ایک وادی جو پہاڑوں اور سمندروں میں گھری ہوئی ہے۔ ایک چھوٹی ریاست بنی ہوئی تھی جس کی سلطنت اور اسکے باشندوں کے جذبات اور مقاصد و اغراض سب جُداگانہ تھے۔ جو واقعات اُن میں پیش آئے وہ ایسے ممتاز ہیں اور اس تفصیل سے بتائے گئے ہیں کہ مشکل سے باور ہوتا ہے کہ ایسے چھوٹے قطعۂ زمین میں ایسے واقعات پیش آئے ہوں گے۔

یہ یونانی لوگ یافث بن نوح کی نسل سے تھے۔ اور تمدن و تہذیب کو اُنھوں نے مصر والوں اور فنیقی لوگوں سے حاصل کیا تھا۔ اُن کے اوج و عروج کی ابتدا کے متعلق بس اسی قدر بیان کیا جاسکتا ہے جو کہا گیا کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی بات قابل اعتبار نہیں۔ ان کی تاریخ قدیم کہانیوں کا ایک مجموعہ ہے جن میں سے بعض اچھی معلوم ہوتی ہیں بعض لغو ہیں۔ اور بعض میں بدمذاقی کی بو آتی ہے۔ لیکن انھیں داستانوں میں سے چند جن پر شعراء نے طبع آزمائیاں کی تھیں، علی العموم بہت مشہور ہو گئی ہیں۔ اور دُنیا کی مہذب اقوام پر ان کا اتنا اثر پڑا ہے کہ چند محدود الفاظ میں اُن کو مختصر طور پر ظاہر کر دینا نہایت ضروری ہے

یونانیوں کی ضعیف الاعتقادیاں یا بدعقیدگیاں مشرق کی بدعقیدگیوں سے زیادہ بدتر لغو اور قابل الزام تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مشرقی قومیں انوارِ قدس کے سرچشمہ سے زیادہ قربت رکھتی تھیں۔ اور ان سے اُن لوگوں سے اکثر خلا ملا رہا کرتا تھا۔ جن میں وحی والہام کا سلسلہ جاری تھا۔ اور جن کے انبیاء و رسل حامل انوار توحید تھے۔ اہلِ یونان نے علم الٰہی کے متعلق سلف صالح کی تمام روایتوں کو تلف کر دیا تھا۔ ہر کام کا پھل جو دُنیا ہی میں ملا کرتا ہے۔ جیسے نکوکار کو اپنی نیکی کا پھل ملتا اور بدکار کو اپنی بُرائی کی پاداش بُھگتنا۔ بس اسی قسم کی باتوں سے جو کچھ نتائج اخذ کئے جاسکتے ہوں وہی اُن کے ہاتھوں میں تھے اور فقط اُنھیں سے وہ روحانی فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے۔ اُن کے شعراء اور

فلسفیوں نے حق کا پتہ لگانے اور آخر کار جہالت و بت پرستی کے اندھیرے میں پاؤں مار کے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے نور کی چند شعاعیں پا لینے کی بے انتہا کوشش کی۔

اُن کی دیومالا یعنی اُن کے مذہب کی کہانیوں کے مطابق تمام دیوتاؤں اور کل آدمیوں کا باپ زیوس جو "جیوپی ٹر" کے نام سے زیادہ شہرت رکھتا ہے ایک ایسے مقام میں رہتا تھا جس کا بیرونی دیوانخانہ علاقہ تھسلی میں ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر تھا، جو کوہ اُلم پس کہلاتا ہے بجلی اس کی تلوار تھی جس سے وہ اپنے دشمنوں پر حملہ اور حربہ کیا کرتا۔ اور سارے آسمان و زمین پر اس کی حکومت قائم تھی۔ مگر باوجود اس حکومت کے اسے فیصلۂ تقدیر سے مفر نہ تھا۔ یہ تقدیر ایک ایسی پُراسرار قوت تھی جس کے عنوان سے غالباً وہ اس حضرت رب العزت جلّ جلالہٗ کی مشیّت کا اعتراف اپنی جہالت و کفر میں بھی کیا کرتے تھے۔

زیوس کا بھائی نپ چیون سمندر کا حکمران تھا۔ اور ہوڈو تحت الثریٰ کے دُھندلکے میں مقیم تھا جہاں شریر و بدکار لوگوں پر ابد الآباد تک عذاب ہوتا رہے گا۔ بہادر اور اچھے لوگوں کو اُن کے خیال میں اگرچہ یکساں درجہ کی مسرت نہیں حاصل تھی مگر ان کی نسبت اعتقاد تھا کہ خیالی سایوں کی طرح سے جھاڑیوں کے قریب رہ کے وہ اپنی گذشتہ زندگی پر ہمیشہ افسوس کرتے رہتے ہیں۔ مابعد الموت کے متعلق اُن کی کہانیاں اسی قسم کی تھیں۔ مگر یونانی فلسفیوں کو اس قسم کی ایک بے لطف و بے مزہ عشرت گاہ کی موجودگی کے ثبوت میں کوئی اطمینان بخش دلیل ہاتھ نہیں آئی تھی۔

زیوس کی آتش مزاج جورو ہے۔ رَہ آسمانوں کی ملکہ تھی۔ اور دوسرے دیوتا اس کے بچے تھے۔ "پل لاس اے تی نہ" ابدی دانائی کی کنواری دیوی پورے اسلحہ سے مسلح ہیرہ کے سر سے نکلی تاکہ ان شیطانوں سے مقابلہ کرنے اور اُن کے روکنے کے لئے جنھوں نے آسمانوں پر دھاوا کر دیا تھا اور چڑھے آتے تھے اپنی ماں کی مدد کرے۔

اس کنواری دیوی کی ڈھال میں گارگن کی مورت بنی تھی۔ جس کا یہ اثر تھا کہ جو کوئی مقابلہ کے لئے سامنے آتا وہ اسے پتھر کا بنا دیتی۔ آرِس لڑائی کا دیوتا تھا۔ ہرمس فصاحت اور چالبازی کا۔ اور آفرودیتا حسن و عشق کی دیوی تھی جو سمندر کے پھین سے پیدا ہوئی تھی۔ (یونانیوں کی یہ دیوی غالباً فنیقی لوگوں کی دیوی آشتارتہ سے ماخوذ ہے) یونانیوں کے دو اور توام دیوتا اپالو اور آرتہ میش بھی تھے۔ چاند کی نسبت کہا جاتا کہ آرتمیس کی کی رتھ ہے۔ اور اپالو سورج پر حکمران تھا جس کی شعلہ بار رتھ روز ایک پھاٹک سے نکل کے آتی۔ جسے خوبصورت دیوی ایوس اپنی گلابی انگلیوں سے کھولتی اور پھاٹک سے نکلتے ہی وہ رتھ آسمان کی منزلیں طے کرنا شروع کر دیتی۔ یہ دورہ ختم کرنے کے بعد اپالو سمندر کی لہروں میں جا کے سو رہتا۔ یہی اپالو اُن کے وہاں شعر و سخن کا بھی دیوتا تھا۔ وہ موسِن نام نو بہنوں کا رہنما تھا جو کوہ پارنس سوس پر رہتیں۔ اور خیال آفرینی کی تمام باتیں لوگوں کے دلوں میں القا کیا کرتیں۔

انھیں دیویوں سے نغمہ سرائی کے فن کو بھی تعلق تھا۔ اور انھیں کے نام سے اخذ ہو کے مشرقی زبانوں میں موسیقی اور مغرب میں میوزک کے الفاظ بنے ہیں۔

یہ تو یونانیوں کے بڑے دیوتا تھے۔ مگر انھیں کے ساتھ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی۔ ہر جنگل کا ایک خاص نیا دیوتا تھا۔ اور ہر چشمہ کی نگہبان و محافظ ایک خاص پری تھی۔

ان دیوتاؤں کے علاوہ یونانیوں میں بہت سے "ہیرو" تھے یعنی وہ انسان جو اپنے اچھے کاموں کے صلہ میں زمین سے اُٹھا کے آسمان پر چڑھا دئے گئے یا انسانیت سے ترقی کر کے دیوتاؤں میں شامل ہو گئے۔ ڈمی اودنی سس جس نے اُن کے خیال میں

ؔ۵۔ یہ یونانی دیو مالا میں ایک نہایت ہی بُرے، بدصورت اور مہیب راکشش مراد ہے جس کی صورت ایسی ڈراؤنی تھی کہ جو دیکھتا پتھر کا ہو جاتا۔

ہندوستان فتح کیا تھا۔ شراب کا دیوتا تھا۔ ہرکیولس (ہرقل) جس کو یونانیوں نے یقیناً بنی اسرائیل کے سمسون کی کہانیوں سے جو فنیقی لوگوں میں بہت مشہور تھیں۔ اخذ کر لیا تھا۔ اس کی نسبت یہ روایت بیان کی جاتی تھی کہ دُنیا کے موذیوں کے دست بُرد سے بچانے میں بارہ مرتبہ اپنی زور آوری کے کمالات دکھا کے دیوتاؤں میں چلا گیا۔ اور اُن میں اپنی شیر کی کھال اوڑھے ہوئے آرام کر رہا ہے اور جب کبھی دُنیا میں زور آزمائی یا تحمل کی ضرورت پیش آتی ہے تو منغض ہو کے جاگ اُٹھتا ہے۔ کس تور اور پولکس نام دو شخص جن میں سے پہلا شہسوار اور دوسرا پہلوان تھا، ان کی نسبت یقین تھا کہ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے اور تاروں کے عقود یعنی گچھوں میں سے ایک عقد جوڑون کہلاتا ہے اسکے دو روشن تارے آجتک انھیں کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ یہ تھے یونانیوں کے دیوتا اور یہ تھے اُن کے عقائد جن سے واقف ہونے کے بعد اس کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ عقل انسانی چاہے کتنی ہی ترقی کر جائے۔ کُنہ حقیقت اور رموز ربانی کے سمجھنے میں کہاں تک قاصر و بے بس ہے۔

فصل دوم

شہر ٹرائے کا محاصرہ (۱۷۵۴ قبل محمدؐ)

تمام یونانی مؤرخین اپنی تاریخوں کو اس عہد سے شروع کرتے ہیں جو ان میں ہیروؤں کا عہد کہلاتا ہے۔ یعنی جبکہ مذکورۂ بالا ہیرو آسمان پر نہیں گئے تھے بلکہ زمین کے اوپر موجود تھے۔ اور ان کی کہانیوں کے بموجب جب خود دیوتا بے تکلف آ کے انسانوں کے کاروبار میں شریک ہوتے اور ان کے معاملات میں دخل دیا کرتے تھے۔

ان داستان آمیز واقعات میں سب سے زیادہ مشہور واقعہ شہر ٹرائے کے محاصرہ کا ہے جسے یونانی شاعر ہومر کی مثنوی اِلی ڈ (ایلیڈ) نے ساری دُنیا میں مشہور کر دیا ہے۔ اُس کا

اصل واقعہ یہ ہے کہ یونان کے شہر اس پارٹا کی حسین ومہ جبین ملکہ ہیلین اپنے شوہر لاڈس کو چھوڑ کے پیرس کے ساتھ بھاگ گئی جو بادشاہ ٹرائے پریم کے پچاس بیٹوں میں سے ایک تھا۔ شہر ٹرائے کا نام ای لیوم بھی تھا جو کہ ایشیائے کوچک میں واقع تھا۔ ہیلین جب پیرس کے ساتھ بھاگ کے ٹرائے میں پہونچی تو تمام شاہان یونان برہم ہو کے منے لاڈس کے بھائی اگامم نون کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے۔ جومی کے نہ کا بادشاہ تھا۔ یہ مجموعی لشکر جہازوں پر سوار ہو کے روانہ ہوا۔ اور ٹرائے کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ دس سال سے کم زمانہ تک نہیں قائم رہا جس میں پریم کے بیٹے ہکٹ تور نے بڑی شجاعت سے یونانیوں کے حملہ کو روکا۔ اور اس کے مقابل یونانیوں کا سب سے بڑا سورما پہلوان اور مرد میدان اچل لس تھا جو ایک سمندر کی پری کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ وہ بہادر تھا اور سب سے زیادہ کمالات اس کی ذات میں جمع تھے لیکن تقدیر نے یہ فیصلہ کر دیا تھا جس کی اُسے خبر بھی مل چکی تھی کہ محاصرہ اور لڑائی کے ختم ہونے سے پہلے ہی اس کی زندگی ختم ہو جائے گی۔

محاصرے کے دسویں سال ٹرائے کا پہلوان ہک تور یونانی سورما اچل لیس کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور اس کے بعد ہی پیرس کی کمان کے ایک تیر سے جو کمال دغابازی کے ساتھ پھینکا گیا تھا اچل لیس کا کام بھی تمام ہو گیا۔ آخر کار اُلس سیس کے عقلمند بادشاہ اتاکا نے شہر ٹرائے میں داخل ہونے کی ایک تدبیر نکالی۔ وہ یہ کہ لکڑی کا ایک بڑا بھاری گھوڑا بنایا گیا جو اندر سے خالی تھا۔ اس کے اندر بہت سے مُسلّح یونانی بھر دئے گئے۔

اس کے بعد تمام یونانی لوگ بہ ظاہر تو لشکر گاہ کو جو ٹرائے کے سامنے تھی ویران اور اُجاڑ چھوڑ کے جہازوں پر سوار ہوئے اور لنگر اُٹھا دیا۔ مگر در اصل اِدھر اُدھر قلعہ ٹرائے کے آس پاس چھپے رہے، مگر اس وقت ایک یونانی جاسوس بھی چھوڑ دیا گیا جس نے اپنے آپ کو ٹرائے والوں کے ہاتھ میں گرفتار کرا دیا اور ان لوگوں سے جا کے بیان کیا کہ

ایک بڑے باکمال یونانی کاہن نے خبر دی ہے کہ یونانیوں کے اس گھوڑے کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی تو تباہ ہو جائیں گے مگر اس کے ساتھ وہ کہتا تھا کہ اس کے برعکس ٹرائے والوں کی سلامتی اسی میں ہے کہ اس گھوڑے کو شہر کے اندر اُٹھا لے جائیں۔

ٹرائے والے اس کے فقرے میں آ کے اُس گھوڑے یا اُس عجیب الخلقت جانور کو اپنے شہر کے اندر اُٹھا لے گئے۔ یونانی جو اس گھوڑے کے پیٹ میں بھرے ہوئے تھے اسی رات کو ہر طرف خاموشی اور سناٹا پا کے نکل پڑے اور پھاٹک کھول کے یونانیوں کے باقی ماندہ لشکر کو بھی اندر داخل کر لیا جو قلعہ کے آس پاس چھپا اور اِدھر لگا ہوا تھا۔ یوں موقع پاتے ہی یونانیوں نے شہر میں آگ لگا دی اور قتل و خون کا بازار گرم کر دیا۔ پری ایم اور اس کے باقی ماندہ بیٹے مارے گئے۔

ٹرائے کے اور بھی بہت سے لوگ قتل ہوئے۔ اور سوا اُن چند لوگوں کے جو ٹرائے کے ایک شاہزادے اے بناس کے ساتھ (جس کا ذکر بعد میں آئے گا) بھاگ گئے تھے یونانیوں نے کُل اہلِ ٹرائے کو غلام بنا لیا۔ یہ نمایاں اور یادگار زمانہ فتح حاصل کر کے اہلِ یونان اپنے ملک کی طرف واپس روانہ ہوئے۔ لیکن واپسی میں تمام یونانیوں کو سخت مصیبتیں پیش آئیں۔ اور کہا جاتا تھا کہ یہ صرف اس بات کا نتیجہ تھا کہ اِن لوگوں کے ہاتھوں سے ٹرائے کے مندروں اور اُن کے دیوتاؤں کی نہایت بے ادبی اور بے حرمتی ہوئی تھی۔

آگامم نون کو اُس کی جورو کلی تم نس ترا نے مار ڈالا اور اس شوہر کشی کی پاداش میں وہ خود اپنے بیٹے اورس ٹس کے ہاتھ سے قتل ہوئی۔ اور اس خاندان کی تباہیاں جو اپنے مورثوں آت ری اوس اور تھی اِس ٹس کی شرارتوں اور بدکاریوں کا نتیجہ سمجھی جاتی تھیں۔ اہلِ یونان میں ضرب المثل ہو گئیں۔ اُلس سس اپنے جزیرہ اتھی تھا کا میں

پہونچنے سے پہلے دس سال اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا اور اس تباہی کے سفر میں اپنا تاج و تخت حاصل کرنے کے لئے اُسے بڑی بڑی دشواریوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس کے سوانح کو جن سے اُکیلیس کے غضب اور بکت تور کے زوال کی داستان مُراد ہے۔ یونان کو سور داس (اندھا گویا)، ہومر یونانیوں کے سامنے گایا کرتا تھا جو دُنیا کے تمام شاعروں میں سب سے پہلا ہے۔ ان داستانوں کے یہ موزوں گیت جو چنگ کے نغمہ پر گائے جاتے تھے سالہا سال تک زبانی کہانیوں کی طرح لوگوں اور نسلوں میں منتقل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ایشنیا (ایتھنز) کے بادشاہ پی سس ترا توس نے انھیں دو نظموں یا مثنویوں میں جمع کر دیا۔ جو ای لی یڈ اور اوڈس سے کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ان میں سے پہلا نام اِی ئی تم سے ماخوذ ہے جو کہ شہر ٹرائے کا لقب تھا۔ اور دوسرا نام آودس سوس سے جو کہ اُدلس سیس کا یونانی نام تھا۔ اُس زمانہ کے بعد سے یہ نظمیں ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی شاعری کی حیثیت سے لوگوں میں پھیلیں اور بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئیں۔

ٹرائے کا واقعہ ارض مغرب میں بعینہٖ ہندوستان کی رامائن کا جواب ہے۔ اور دونوں کا زمانہ بھی قریب ہی معلوم ہوتا ہے۔ وہاں یونانی میں ای لیڈ لکھی گئی اور یہاں رامائن۔ مگر ہندوستان کی عفت شعار شوہر پرست اور اعلیٰ درجہ کی مظہر عصمت و حرمت رانی سیتاجی کے مقابلہ میں بدکار اور بے وفا ہیلین کا نام لینا درحقیقت ایک بڑا بھاری اخلاقی جرم ہے اور دونوں رانیوں کے کیرکٹر ہی سے پتہ چل جاتا ہے کہ قدیم الایام میں مغرب و مشرق میں کیا اور کتنا فرق تھا۔

فصل سوم

اہلِ یونان کے عادات و اطوار

پُرانے یونان کا ٹھیک اور مخض نام ہَل لاس تھا۔ اور کُل اہلِ یونان اپنے آپ کو ایک ہی دادا ہَل لن کی نسل سے بتاتے تھے جس کی جانب منسوب ہونے سے اس سرزمین کا نام ہَل لاس مشہور ہوا۔ اسی ہَل لن سے اُن کی مختلف قومیں نکلیں، جو اس کے بیٹوں اور پوتوں کے نام سے مشہور ہوئیں۔ جن میں زیادہ ممتاز آیولی ین، ڈوریَن، آیونی ین اور آچائی ان لوگ تھے۔ تیسری قوم آیونی ین ہی سے یونان کا لفظ نکلا ہے۔ جو عربوں میں اور اُن کی تقلید سے ساری مشرقی دُنیا میں اس ملک کا عام نام قرار پاگیا۔ بعض اور قومیں بھی تھیں جو مذکورہ بالا قوموں سے کم شہرت رکھتی تھیں یہ سب قومیں ایک ہی زبان بولتیں گو کسی قدر اختلاف لغات ضرور تھا اور سب میں ایک قسم کی یکسانی و یک رنگی تھی، گو ہر ایک قوم اپنے جُداگانہ خصائص بھی رکھتی تھی۔

اُن کے ہیروؤں کے عہد کی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں اِن سب گروہوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم تھیں۔ جن کی حکومت کسی ایک شخصی فرماں روا کے ہاتھ میں تھی لیکن جب وہ زمانہ شروع ہوا جس عہد کے واقعات کو صحیح معنوں میں تاریخ کہا جاسکتا ہے تو ہر چیز کی حالت بدل کے کچھ اور ہی ہو گئی۔ اب تقریباً اُن سب ریاستوں میں جمہوری حکومت تھی۔ اگر کسی ریاست میں کوئی خود مختار حکمراں ہوتا تو وہ ٹائی رنٹ کہا جاتا۔ اس لفظ سے یونانیوں میں اُن دنوں صرف یہ مقصد ہوتا کہ اس نے اپنے ہاتھ میں ایسے اقتدارات لے لیے ہیں جن کے حاصل کرنے کا وہ مجاز و مستحق نہیں۔ یہ مطلب نہ تھا کہ وہ لازمی طور پر ظالم و جابر بھی ہو جیسا کہ ٹائرنٹ کے معنوں سے اب سمجھا جاتا ہے۔

مگر اُن کی جمہوریت میں بھی عام باشندگان شہر اور رعایا کو ملکی معاملات میں کسی قسم کا دخل نہ تھا۔ کیونکہ اُن کی وہ پُرانی جمہوریت ایک قسم کی حکومت امرا تھی جس میں صرف وہ لوگ دخل رکھتے جو آزاد تھے اور امرا میں شمار کیے جاتے۔ باقی ماندہ لوگوں میں زیادہ حصہ غلاموں کا تھا جو کسی قانون کے تابع نہ تھے۔ بلکہ اپنے مالکوں کے زیر فرمان اور ان کے ہر قسم کے احکام بجالانے پر مجبور تھے۔

مگر ان سب ریاستوں پر ایک اور کونسل حکومت کرتی تھی جو ایم فک ٹی یون کی کونسل کہلاتی۔ اس کے ارکان انھیں قوموں میں سے منتخب ہوتے اور سال میں دو بار اُس کونسل کے اجلاس ہوتے۔ ایک بار دیمے تیر کے مندر میں جو تھرموپولی کے قریب تھا۔ اور ایک بار اُپولو کے مندر میں جو ڈل فائی میں تھا۔

یہ کونسل ان مقامات میں اجلاس کر کے ریاست ہائے یونان کی باہمی نزاعوں کا تصفیہ کرتی۔ ملک کی عام حفاظت کی تدبیریں سوچتی۔ اور دیوتاؤں پر قربانیاں چڑھانے کے احکام نافذ کرتی۔ ڈل فائی کا مندر اس کونسل کے اجلاس کے لئے بہ ظن غالب اس لئے مقرر کیا گیا تھا کہ ملک میں کوئی ایسا مقام نہ تھا جو عام اہلِ یونان کی نظر میں اس قدر مُتبرک اور محترم ہو۔ اس مقام کی نسبت مشہور تھا کہ یہاں اپولو نے پی تھون اژدھے کو مارا تھا۔ اور یہیں وہ اپنی پجارنوں کے منہ سے تمام لوگوں کو جو اپنی آرزوئیں، مُرادیں اور تمنائیں دل میں لئے ہوئے دُور دُور سے آتے اور طرح طرح کے سوالات کرتے الہامی جواب دیا کرتا۔ جواب میں جو الفاظ پجارنوں کی زبان سے نکلتے " اُورنیکل (فال) کی لفظ سے تعبیر کئے جاتے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض اوقات وہ پورے اُترتے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ ایسی معنی بند زبان میں اور ایسے پیچیدہ ہوتے کہ اُن میں آسانی سے بیسیوں طرح کے معنی پہنائے جاسکتے اور دُشوار نہ تھا کہ ہر صورت میں پورے اُتریں۔ مثلاً کرے سوس نے جب اپنی اور ایرانیوں کی لڑائی کے متعلق سوال کیا تو اُسے یہ جواب ملا کہ اگر تو نے سائرس

شہنشاہ ایران، سے لڑائی چھیڑی تو ایک بڑی شہنشاہی کی بنیاد منہدم ہو جائے گی۔" وہ تو یہ جواب سُن کے خوش ہو گیا کہ شہنشاہی سے مُراد ایرانیوں کی سلطنت ہے۔ مگر بعد کو یہ کھُلا کہ نہیں خود اسی کی سلطنت مُراد تھی۔ لیکن بعض معاملات میں یہاں کی پیشین گوئیاں ایسی نمایاں طور پر سچی ثابت ہوتیں کہ ہمیں متحیر ہو کے کہنا پڑتا ہے کہ خدا جانے وہ کون سی قوت تھی جو ان پُجارنوں کی زبان سے ایسے سچے الفاظ نکلوا دیا کرتی تھی۔

وہ کھیل جو یونانی لوگ ہر چوتھے سال اُلم پیا میں کھیلا کرتے اُن کے مذہبی کھیل تصور کیے جاتے تھے۔ اُلم پیا میں ایک چھوٹا میدان تھا جہاں تمام یونانی جمع ہوتے اور دیکھتے کہ اُن کے نوجوانوں نے شہسواری، رتھ ہنکانے، پیدل دوڑنے، کشتی لڑنے، مُشت زنی کرنے اور چکر (ایک قسم کا ہتھیار جو اکثر سکھوں کے پاس ہوا کرتا ہے) پھینکنے میں کیا کیا کمالات حاصل کیے ہیں۔ ان کھیلوں کے شروع ہونے سے پہلے دیوتاؤں کے سامنے عاجزی سے دُعا کی جاتی۔ اور ان کے خاتمہ پر جیتنے والے برنجی تپائیوں پر بٹھائے جاتے زیتون کا درخت اُن کے اعتقاد میں متبرک و محترم تھا۔ اس کے پتّوں کے ہار و ل کے تاج بنا کے اُن کے سروں پر پہنائے جاتے۔ جو سند کے طور پر حفاظت سے رکھ چھوڑے جاتے۔ اور یہ مُرجھائے ہوئے سوکھے ہار اتنی بڑی اعلیٰ ترین عزت تصور کیے جاتے جس کی کسی شخص کے دل میں آرزو ہوتی۔ مرورِ ایام کا اندازہ انھیں کھیلوں سے کیا جاتا۔ مثلاً کہا جاتا کہ پہلی اُلم پیاڈ اور دوسری اُلم پیاڈ اور اسی طرح تیسری اور چوتھی۔ پہلی اُلم پیاڈ ۱۳۴۷ قبل محمدؐ میں یعنی آج سے ۲۶۸۲ برس پہلے ہوئی تھی۔ ان کے علاوہ اس تھ۔ می آن کھیل تھے۔ چونکہ یونانی خاکنائے کو اسس تھ ٹیوس کہتے تھے۔ اور یہ کھیل خاکنائے کورن تھ میں کھیلے جاتے۔ اس لئے اس نام سے مشہور تھے۔ اُن میں بھی لوگ کثرت سے شریک ہوتے۔ مگر ان کا درجہ اُلم پیا کے کھیلوں سے کم سمجھا جاتا۔

یونانیوں کے اکثر شہروں کے گرد شہر پناہ تھی۔ اور ہر ایک میں ایک گڑھی بھی ہوتی جو اُس دیوتا کی نذر سمجھی جاتی جسے شہر کا دیوتا خیال کرتے۔ اور وہی شہر کی سلامتی کا ذمہ دار اور اس کا محافظ مانا جاتا۔ ان گڑھیوں کی قلعہ بندی بڑی مضبوطی سے کی جاتی۔ تاکہ اگر کبھی بستی پر کسی حریف کا قبضہ ہو جائے تو اہلِ شہر اس گڑھی کے اندر بھاگ کے پناہ لے سکیں۔ آزاد باشندوں کے مکان عموماً شہر میں بھی ہوتے اور دیہات میں بھی۔ اس طبقہ کے لوگ اپنے آپ کو سِٹی زن کہتے۔ شہر ان کی زبان میں پولِس کہلاتا۔ اور اسی لفظ سے انگریزی کا لفظ پالی ٹِک نکلا ہے۔ جس طرح انھیں معنوں میں ہماری زبان میں "مدینہ" کے لفظ سے جس کے معنی شہر کے ہیں۔ "تمدّن" کا لفظ بنا ہے۔ ان کے مکان گرمیوں کے موسم کے لئے زیادہ مناسب ہوتے کیونکہ گرد اگرد بنی ہوئی عمارت ہوتی۔ درمیان میں ایک فوّارہ ہوتا۔ اور دونوں جانب باہر کی آمد و رفت کے لئے دو دہلیزیں ہوتیں۔ ان کے خاندانوں کی زندگی انھیں مکانوں میں بسر ہوتی۔ اور اندرونی کمرے زیادہ تر شب باشی کے کام آتے۔ صحنوں میں علی العموم کسی دیوتا کی قربان گاہ بھی بنی ہوتی۔ جو اگر دیوتا کی طرف نہیں تو خاندان کے کسی پُرانے مورث کی جانب منسوب ہوتی۔ کھانے کی دعوت یا صحبت شراب شروع ہوتے وقت ہمیشہ معمول تھا کہ تھوڑا سا کھانا یا تھوڑی سی شراب دیوتا کی بھینٹ کئے جانے کی غرض سے اُس قربان گاہ پر چڑھا دی جاتی۔

اُن کا لباس ایک سفید لمبا ڈھیلا ڈھالا کُرتا تھا جس کے اوپر کمر کے پاس ایک پیٹی کس کے باندھ لی جاتی ہتھیار لگانے کی غرض سے اُس کرتے کے دونوں جانب چاک ہوتے۔ اور شانوں کے اوپر وہ کُرتا آہنی آلپینوں کے ذریعہ سے اٹکا دیا جاتا۔ یہی لباس عورتوں کا بھی تھا۔ مگر اتنا فرق تھا کہ عورتوں کے کرتے لمبے اور پاؤں تک لٹکتے ہوئے بخلاف اس کے مردوں کے کُرتے گھٹنوں کے اوپر ہی تک ہوتے۔

اُن کے سامانِ جنگ اور اسلحہ میں ایک تو خود تھا جس میں گھوڑے کے بالوں کی کلغی لگی ہوتی۔ ایک چار آئینہ یعنی سینہ پر لگانے کی فولادی چادر تھی جس میں نیچے کی طرف چمڑے کے بہت سے تسمے لگے ہوتے جو گھٹنوں کے نیچے تک جھالر کی طرح لٹکتے رہتے تاکہ رانوں کو حریف کے حربے سے بچائیں۔ پنڈلیوں کی حفاظت کے لئے کبھی تو وہ ایک آہنی چادر کا خول چڑھا لیتے اور کبھی ایک اونچا چرمی موزہ پہن لیتے جوتوں کی جگہ وہ لوگ علی العموم کھڑاؤں یا محض چمڑے کے تلے (نعلین) پہنتے جو کہ چمڑے کے تسموں سے پاؤں میں بندھے اور کسے رہتے۔ نیزے اور تلواریں اُن کے حربے تھے۔ اور نیزوں کو بجائے اُن سے وار کرنے کے کبھی دشمن پر پھینک کے بھی مارتے۔

اُن کے جہاز بہت ہی چھوٹے چھوٹے ہوتے۔ جن کو کشتیوں سے کچھ تھوڑا ہی امتیاز حاصل تھا۔ بلیوں کے ذریعہ سے وہ کھیے جاتے اور کھیلنے والوں کے لئے اپنے جہاز کی حالت و حیثیت کے مطابق کبھی ایک ایک، کبھی دو دو، کبھی چار چار، اور کبھی پانچ پانچ نشستیں بنی ہوتیں۔ بادبانوں کا استعمال شاذونادر ہی کیا جاتا، اور چونکہ قطب نما کا اُس وقت تک پتہ نہیں لگا تھا۔ اس لئے اپنے جہازوں کو وہ خشکی سے اِتنی دُور کبھی نہ لے جاتے تھے کہ کنارہ نظر سے غائب ہو جائے۔ جہازوں کے آگے ایک بڑی سی لمبی نوکدار دھنی رہتی جس کی نوک پر لوہا چڑھا ہوتا یہ جہاز کی چونچ کہلاتی۔ سمندر کی لڑائی میں اپنے جہازوں کی یہ چونچیں زور سے مار کے حریف کے جہازوں کو وہ اکثر توڑ ڈالتے اور ڈبو دیتے۔

یونانیوں میں زیادہ تر مُردوں کے جلانے کا رواج تھا۔ جنازوں کو لے جا کے لکڑیوں کی ایک چِتا پر رکھ دیتے۔ اُن کے ساتھ بعض سامان بھی رکھ دئے جاتے اور بڑی متانت کے ساتھ آگ لگا دی جاتی۔ جل چکنے کے بعد ان کی خاک ایک ظرف میں بھر کے رکھ چھوڑی جاتی۔ اس کی نہایت ہی حفاظت اور تعظیم و تکریم کی جاتی۔

تقریباً تمام یونانی تعلیمیافتہ تھے جو لکھنا پڑھنا بخوبی جانتے ہوتے۔ تحریریں چمڑے پر ہوتیں یا پپائرس⁵ پر فلسفیوں کے مدارس میں وہ تعلیم پاتے۔ اور مذاق کی اصلاح۔ اور دل کا تزکیہ کرنے کی اُن میں بڑی قدر تھی۔ اسی تعلیم نے وہ یونان قدیم بنایا تھا جس کی علمی ترقیوں کو دیکھ کے ہم عش عش کر جاتے ہیں۔ اور ہمیں نظر آتا ہے کہ انسان تعلیم کے ذریعہ سے کس درجۂ کمال کو پہونچ سکتا ہے۔ اُنھوں نے دانائی میں بے حد ترقی کی اور تھوڑے ہی زمانہ میں اس چھوٹے ملک میں مُنصفوں، بُت تراشوں۔ فن تعمیر جاننے والوں، فصیح البیانوں اور سپاہیوں کی اتنی بڑی جماعت موجود ہو گئی تھی جو اس وقت سے آج تک دُنیا میں ترقی و تکمیل کا ایک بے مثل نمونہ تصور کی جاتی ہے۔ مختلف کمالات میں اس زمانہ تک کوئی اُن سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ بلکہ بہت ہی کم لوگ ہیں جو ان کے قریب بھی پہونچ سکے ہوں۔ اُن کے ٹوٹے پھوٹے آثار ہمارے عہد تک باقی ہیں جن کی خوبی اور عظمت دیکھ کے مبہوت اور حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔ ہمارا کام ہے کہ اُن کے ظاہری محاسن پر گہری نظر ڈالیں اور اس اصلی جوہر کا پتہ لگائیں جو اس قدیم زمانہ کے ان عظیم الشان اور باکمال لوگوں میں تھا۔ دراصل وہ خدائے عزّ وجل کا پُرعظمت ہاتھ تھا جو اُن کی رہبری کرتا۔ اور اُن کے کاموں سے اپنی خوبیوں اپنی برکتوں اور اپنی عظمت و جلال کی شعاعوں کو چمکاتا اور نمایاں کرتا تھا۔

فصل سوم

اسپارٹا ۱۶۷۳ سنہ قبل محمدؐ سے ۱۳۸۸ سنہ قبل محمدؐ تک

یونان کے دو بڑے شہروں میں سے ایک، تو ایونی اُن لوگوں یعنی خاص یونانیوں

۵۔ ایک درخت ہے جو مصر کی مرطوب زمینوں میں ہوتا ہے اس کا تنہ گول ہوتا ہے اور پتّے نہیں ہوتے اس کے تنہ کے پتلے پتلے ورق اُتار کے سکھائے اور لکھنے کے قابل بنائے جاتے۔ اس کو مصر والوں نے ایجاد کیا تھا۔ اور یونانیوں میں بھی اس کا رواج تھا۔

کا شہر اثینہ (ایتھنز) تھا اور دوسرا علاقہ ڈوریا کا شہر اسپارٹا جو لاسے دے مون بھی کہلاتا تھا۔ اول الذکر شہر کی نسبت اعتقاد تھا کہ اس پر لاس اثینے نا دیوتا کی مہربانی ہے۔ یہ اپنی مختصر قلمرو اٹی کا کے وسط میں واقع تھا۔ خلیج سلانیک میں سامنے نمایاں نظر آتا تھا۔ یونان کے تمام شہروں سے زیادہ خوبصورت تھا۔ اور یونان کے کل شہروں سے بڑھ کے خدا کی رحمتوں اور برکتوں کا سرچشمہ منشاد منبع تھا۔ کیونکہ یہاں علم و فضل اور اخلاق و کمالات انتہائی درجۂ ترقی کو پہونچے ہوئے تھے۔ بہ لحاظ مذاق و عادات یہ شہر اسپارٹا کے بالکل مخالف تھا جو کہ کوہستانی علاقہ لا کون یا کا مستقر اور صدر مقام تھا۔ وہاں کا مذاق یہ تھا کہ ہر چیز جس میں ذرا بھی نرمی، ملائیت۔ نفاست اور لطافت تھی نکال ڈالی گئی تھی اور ایسی کوئی چیز بھی نہیں باقی رکھی گئی تھی جس کو عیش پرستی سے کچھ بھی لگاؤ ہو۔ وہ تمام چیزیں جو نظر یا ذوق کو بھلی معلوم ہوں اور انسان کو اپنی طرف متوجہ کر سکیں۔ کلیتہً شہر سے دور کر دی گئی تھیں۔ اور ہر باشندے کا جسم اس کے خصائل اور اس کے جذبات سب لڑائی و نبرد آزمائی کے لئے تھے اور محض نبرد آزمائی کے لئے۔

اہل اسپارٹا کو دعویٰ تھا کہ ہم لوگ اپنے قومی تہمتن ہرقولیس (ہرکل) کی نسل سے ہیں۔ ہرقولیس کے دو توام بیٹے بتائے جاتے تھے۔ اور انھیں کے لحاظ سے ہمیشہ ان کے دو بادشاہ رہا کرتے۔ جن میں سے ایک ایک کی نسل سے ہوتا اور دوسرا دوسرے کی نسل سے۔ یہ دونوں بادشاہ برابر کے اقتدارات رکھتے۔ دونوں کی حکومتیں یکساں ہوتیں۔ لیکن اتنی تقسیم ضرور تھی کہ ایک ہمیشہ اور ہر موقع پر فوج کی سپہ سالاری کرتا اور دوسرا شہر میں ٹھہر کے نظم و نسق سلطنت کا کام چلاتا۔ مگر باوجود اس کے سچ یہ ہے کہ شہر کے اندر ان دونوں حکمرانوں کو اختیارات بہت ہی محدود رہتے، کیونکہ عنانِ حکومت در اصل چند خاص قاضیوں کے ہاتھ میں تھی جو افورس کہلاتے تھے۔ ان کا طرز حکمرانی اولی گارکی یا آرس ٹوک ریسی کے لقبوں سے یاد کیا جاتا۔ پہلا

یونانی لفظ اَولی گوس سے نکلا ہے جس کے معنی "چند" کے ہیں اور دوسرا یونانی لفظ آرس ٹوس سے جس کے معنی "بہترین" کے ہیں اور ان لفظوں سے صرف وہ ریاستیں یاد کی جاتی تھیں جن کی حکومت چند بہترین اشخاص کے ہاتھ میں ہوتی یا جہاں انتظام سلطنت میں دخل دینے کا حق صرف چند اعلیٰ درجے کے لوگوں کو حاصل ہوتا۔

اسپارٹا والے ابتداءً نہایت کاہل، زنانہ مزاج اور عیش پرست ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ ۸۲۱ قبل محمد مین لی قور غوس نام ایک شاہزادہ جو ہر قیولیس کی نسل سے تھا اپنے نابالغ بھتیجے چاری لاؤس کی جانب سے سلطنت کے سیاہ و سفید کا ذمہ دار قرار پایا۔ چاری لاؤس کو اس کی شریر النفس ماں مار ڈالنا چاہتی تھی۔ مگر لی قور غوس نے اُسے بچا لیا اور اس کی پوری حفاظت اور نگہبانی کی۔ اب لی قور غوس نے ارادہ کیا کہ اسپارٹا کے لوگوں میں ایک بڑی بھاری اصلاح کر کے انکی کاہلی و زنانہ منشی کو بالکل دور کر دے۔ اور ایک ایسی تعلیم جاری کرے جس کے اثر سے اُس کے ہم وطن ساری دُنیا کے لوگوں سے زیادہ جفاکش بہادر اور اپنی جگہ سے قدم نہ ہٹانے والے سپاہی بن جائیں۔

اس اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے ہی اُس نے قلمرو کی ساری زمین لوگوں میں بانٹ دی۔ سونے چاندی کی قسم سے جو کوئی چیز کسی کے پاس پائی لے لی۔ تاکہ کسی جگہ سے سامان عیش فراہم کرنے کے ذرائع ہی اُن کے ہاتھ میں نہ باقی رہیں۔ اور روپیہ پیسہ کے عوض لوہے کے بھاری اور کم قیمت ٹکڑے اُن کے ہاتھ میں دے دیے جن کو کوئی سوداگر پوچھتا ہی نہ تھا۔ اور ان کے معاوضہ میں کوئی چیز نہ دیتا تھا۔

مردوں کو اپنے گھروں میں رہنے کی مطلقاً اجازت نہ تھی۔ بلکہ بچپن سے لے کے بڑھاپے تک اُن کی ساری زندگی سپہ گری کے کھیلوں، زور آزمائیوں اور ورزشوں میں بسر ہوتی۔ صُبح سے شام تک دن بھر بغیر سستانے یا دم لینے کے وہ انھیں مشغلوں میں مصروف

رہتے۔ بڑے بڑے کمروں میں ایک ساتھ بیٹھ کے کھانا کھاتے۔ جہاں اُن کو نہایت ہی سادہ غذا دی جاتی۔ اس میں ایک کالا شوربا ہوتا جسے اُن کے پڑوسی یعنی دوسرے شہروں کے یونانی نہایت ہی ناپسند کرتے۔ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اور اُس کے کھانے میں اپنی توہین تصور کرتے۔ اس کی بدمزگی کی یہ حالت تھی کہ یہ اسپارٹا کے نوجوان بھی اس کو اسی وقت کھا سکتے جب خوب بھوک لگی ہوتی۔ جب کوئی بچہ پہلے پہل ان لوگوں میں لا کے شریک کیا جاتا اور اُن کے عام دسترخوان پر بیٹھتا تو بڑے لوگ اسے ڈراتے کہ "یہاں فضول کی باتیں کرنا نہایت ممنوع ہے" اور دروازہ کی طرف اشارہ کر کے کہتے کہ "کوئی فضول بات منھ سے نکلی اور تم اس کے باہر کر دئے گئے"۔ یہ لوگ جہاں تک ممکن ہوتا بہت ہی کم الفاظ استعمال کرتے۔ چنانچہ اِن لوگوں کی خاموشی ہی کی وجہ سے مختصر بیانی کا نام ہی "لی کونی گفتگو" مشہور ہو گیا۔

اُن میں کوئی چیز اتنی اہمیت نہ رکھتی تھی جتنا کہ اسلحہ کا استعمال کرنا اور ضبط و تحمل کی قوت بڑھانا تھا۔ اس بارہ خاص میں اہلِ اسپارٹا کو جو تعلیم دی جاتی تھی وہ اس قدر سخت تھی کہ اُن لوگوں کے لئے لڑائی کا زمانہ بمقابل اُس زمانہ کے جبکہ وہ اپنے شہر اور اپنے گھروں میں ہوتے زیادہ آرام و آسائش کا زمانہ نظر آتا۔ درد، چوٹ یا تکلیف پر اُف کرنا، بزدلی کی کوئی علامت ظاہر کرنا اس قدر شرمناک تصور کیا جاتا کہ ایک لڑکا جو کسی بھیڑیے کو اپنے کرتے کے اندر چھپائے ہوتا، اس بات کو گوارا کر لیتا کہ بھیڑیا بوٹیاں نوچ نوچ کے اور جسم کو چیر پھاڑ کے اُسے مار ڈالے مگر یہ نہ ہو سکتا کہ زبان سے اُف کرے یا اذیت سے بچنے کے لئے اُسے چھوڑ ہی دے۔ لڑکے آرتھ مِس کی مورت کے سامنے کھڑے کر کے پیٹے جاتے۔ اُن کی مائیں سامنے کھڑی ہو کے اُن کے پٹنے کا تماشہ دیکھتیں۔ ایک آدھ لڑکا پٹتے پٹتے گر کے مر بھی جاتا۔ مگر کسی کی زبان سے آہ یا اُف کا لفظ نہ نکلتا۔ اسی کی برکت تھی کہ اسپارٹا والوں کی مائیں اپنے بیٹوں کو میدان جنگ میں

بھیجتے اور رخصت کرتے وقت تحفہ کے طریق سے ایک ڈھال دیتیں اور کہتیں کہ" اسکے ساتھ یا اس کے اوپر!" مطلب یہ کہ یا تو اسے عزت نام وری کے ساتھ گھر پر لانا اور یا اس پر پڑکے آنا۔ یعنی تمھاری لاش اس پر ڈال کے گھر لائی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ تم اسے ہاتھ سے کھو کے ناکام و نامراد آؤ۔ اہلِ یونان کی ڈھالیں مشرقی ڈھالوں کی طرح گول نہیں بلکہ لمبی ہوتی تھیں۔ جن پر انسان کی لاش ڈال کے اُٹھائی جا سکتی تھی۔

ضروری فنون اور صنعت و حرفت کے کام یا زمین بونا جوتنا، لوٹ ڈگوں کا کام تھا۔ جن سے بد نصیب غلاموں کی قوم مُراد تھی۔ اُن کے ساتھ ذرا بھی رحم کا سلوک نہ کیا جاتا۔ بلکہ بہت ہی بُرا برتاؤ ہوتا۔ اور اُن کی سخت توہین کی جاتی۔ وہ شراب پلا کے بدمست بھی بنائے جاتے تاکہ اُن کی بدمستی کی ذلیل حالت دکھا کے نوجوانان اسپارٹا کے دلوں میں مے کشی کی طرف سے سخت نفرت پیدا کی جائے۔ اِن غلاموں کی تعداد جب کبھی بڑھ جاتی اور اندیشہ ہوتا کہ ایسا نہ ہو اپنی کثرت کے باعث یہ اپنے ملکوں کے حق میں خطرناک بن جائیں اس وقت وہ فوراً قتل کر کے تھوڑے کر دئے جاتے۔

ہمارے یہاں بعض پٹھانوں کی بستیوں کا مذاق اسپارٹا والوں سے بہت ملتا جلتا ہے۔ خوشی اور امن و امان کی زندگی کو وہ بالطبع ناپسند کرتے بلکہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور کوئی لڑنے بھڑنے کو نہیں ملتا تو خود آپ ہی لڑ بھڑ لیا کرتے ہیں۔ اُن کے لئے بجائے ان بے نتیجہ ہنگامہ آرائیوں کے زیادہ بلکہ بہت زیادہ مناسب ہوگا کہ گورنمنٹ سے درخواست کریں کہ اُن کو اپنے محدود حلقوں میں اسپارٹا والوں کا طریقہ اور لی قورغوس کے فوجی قوانین جاری کرنے کی اجازت مرحمت کی جائے۔ ممکن ہے کہ گورنمنٹ جدت طرازی کے خیال سے یا ایک پُرانے طریقے کی تجدید کے لحاظ سے انھیں اس کی اجازت دے دے۔ اجازت کے ساتھ ہی اُن سے معاہدہ لے لیا جائے کہ کبھی بغاوت نہ کریں گے اور اپنی جنگ آزمائی کے کمالات سے ضرورت کے اوقات میں ہمیشہ سرکار کی خدمت بجا

لایا کریں گے۔ اور اگر ایسا ہوا تو ایک طرف اِن بہادر نوجوانوں کو اپنے مذاق کے مطابق ہر وقت لڑنے بھڑنے، مشق و زور آزمائی کرنے اور یونان کے سپاہی اس جدید عہد میں سرکار کے لئے پیدا کرنے کا موقع ملے گا اور دوسری طرف سرکار کو بھی ایک اچھی جانباز فوج ملکی حفاظت کے لئے ضرورت کے وقت مل جایا کرے گی۔ بہر تقدیر ہمارے خان عاجیوں کے لئے بجائے قانون کی خلاف ورزی اور لغو بے نتیجہ مار پیٹ کا یہ طریقہ نہایت ہی مناسب و مفید ہوگا۔ کم از کم وہ درخواست تو دے دیں۔ دیکھیں سرکار برطانیہ جو قدیم یادگاروں کے باقی رکھنے اور زندہ رکھنے کی بڑی مربی ہے۔ ایسی کسی درخواست کا کیا جواب دیتی ہے۔

فصل پنجم

اثینیہ (۱۶۷۵ سنہ قبل محمدؐ سے ۱۰۸۱ سنہ قبل محمدؐ تک)

اثینیہ جسے انگریزی میں اَیتھنز کہتے ہیں اور جس کا کچھ ذکر چوتھی فصل کے شروع میں آچکا ہے ساحل پر سے تھوڑے فاصلے پر کوہ ایک روپولیس کے دامن میں واقع ہے اس پہاڑی کے اوپر ایک گڑھی بنی تھی۔ اور ایک مندر تھا۔ جس کے صحن میں زیتون کا ایک مُتبرک درخت لگا ہوا تھا اور لوگوں کو عقیدت تھی کہ یہ درخت اس شہر کی محافظ دیوی اثینین کے حکم سے اُگا ہے۔ اسی پہاڑی کے ایک دوسرے قُلّہ پر ایک دوسری دیوی کا مندر تھا جو پارتھنون یعنی کنواری دیوی کا مندر کہلاتا۔ اس مندر کی عمارت میں سنگِ مرمر کے ستونوں کی ایک خوبصورت قطار آج تک موجود ہے۔

شہر کے دوسرے جانب آریُوپاغوس یعنی آرس دیوی کی پہاڑی ہے، جو یہاں کا دار القضا تھی۔ اثینیہ کی قلعہ بندی خوب مضبوطی سے کی گئی تھی۔ اور سارا شہر خوبصورت عمارتوں سے بھرا ہوا تھا جن کے آس پاس جھاڑیاں، فوارے، دہلیزیں

دقیقہ رس فلسفیوں اور نازک خیال شاعروں کی نشست گاہیں بنی ہوئی تھیں۔ اس کی بندرگاہ پی رے اوس کے نام سے مشہور تھی۔ اور اس کی خوب قلعہ بندی کی گئی تھی اور یہاں جہازوں کی اس قدر تعداد کثیر ہر وقت موجود رہا کرتی کہ اتنے جہاز کسی دوسری یونانی ریاست کے قبضہ میں نہ تھے۔

اتھینہ ایونی آن یعنی خاص یونانیوں کا شہر تھا۔ اور قدیم الایام میں یہی بادشاہوں کی حکومت رہا کرتی تھی جن میں سے تھے سی یوس نام ایک بادشاہ کو زیادہ ناموری حاصل ہوئی۔ اسے ہیرو کا درجہ مل گیا اور دیوتاؤں میں جا ملا۔ یہاں کے شاہی خاندان کا خاتمہ کوڈ اوس نام ایک فرماں روا پر ہوا۔ اس کی نسبت اپولو کی نال میں پجارن کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ "ملک کی بھلائی کے لئے بادشاہ کی ہلاکت ضروری ہے"۔ اس حکم کی بجا آوری کے لئے وہ فوراً کمال شریف النفسی سے مستعد ہوگیا اور خود ہی اپنی جان دے دی۔

سنہ ۱۱۹۰ قبل محمد تک یہاں کی سلطنت کے کچھ بھی حالات معلوم نہیں ہیں۔ مگر سنہ مذکور میں دراقو نام یہاں کے ایک حکیم نے ملک کے لئے ایک قانون مدوّن کیا جو اس قدر سخت تھا کہ اس پر عمل درآمد غیر ممکن تھا۔ کیونکہ ادنیٰ سے ادنیٰ قصوروار اور خفیف سے خفیف جرم کی سزا قتل رکھی گئی تھی۔ سنہ ۱۱۶۳ قبل محمد میں سولن نے جو یونان کے سات عقلا میں شمار کیا جاتا تھا ایک دوسرا قانون مرتب کیا اور اس کی نسبت خود ہی یہ کہا کہ "جیسے قوانین میں مرتب کر سکتا ہوں اُن کے لحاظ سے تو میں اسے بہترین قانون نہ کہوں گا۔ ہاں اس لحاظ سے البتہ اس کو تمام قوانین پر فوقیت حاصل ہے کہ اتھینہ والے اس کے متحمل ہو سکیں گے"۔ اس قانون کی رو سے حکمرانی کی باگ نو چیف مجسٹریٹوں (قاضیوں) کے ہاتھ میں دی گئی تھی جو آرچون کے لقب سے یاد کئے جاتے۔ یہ نوؤں قاضی قرعہ اندازی کے ذریعہ سے آزاد اہل شہر میں سے منتخب کر لئے جاتے لیکن کسی کو

معرضِ انتخاب میں آنے کا موقع اُس وقت تک نہ مل سکتا جب تک شہر والوں کی غالب جماعت اُس کی نسبت اچھے خیالات نہ رکھتی یا اُس پر اپنی رضامندی نہ ظاہر کر دے۔ اس قسم کی سلطنت جس کو خود اہلِ ملک چلاتے اُن لوگوں میں ڈیماکریسی کہلاتی تھی۔ لیکن آزاد اہلِ شہر میں شہر کی ساری رعایا نہیں شامل تھی۔ اثینیہ میں بہت سے ایسے لوگ بھی رہتے تھے جو باہر کی پیدائش تھے یا اپنے آپ کو وہاں کے کسی معزز خاندان کا رکن نہ ثابت کر سکے۔ ایسے لوگوں کی رائے کو معاملات ریاست و سلطنت میں کسی قسم کا دخل نہ تھا۔ اثینیہ میں بہت سے غلام بھی تھے جو اسپارٹا کے غلاموں سے لوٹ کے دیکھتے اچھی حالت میں تھے کیونکہ اُن پر اتنا رحم کیا گیا تھا کہ یہاں کے قانون نے اُن کی جانیں بچا دی تھیں۔ اہلِ شہر کی تعلیم و تربیت کے لئے یہاں کوئی ایسے غیر معمولی قانون نہیں جاری تھے جیسے کہ اسپارٹا میں تھے۔ مگر باوجود اس کے اہلِ اثینیہ بہادری اور معرکہ آرائی کے اعتبار سے لاسِتی ڈیمونیا یعنی اسپارٹا والوں سے کسی بات میں کم نہ تھے اور شجاعت کے علاوہ تمام دوسرے کمالات میں تو بدرجہا زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ سولن کے قانون دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے اجرا میں سب سے بڑی یہ غرض پیشِ نظر رکھی گئی تھی کہ کوئی شخص بذاتِ واحد حد سے زیادہ قوت نہ پکڑنے پائے اور اسی بنیاد پر قانون نے اہلِ شہر کو یہ حق دیا تھا کہ جس شخص کو ریاست کے حق میں مضر یا خطرناک تصور کریں گو اس کے ذمہ کوئی جرم عائد نہ کیا جا سکتا ہو اُسے اپنے شہر سے نکال کے جلاوطن کر دیں۔ عام مجمعوں کے مقامات پر ایک ظرف رکھا رہتا تھا۔ ہر شہر والا اس شخص کا نام جسے جلاوطن کرانا منظور ہوتا کسی سیپی یا اینٹ کے ٹکڑے پر لکھ کے اُس ظرف میں ڈال دیتا۔ یہ ٹکڑے اگر چھ ہزار کی تعداد کو پہونچ جاتے تو اس شخص کو جلاوطن کیا جانا لازمی تھا۔ اور چاہے وہ کتنا ہی بڑا شخص ہو۔ چند معین برسوں کے لئے واجب تھا کہ علاقہ آٹکا کو چھوڑ دے

مگر ایسا سخت قانون اور اس قسم کی پیش بندیاں بھی اس جمہوری سلطنت کو اس کے

قیام کے تھوڑے ہی زمانہ بعد ایک عظیم الشان خطرے سے نہ بچا سکیں۔ پی سسٹس
ترانوس نام ایک قابل شخص نے جو لوگوں میں نہایت ہر دل عزیز تھا اپنے آپ کو خود ہی
زخمی کر لیا اور لوگوں سے بیان کیا کہ میرے دشمنوں نے میرے مار ڈالنے کا ارادہ کیا تھا۔
مگر میں زخمی ہو کے اُن کے ہاتھ سے بچ گیا۔ اور چونکہ وہ لوگ میری جان کے درپے ہیں
لہذا آیندہ کے لئے مجھے اس کی اجازت دی جائے کہ اپنی حفاظت کی غرض سے سپاہیوں
کا ایک گارد رکھ لوں۔ لوگوں نے نفرے میں آ کے اجازت دے دی۔ اور وہ چند روز
میں ایک بڑا زبردست شخص اور سب سے بڑا رئیس بن کے اثینیہ پر حکومت کرنے لگا۔ ایک
بار وہ جلاوطن بھی کیا گیا۔ مگر جلاوطنی کی مدت گزرنے کے بعد ایک شاندار رتھ میں سوار ہو کے
اثینیہ میں داخل ہوا۔ اور اس شان سے کہ اسی رتھ پر اس کے پہلو میں ایک کشیدہ قامت
حسین و نازنین عورت جلوہ افروز تھی جو اثینیہ کی دیوی اثینی کے روپ میں تھی۔ اسی دیوی
نے آبادی میں داخل ہوتے ہی اہلِ شہر کو جو اس کے سامنے تعظیم کے لئے جھک رہے
تھے حکم دیا کہ "اس شخص کی فرماں برداری کرو۔ کیونکہ یہ میرا پسندیدہ خادم ہے اور اسی کی
رضامندی میں میری رضامندی ہے۔"

اثینیہ والوں میں سے جو لوگ جاہل تھے اس فریب میں آ گئے اور بڑی مسرت اور
دھوم دھام سے اس کا استقبال کیا مگر باوجود اس کے یہ شخص پھر جلاوطن کیا گیا۔ لیکن ابکی
جو واپس آیا تو اثینیہ کا ایک خودسر بادشاہ بن کے اس نے ایسے قدم جما دیے کہ اس پر کسی
کا زور نہ چل سکتا تھا۔ یہ ظالم نہ تھا۔ بلکہ ایک رحم دل فرماں روا تھا۔ اور اسے یہ شہرت ناموری
حاصل ہے کہ وہ خوبصورت باغ جو بی تے اَم دلیسم کہلاتا تھا۔ اسی کا بنوایا ہوا تھا۔ وہاں
فلسفی لوگ بیٹھ کے تعلیم دیتے تھے اور نوجوان جمع ہو کے ہر قسم کی جسمانی و روحانی ورزشیں
اور ریاضتیں کیا کرتے تھے اور یہی شخص ہے جس نے پہلے پہل ہومر کی نظموں کو جمع کر کے
مرتب کرایا۔

۵۲۸ سنہ قبل محمدؐ میں جب وہ مرا ہے تو اس کے دو بیٹے ہپ پی اور ہپ پارچوس
اس کے جانشین ہوئے جنھوں نے سختی کے ساتھ حکومت کی۔ اور لوگوں میں ان کی اطاعت
کے متعلق بددلی اور ناراضی پیدا ہوئی۔ چنانچہ اثینیہ کے دو نوجوان بھائیوں نے جن میں سے
ایک کا نام ہارمودیوس۔ اور دوسرے کا آرس توغی تون تھا چونکہ اُن کے خاندان کی ان دونوں
حکمرانوں کے ہاتھوں سے بے عزتی ہوئی تھی ارادہ کیا کہ ایک دعوت کے موقع پر ان دونوں
کو مار ڈالیں مگر صرف ہپ پارچوس کے قتل میں انھیں کامیابی ہوئی اور دوسرا بھائی بچ گیا
جس کے بچ رہنے کے باعث ان دونوں بھائیوں کو قتل کی سزا ہوئی۔ اور اکیلا ہپ
پی آس حکومت کرنے لگا۔ مگر بھائی کے قتل نے اُسے ایک ایک سے بدگمان اور ظالم
بنا دیا تھا۔ اس کی جفاکیشی روز بروز بڑھتی ہی گئی۔ یہاں تک کہ اہل اثینیہ نے اسے دھمکی
دی کہ اگر تم ان بے اعتدالیوں سے باز نہ آؤ گے تو ہم تم کو مار ڈالیں گے۔ اور اس سے
سوا اس کے کوئی بات نہ بن پڑی کہ ایک دن سب سے چھپ کے بھاگ کھڑا ہوا۔ اور
چند سال کی صحرا نوردی کے بعد دارِیوس یعنی دارے ایران کے دربار میں پہونچ کے اسے
پناہ لی۔ ہپ پی آس ۵۱۰ سنہ قبل محمدؐ میں اثینیہ سے بھاگا تھا۔ جس کے جاتے ہی پھر وہاں
جمہوری سلطنت قائم ہو گئی اور مقتول بھائیوں ہارمودیوس۔ اور آرس توغی تون کی مورتیں
بنا کے شہر میں نصب کی گئیں۔ اس لئے کہ وہی اپنے ملک کو بچانے اور اسے غلامی کے
عذاب سے چھڑانے والے تسلیم کئے گئے۔

فصل ششم

یونان کی اور ریاستیں اور نو آبادیاں (۷۸۲ سنہ قبل محمدؐ سے ۱۶۷ سنہ قبل محمدؐ تک)

یونان کا جنوبی جزیرہ نما پےلوپون نےسوس یعنی پےلوپون کا جزیرہ کہلاتا تھا۔ قدیم شاہان
ممی تےسینہ میں سے ایک کا نام پےلوپ تھا اور اُسی کی جانب یہ لوگ منسوب تھے۔ اسی

جزیرہ نما میں ایک تو لاقون یا کی ریاست تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی سی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔

خاکنائے کورنتھ اور اٹی کا کے شمال میں بیوت یا بابؔ یوشیا کی سرزمین تھی جہاں کئی شہر باہم متحد تھے۔ اور اپنے حکمران کی حیثیت سے ایک مجسٹریٹ منتخب کر لیا کرتے تھے۔ جو بیوٹارچ کے لقب سے یاد کیا جاتا۔ ان شہروں میں سب سے زیادہ اہم تھیبس تھا۔ اہل تھیبس کو دعویٰ تھا کہ ہمارے شہر کا بانی قدموس نام ایک شخص تھا جو منجملہ اُن لوگوں کے تھا جو پہلے پہل آ کے ارض یونان میں آباد ہوئے تھے۔ اُس کی تاریخ یونان کی کہانیوں میں سے لغوترین کہانی ہے۔ چنانچہ اس کی نسبت کہا جاتا تھا کہ اپنی بہن آرِدپا کی تلاش میں یونان چلا آیا۔ اس لئے کہ جیوپٹر ایک بیل کے روپ میں جا کے اسے اقریطش (کریٹ) سے بھگا لایا تھا۔ جس جگہ تھیبس آباد ہے یہاں پہونچ کے ایک اژدہے سے اسکا سامنا ہو گیا۔ جیوپٹر نے اس اژدہے کو مار ڈالا۔ اور اُس کے دانت زمین میں بو دیے، کیونکہ اسے دانتوں کے بونے میں مہارت حاصل تھی۔ وہ اژدہے کے دانت اُگے۔ اور بڑھ کے مسلح سپاہی بن گئے۔ اور آپس میں اس قدر لڑے کہ آخر سب کٹ کے مر گئے۔ اُن میں سے صرف پانچ سپاہی بچ رہے تھے۔ اُنھیں پانچوں نے شہر تھیبس کی بُنیاد ڈالنے میں قدموس کی مدد کی۔ اور یقین کیا جاتا تھا کہ معزز باشندگان تھیبس کی مورثِ اعلیٰ وہی تھے۔ قدموس ڈیونی سوس کا دادا تھا۔ اور اسی قدموس کی نسبت لوگوں کو یقین تھا کہ آدمی کا روپ چھوڑ کے سانپ بن گیا تھا۔

تھیبس کے آخری فرماں روا اے ڈی پوس نے نادانستگی سے اپنے باپ کو مار ڈالا اور اس جرم میں جلا وطن کیا گیا۔ اُس کے بڑھاپے اور اندھے پن کے زمانے میں اُس کی وفادار بیٹی اَن تی غونہ نے تو اس کی بڑی خدمت کی۔ مگر اس کے بیٹے ایک دوسرے سے لڑ مرے۔ چنانچہ اس ناشاد گھرانے کے جرائم اور اُن کے نتیجہ میں اُس کی

بدبختیاں اگاممنون کی تباہی کے واقعات میں دوسرے درجہ پر شعرائے یونان کی طبع آزمائی کے لئے ایک دلچسپ افسانہ تھیں۔ تاریخ کے زمانے میں جیساکہ بیان کیا جاچکا یہاں کی حکومت انتخابی یا جمہوری تھی۔ بے اوشیا والوں کو دوسرے علاقوں کے یونانی بلید اور کند ذہن خیال کرکے اُن کی تحقیر کرتے تھے۔ اگرچہ پنڈار جو یونان کے اعلیٰ ترین شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسی قوم کا تھا۔

یونان کے سب سے زیادہ شمالی ریاست تھس سالی (تھسلی) تھی۔ اور ایپی روس (یعنی (ایپارس) مقدونیہ اور آے ٹولی آجو علاقے کہ اس کی سرحد سے باہر تھے۔ وحشی علاقہ تصوّر کیے جاتے تھے۔ مگر اس تعصب کے ساتھ ہی عام یونانیوں کا یہ حال تھا کہ اپنے ملک کی تنگ سرزمین میں بند نہ رہتے تھے۔ اُن کی معزز قوموں کی بہت سی نوآبادیاں اُن کے قرب وجوار کے جزائر اور نیز ایشیا میں قائم ہوگئی تھیں۔ آیولیا والوں نے ایشیائے کوچک کے شمال و مغربی حصہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ آیونیا والے دریا ہے ہرمس اور مے آن ڈر کے درمیان میں جاکر بس گئے تھے۔ جہاں کا صدر مقام شہر اِف موس تھا۔ اس شہر کا عالیشان مندر جس میں آر تے میس یعنی ڈیانا دیوی کی مورت تھی۔ دور دور مشہور تھا۔ یہ ایک کالی مورت تھی۔ اور اس کی نسبت لوگوں کو دعویٰ تھا کہ آسمان سے گری ہے۔ بحر ایجی اَن میں بھی اُن کے بہت سے جزیرے تھے۔ اور یونان کے مغربی جانب بھی چند جزیرے تھے جو اب تک جزائر یونان کہلاتے ہیں۔ ایشیائے کوچک کے جنوب میں دو ڈیا والوں کے بھی کئی شہر تھے۔ لیکن اُن کی خاص نوآبادیاں جزیرۂ صقلیہ میں تھیں جس کا سب سے بڑا شہر سراقوس تھا۔ اور اس کے گرد اور کئی شہر تھے۔ ایطالیا (اٹلی) میں اس کثرت سے یونانی جاکے بس گئے اور رہ پڑے تھے۔ اس کا جنوبی حصہ مدّت دراز تک میگ ناگرے قیا۔ یعنی بڑا یونان کہلاتا رہا۔ اور یہیں شہر سی باریس تھا جس کی کاہلی اور عشرت پسندی ضرب المثل ہو رہی تھی۔ حتیٰ کہ کہا جاتا تھا کہ وہاں کے باشندوں نے اپنے مرغوں کو اس

لیے پکڑ پکڑ کے ذبح کر ڈالا کہ یہ ہمیں سونے نہیں دیتے اور صبح سویرے جگا دیتے ہیں۔

یہ تمام نو آبادیاں یونان کی اصلی ریاست سے تعلقات قائم رکھتی تھیں۔ اور یونان کی عظمت و فلاح کو خود اپنی عظمت و فلاح تصور کرتیں۔ ہومر شاعر یا تو ایشیا میں پیدا ہوا تھا یا جزائر یونان میں سے کسی میں۔ لیکن سات مقامات سے کم نہ تھے جو اس دعوے کے ساتھ لڑ جھگڑ رہے تھے کہ اُس کا وطن ہونے کی عزت ہی ہم کو حاصل ہے۔

لی ڈیا کی فتح کے بعد کیخسرو نے یونان کی بہت سی نو آبادیاں اپنے قبضے میں کر لیں اور دارائے عجم گشتاسپ نے اس کے بعد اور فتحیں حاصل کیں۔ یہاں تک کہ پورا جزیرہ تھا اُس کے زیر فرمان اور اُس کے ممالک محروسہ میں شامل ہو گیا تھا۔ اب اس نے چند جزیروں پر بھی قبضہ کیا۔ اور اس کی تدبیریں کرنے لگا کہ خود یونان کو بھی فتح کر لے۔ ان کوششوں پر اسے سب سے زیادہ ہپ پی آس نے اُبھارا۔ یعنی اثینیہ کے اسی ظالم و دغاباز فرماں روائے جس نے یہاں سے بھاگ کے دربار ایران میں پناہ لی تھی۔ اور جس کی سب سے بڑی تمنا یہی تھی کہ اثینیہ والوں سے انتقام لے۔ اور ان کی تباہی سے اپنے غصّہ کی آگ فرو کرے۔ ایران کی ملکہ آتوس سا کو اثینیہ اور اسپارٹا کی کنیزوں کا بے حد شوق تھا۔ اور خود دارے گشتاسپ ایک کشیدہ قامت حسین و مہ جبین یونانی دوشیزہ کی صورت دیکھ کے مبہوت رہ گیا تھا جو اس وضع و حالت سے جا رہی تھی کہ سر پر پانی کا گھڑا تھا۔ سوت بٹتی جاتی تھی اور ساتھ ہی ساتھ ایک گھوڑے کو بھی لیئے جاتی تھی جس کی لگام اس کی نازک کلائی میں اٹکی ہوئی تھی۔ اس حسینہ کو دیکھ کے گشتاسپ اس قدر محو حیرت ہوا کہ یونان کے حسن و جمال کا دلدادہ ہو گیا۔ اور یہ چیز اس کے لئے فتح یونان کی اور محرک ہوئی۔ پھر جب اُسے یہ خبر پہونچی کہ ۵۰۰ قبل مسیح میں اثینیہ کے یونانیوں کے برتے پر ایشیائے کوچک کے یونانی اُس کے سرداروں کے خلاف بغاوت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور شہر سارڈیس میں آگ لگا دی تو وہ اس

مہم کے لئے بلا تامل اٹھ ہی کھڑا ہوا۔

پانچواں باب

یونان پر ایرانیوں کی چڑھائی (سنہ ۱۰۵۹ قبل محمدؐ سے سنہ ۱۰۳۶ قبل محمدؐ تک)

فصل اوّل

معرکۂ مارا تھون (سنہ ۱۰۶۱ قبل محمدؐ)

سنہ ۱۰۶۱ قبل محمدؐ میں دارائے ایران نے یونان پر چڑھائی کرنے کی پوری تیاریاں کر لیں اور اپنے والیوں داتیس اور آرتافرنیس (دارد فرمان) کے زیر علم ایک معتد بہ لشکر اور جہازوں کا ایک بیڑا روانہ کر دیا۔ چونکہ ان لوگوں کو خاص اثینیہ پر حملہ کرنے کا حکم تھا۔ لہذا یہ بیڑا آئے ٹی کار کی طرف روانہ ہوا اور ہپ پی آس کی رہبری سے جا کے خلیج مراتھون میں لنگر انداز ہوا۔ جہاں اثینہ کے اور ان کے درمیان صرف پہاڑیوں کا ایک سلسلہ حائل تھا۔

اس یورش کی خبر سنتے ہی اثینیہ والوں نے گرد کی تمام ریاستوں میں آدمی دوڑا کے کمک طلب کی۔ مگر اسپارٹا والے وقت پر نہ پہونچ سکے اور جو لوگ اُن کی مدد کو آسکے وہ ریاست پلاٹیا کا ایک چھوٹا گروہ تھا۔ اثینیہ والے ایرانی غنیم سے تعداد میں بہت کم تھے لیکن اُنھوں نے اس کی پروانہ کی۔ لڑائی کے لئے بہادری سے تیار ہو گئے اور اپنے تمام سپاہیوں کو نبرد آزمائی کے لئے جمع کیا۔ وہاں کے مروجہ قانون کے مطابق فوج دس سپہ سالاروں کے ماتحت تھی۔ اور دسوں کے اقتدارات یکساں تھے جس کی بنا پر ہر سپہ سالار کو باری باری ایک دن فوج کی سپہ سالاری کا حق حاصل تھا لیکن ان دسوں میں سے ایک کو جس کا نام آرسٹی دےس دار سٹائی ڈینر، تھا یہ خیال گذرا کہ اس طرح مقابلہ کیا

گیا تو کامیابی دشوار ہے۔ اس لیے اس نے اپنی باری مِل تی آدے س (مِل شیا دیز) کو دے دی۔ اور اپنی ایک نظیر قائم کر کے دوسرے سپہ سالاروں کو بھی آمادہ کیا کہ اپنی باری چھوڑ دیں۔ اس طرح مِل تی آدے س لڑائی ختم ہونے تک کے لئے لشکر یونان کا سپہ سالار بنا جو ان دنوں اُن میں قابل ترین شخص تھا۔

مِل تیادیس اپنی چھوٹی فوج لے کے مقابلہ کو روانہ ہوا۔ اور پہاڑیوں کے اُس پار آیا جہاں ایرانیوں کے لشکر کا عظیم الشان سمندر لہریں مار رہا تھا۔ یہاں یہ یونانی ایرانیوں کے سامنے صف آرا ہوئے۔ ایرانی لشکر کی صفیں میدان مراتھوں میں اس سرے سے اُس سرے تک پھیلی ہوئی تھیں۔ دونوں حریفوں کا سامنا ہوتے ہی لڑائی چھڑ گئی اور تھوڑی ہی دیر میں میدان جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ کیونکہ یونانی اس قدر جوش میں بھرے ہوئے تھے کہ بغیر اس کے کہ اپنے تیروں یا نیزوں کو جنھیں اکثر پھینک کر مارا کرتے تھے۔ کام میں لائیں۔ یکایک ایرانیوں پر ٹوٹ پڑے اور دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ قلب فوج میں یونانیوں کو شکست ہو گئی لیکن اُن کے جناحین یعنی دونوں بازوؤں کے لشکر نے لڑ بھڑ کے فتح حاصل کر لی۔ یہ دونوں جناح اپنے سامنے والے ایرانیوں کو پسپا کر کے جب قلب فوج کی طرف جھکے تو وہاں بھی ایرانیوں کے قدم اُکھڑ گئے اور اُنھیں پوری شکست ہو گئی۔ اب ایرانی نہایت ہی بے ترتیبی و بدحواسی سے بھاگے۔ اور اُن کا ہر شخص اسی کوشش میں تھا کہ کس طرح بھاگ کے جہازوں پر پہونچ جاتے۔ لیکن تعاقب کرنے والے پیچھے ہی لگے ہوئے اور اس قدر قریب تھے کہ ایران کے سات جہازوں پر یونانیوں نے قبضہ کر لیا جو ایرانی فوج کنارے پر رہ گئی تھی کثرت سے ماری گئی۔ بیڑے کا باقی ماندہ حصہ اپنی جان لے کے بھاگا۔ اور خلیج میں چکر کھا کے اثینیہ کے قریب نمودار ہوا۔ تاکہ فتح یاب یونانیوں کے پہونچنے سے پہلے ہی اثینیہ پر قبضہ کر لے۔ لیکن مِل تیادیس شاید اُن کے ارادہ سے واقف ہو گیا تھا کہ جھٹ پٹ کوچ کر کے اثینیہ میں آ گیا۔ اور جس عجلت سے ایرانی آئے

تھے ویسی ہی پھرتی دکھا کے وہ بھی آ پہونچا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانیوں کے بنائے کچھ نہ بنی۔ انھیں یورش کی جرأت ہی نہ ہوئی اور ناکام و نامراد گھروں کو واپس چلے کہ اپنی شکست کی داستان جا کے اہلِ وطن کو سنائیں۔

اثینیہ میں اس فتح پر بڑی خوشیاں منائی گئیں اور مل تیادیس کی بھی بڑی عزت کی گئی۔ مگر وہ اگرچہ ایک بے مثل سپہ سالار تھا مگر اچھے اخلاق کا آدمی نہ تھا۔ تھوڑے ہی زمانہ میں اس پر دغل فصل اور دو فصلی کارروائیوں کی بدگمانی کی جانے لگی۔ اس پر یہ بدگمانیاں ہو ہی رہی تھیں کہ وہ لشکر لے کر جزیرۂ پاروس کے فتح کرنے کو روانہ ہوا۔ وہاں لڑائی میں زخمی ہوا اور اثینیہ میں مجبوراً واپس آیا۔ لیکن یہاں آتے ہی اُس پر یہ الزام لگا کے کہ اس لشکر کشی میں وہ صاف باطن اور نیک نیت نہ تھا۔ ایک مقدمہ قائم کر دیا گیا۔ اور جرم کے ثابت ہو جانے کے بعد عدالت نے اُسے قتل کی سزا دی۔ باوجود اس کے محض اُس کے کارناموں اور قومی خدمات کا لحاظ کر کے یہ سزا پچاس ٹیلنٹ کے جرمانہ سے بدل دی گئی۔ مگر وہ اس رقم کو ادا نہ کر سکا جس کے باعث قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اور وہیں تھوڑے دنوں بعد اُن زخموں کی وجہ سے جو اسے میدانِ جنگ سے واپس لائے تھے مر گیا۔

اِن دنوں اہلِ اثینیہ پر اپنے شہر کے دو معزز لوگوں کا اثر تھا جن پر انھیں بھروسہ تھا ایک تو ارس تے دیس (اسٹانڈ ییز) اور دوسرا تھے مس توق لے مس (تھمسا کلیز) ارس تی دیس عادل کے لقب سے مشہور تھا۔ اس لئے کہ راست بازی اور بے غرضی کے میدان میں اُس کے قدم کو کبھی لغزش نہیں ہوئی تھی۔ اُسے فقط اپنے ملک کی فلاح و بہبود اور اس کی سچی عزت کی آرزو تھی اور بس۔ ذاتی دولتمندی و ترقی کا اُسے بہت ہی کم خیال آتا اس کے مقابل تھے مس توقلیس زیادہ سیانا اور چالاک تھا۔ اسے اثینیہ سے بڑی محبت تھی۔ مگر اُس کی خدمت محض اپنی عظمت اور اپنے اقتدارات کے خیال سے کرتا

لوگوں میں ہر دل عزیز بننے کے لئے راست بازی اور شریف النفسی کا جوہر دکھانے کی عوض وہ اُن کے پاس تحفہ اور ہدیہ بھیجتا اور ان کی خوشامدیں کرتا۔ ایک زمانہ تک وہ ایسی ہی تدبیروں سے لوگوں کے موافق بنانے کی کوششیں کرتا رہا۔ مگر جب دیکھا کہ آرس تی دیس بے کچھ صرف کیے اور بغیر خوشامدوں اور سازشوں کے ہر دل عزیز بنا ہوا ہے اور میرے اغراض و مقاصد میں مزاحم تو اس عادل شخص کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا اور اس کے خلاف ایک زبردستی پارٹی قائم کر کے اُسے جماعت سے باہر اور شہر سے جلا وطن کر دیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن یونان کا ایک شریف آدمی جسے معاملات سلطنت میں رائے دینے کا حق حاصل تھا اور کسی دیہات سے آ رہا تھا۔ راستہ میں آرس تی دیس کو ملا آرس تی دیس کو وہ پہچانتا نہ تھا اور چونکہ پڑھا لکھا نہ تھا۔ اس لئے اس سے التجا کر کے کہا۔ اس سیپی کے ٹکڑے پر مجھے اُس شخص کا نام تو لکھ دو جسے میں خارج البلد کرانا چاہتا ہوں اور جب آرس تی دیس نے سیپی ہاتھ میں لے کے نام پوچھا تو آرس تی دیس ہی کا نام یعنی اُسی کا نام بتایا۔ آرس تی دیس نے بے تکلف نام لکھ دیا اور وہ سیپی اُس کے حوالے کر کے پوچھا۔ آرس تی دیس کے لوگ کیوں جلا وطن کرتے ہیں؟ اُس نے کہا" میں اس بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن مجھ سے سچ پوچھو تو یہ کہوں گا کہ اُسے عادل سُنتے سُنتے اس قدر اُکتا یا اور تنگ آ گیا ہوں کہ چاہتا ہوں کہ اُس سے کسی طرح پیچھا چھوٹ جائے۔"

الغرض کثرت آرا کی بنا پر جو غالباً کسی صحیح اُصول پر نہ ہو گی۔ آرس تی دیس اثینیہ سے جلا وطن کیا گیا۔ اور اس کے خارج البلد ہوتے ہی تھے مس توقیس سلطنت میں سب سے بڑا صاحب اثر شخص ہو گیا۔

اکیس شی لوس جو سب سے بڑا مصنف ٹریجڈیوں یعنی حسرتناک ناٹکوں کا گزرا ہے انھیں دنوں اثینیہ میں رہتا تھا۔ شراب کے دیوتا ڈیونی سوس یعنی بیچوس کی جاترا

میں معمول تھا کہ اس دیوتا کی عزت یادگار میں ہمیشہ ناچ گانا ہوا کرتا اور لوگ۔ دیوتاؤں یا معزز و نامور یا ہیروؤں کے بہروپ میں آ کے تقریریں کیا کرتے۔ ان تقریروں نے چند روز کے اندر مکالمہ کی صورت اختیار کر لی اور اسی عنوان سے ٹریجڈیوں کا کھیل جو یونان کی قدیم کہانیوں پر مبنی تھا شروع ہوا۔ اکیس شی لوس کی بعض ٹریجڈیاں جو دستِ بُردِ زمانہ سے بچ کے آج تک محفوظ رہ گئی ہیں اور ہمارے ہاتھ میں ہیں، نہایت اعلیٰ درجہ کی ہیں اور دُنیا کی اعلیٰ ترین شاعری کا نمونہ ہیں اور اس عہد قدیم کے سارے مستند لٹریچر کی بہ نسبت اُن سے اس بات کا زیادہ پتہ لگتا ہے کہ ان پُرانے یونانیوں کو اس قادرِ مطلق کی کس قدر تلاش تھی جس کا اُنھیں پتہ نہیں لگا تھا۔

فصلِ دوم

معرکۂ تھرموپلی (سنہ ۱۰۵۶ قبل محمدؐ سے سنہ ۱۰۵۱ قبل محمدؐ تک)

میدان مراتھون میں یونانیوں کو فتح حاصل ہو جانے سے صرف اتنا ہوا کہ ایرانیوں میں زیادہ کدوکاوش اور انتقام کی پُرجوش خواہش پیدا ہو گئی۔ اور دارِ یوس نے یونان پر دوبارہ چڑھائی کرنے کے واسطے بڑی بڑی تیاریاں کیں لیکن اس مُہم کے پورے ہونے کی نوبت نہیں آنے پائی تھی کہ سنہ ۱۰۵۶ قبل محمدؐ میں وہ دُنیا سے رُخصت ہو گیا۔ یقین کیا جاتا ہے کہ مجموعۂ عہدِ قدیم (توراۃ) کی کتاب "عزرا نبی" میں جس بادشاہ کا ذکر آیا ہے اس سے یہی بادشاہ دارِیوس مُراد تھا۔ اس نے سماریہ والوں کو اس بات سے روکا کہ ہیکل سلیمانی کے از سرِ نو تعمیر کرنے میں بنی اسرائیل کے مزاحم ہوں۔ اور انھیں ستائیں۔

اس کا جانشین اور مالک تاج و دیہیم کیخسرو ہوا جسے یونانی لوگ زرک سیز کہتے ہیں۔ حضرت دانیال پیغمبر نے پہلے سے خبر دے دی تھی کہ "چوتھا بادشاہ سائرس کے بعد سب سے زیادہ باعظمت و جلال ہوگا۔ اور اپنی قوت سے وہ سب لوگوں کو اپنی

دولت حشمت کی بدولت یونان کے خلاف اُٹھا کے کھڑا کر دے گا۔" لہذا دیکھنا چاہیئے کہ یہ پیشین گوئی کیوں کر پوری ہوئی :

کیخسرو نے بڑے جوش و خروش سے لڑائی کی تیاریاں کیں۔ جہازوں نے ساحل ہی ساحل جو سفر کیا اس لئے کہ اس وقت کے جہازرانوں کو اس کی ہرگز جرأت نہ ہو سکتی تھی کہ بہ خطِ مستقیم روانہ ہو کے بحر ایجین کے پار ہو جائیں۔ اس میں اکثر طوفان سے سابقہ رہا اور جہاز خطرے میں مبتلا رہے جس وقت یہ بیڑا کوہ آتھوس کی سنگستانی راس کا چکر کاٹ رہا تھا۔ کیخسرو نے حکم دیا کہ زمین اور پہاڑوں کو کاٹ کے ایک اتنی وسیع نہر نکالی جائے کہ اس میں سے ہو کے اس کے جہاز گزر جائیں۔ کہتے ہیں کہ اُس نے پہاڑ کے دیوتا کے پاس اپنا ایک ایلچی بھیجا اور اسے حکم دیا کہ میرے کاریگروں اور نہر کھودنے والوں کے راستہ میں چٹانیں اور پہاڑ نہ آئیں ورنہ تمھارا یہ پہاڑ کاٹ کے گرایا اور سمندر میں پھینک دیا جائے گا۔ کیخسرو نے ایک پُل ہلسپانٹ یعنی آبنائے ڈارڈینلیز پر بھی تعمیر کرایا جو ایک میل لمبا تھا۔ یہ پُل جہازوں کو دوہری قطاروں میں باندھ کے اور لنگروں کے ذریعہ سے انھیں اپنی جگہ پر روک کے بنایا گیا تھا۔ اس طرح جہازوں کی دو صفیں قائم کر کے اُن پر دو سڑکیں نکالی گئیں۔ اتفاقاً اسی زمانہ میں ایک طوفان آیا اور سمندر کے تلاطم سے اُن جہازوں کی ترتیب میں فرق پڑا تو کیخسرو نے غصہ میں آ کے موجوں کو پٹوایا۔ اور ایک زنجیر سمندر میں ڈال کے خیال کیا کہ موجوں کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں اور بڑے بڑے کاریگر اس جرم میں کہ سمندر نے اُن کے کام کو کیوں بگاڑ دیا، یا تو کوڑوں سے پٹوائے گئے یا جان سے مار ڈالے گئے۔

پُل کے اُس پار اُتر کے اس کے نکاس ہی پر ایک اونچا تخت بچھا کے کیخسرو بیٹھ گیا تاکہ اپنی فوج کا معائنہ کرے۔ ہر قوم جب سامنے سے گزرتی تو دیوان اس کا نام اور پتہ پڑھ کے سُناتا۔ اس کے علم کے پیچھے ہزاروں گروہوں کا مجمع تھا۔ دس ہزار

خاص ایرانی سوار تھے جو غیر فانی کہلاتے تھے۔ اُن کے لباس پر سونے چاندی کا کام جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا۔ اسیریا والوں کے ہاتھوں میں لکڑی کے گرز تھے ہندوستانی روئی کے خلوکے پہنے ہوئے تھے۔ لیڈیا والوں کے اسلحہ یونانیوں کے ہتھیاروں سے ملتے جلتے تھے۔ عربی سواروں کے ہاتھوں میں کمانیں تھیں۔ حبشی جن کے کالے پنڈے آدھے لال اور آدھے سفید رنگے ہوئے تھے اُن کے ہاتھوں میں نیزے تھے جن کی نوکوں پر بارہ سنگھوں کے سینگ چڑھے ہوئے تھے۔ یہ تو خشکی کی فوج تھی جس کے مقابل سمندر میں نہایت ہی ہنرمند فینیقی جہازران تھے طلوع ہونے والے سورج کی شعاعوں میں اپنے جہازوں کو حرکت دے رہے تھے خلقت کے اس مجمع عظیم کو دیکھ کے کیخسرو کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور دل میں یہ خیال گذرا کہ چند ہی سال کے اندر ان تمام لوگوں میں سے ایک بھی روئے زمین پر باقی نہ ہوگا۔ مگر یہ ایک وقتی خیال تھا۔ عبرت ہوئی مگر یہ نہ ہوا کہ اُس کی اولوالعزمی کے حوصلہ میں ذرا بھی فرق آتا، یا جس خلقت عظیم کو تقدیری فیصلہ کی طرف لیے جاتا تھا۔ اُس میں سے ایک متنفس کے بچانے کی بھی کوشش کرتا

اسی اثنا میں اہلِ یونان نے جن کا حوصلہ مراتھوں کی فتح سے بڑھ گیا تھا۔ اس خطرے کا سامنا کرنے کے لئے باہم ایکا کر کے کونسل کی اطاعت قبول کر لی جو کہ کورنتھ میں جمع ہوئی تھی۔ پہلا مقام جس کے بچانے اور جہاں جم کے لڑنے کا انھوں نے ارادہ کیا۔ وہ تھرموپلے تھا۔ یہ کوہ اِٹے ٹا کی نہایت تنگ گھاٹی تھی اور خشکی کی راہ سے ارض یونان میں داخل ہونے کا ایک یہی راستہ تھا۔ اس لئے کہ اس راستہ کے سوا اور سب طرف ناقابل گذر کوہستان تھا۔ اور ساحل بحر کے قریب ایسی گہری دلدل تھی کہ اُسے طے کر کے پار ہونا بالکل غیر ممکن تھا۔

اسپارٹا کے دو بادشاہوں میں سے ایک کے ذمّہ جس کا نام لے اونی ڈاس تھا، یہ خدمت کی گئی کہ اس گھاٹی کو حریف کے قبضہ سے بچائے اور وہیں ایرانیوں کا مقابلہ کرے

وہ اسپارٹا کے تین سو جوانوں اور دیگر ریاست ہائے یونان کے چند اور گروہوں کو لے کے تھرموپلی میں پہونچا۔ ایرانیوں کے لشکر کا دریائے مواج جب یہاں تک پہونچا تو انھوں نے گھاٹی کے اندر اِن چند اسپارٹا والوں کو اس حال میں دیکھا کہ بعض تو اپنے ہتھیاروں کو رگڑ رگڑ کے چمکا رہے ہیں اور بعض بالوں میں کنگھی کر رہے ہیں جیسا کہ ہر لڑائی کے پیشتر اُن کا معمول تھا کیخسرو نے ایک آدمی بھیج کے اُنھیں حکم دیا کہ یہاں حاضر ہو۔ اور ہتھیار ڈال دو۔ لے اونی ڈاس نے جو اہلِ اسپارٹا کے مذاق کا مکمل نمونہ تھا کمال سادگی اور بے پروائی سے جواب دیا: "تو آپ خود ہی آ کے لے لیجیے"۔

اس جواب کے بعد کیخسرو میں بھلا ضبط کی کہاں تاب تھی۔ فوراً حملہ کا حکم دے دیا۔ مگر باوجودیکہ ایرانی مسلسل تین روز تک حملہ اور یورشیں کرتے رہے کسی طرح قابض نہ ہو سکے۔ یہ ایک تنگ مقام تھا جہاں فقط چند ہی آدمی ایک وقت میں سامنے ایک مقابلہ کر سکتے تھے۔ اس سبب سے ایرانی اپنی کثرت سے کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ مشرق کے خود مختار شہنشاہ کے سپاہی جو غلاموں سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے بار بار حملہ کرنے کے لئے ہنکائے اور بڑھائے جاتے تھے۔ مگر صرف اس لئے کہ اُن چند آزاد بہادروں کے ہاتھ سے زخمی ہو کے اور کاری وار کھا کے جانیں دیں جو اپنے وطن اور اپنے بال بچوں کی حمایت میں سچے دل سے لڑ رہے تھے کیخسرو کو یہ حالت دیکھ کے غصہ بھی تھا اور ایک گونا نا اُمیدی بھی اس کے دل میں پیدا ہو چلی تھی۔ اسی اثنا میں یونانیوں کا ایک قومی نمک حرام جو اس ملک کا رہنے والا اور اس سرزمین سے خوب واقف تھا ایرانی لشکر گاہ میں آیا اور ایرانیوں سے کہا: "میں آپ کو ایک اور راستہ سے جو ذرا چکر کا ہے پہاڑ کے اُس پار پہونچا دوں گا۔ اور آپ کو موقع حاصل ہو جائے گا کہ ان اسپارٹا والوں پر آگے پیچھے دونوں طرف سے حملہ کر کے انھیں مغلوب و مقہور کر دیجیے"۔

اس کے دوسرے دن صبح تڑکے ہی لے اونی ڈاس کو خبر پہونچی کہ حریف کو راستہ مل

گیا۔ اور اب دشمنوں پر کوئی زور نہ چل سکے گا۔ بلکہ وہ قطعاً غالب آجائیں۔ اگرچہ اسے ابھی واپس جانے کا موقع حاصل تھا۔ مگر یہ بات اسپارٹا والوں کی عادت وشان کے خلاف تھی کہ لڑائی میں دشمن کی طرف سے منہ پھیریں۔ خلاصہ یہ کہ لی اونی ڈاس مع اپنے تین سو اہل اسپارٹا اور سات سو تھس پیا والوں کل ایک ہزار ہمراہیوں کے جنھوں نے مرتے دم تک رفاقت کا وعدہ کیا تھا اپنے دوستوں سے رخصت ہوا اور مرنے کے لئے تیار ہو گیا آخر کار پشت کی طرف سے بھی ایرانی آپہونچے اور دونوں جانب سے اُن پر نرغہ ہوا۔ اب یونان کے ان ایک ہزار بہادروں پر ہزاروں برچھوں اور گرزوں کی دوہری بار پڑ رہی تھی۔ سب سے پہلے لیونی ڈاس مارا گیا۔ جس کے گرتے ہی اس کے وفادار اہل اسپارٹا نے اُس کی لاش بچانے کی کوشش کی اور سب اسی کوشش میں لڑتے ہوئے اپنے سردار کی لاش کے گرد ڈھیر ہو گئے۔ مگر اپنے خون کا انتقام اُنھوں نے مرنے سے پہلے اپنی زندگی ہی میں لے لیا اس لئے کہ ان سرکش جانبازوں کی لاشوں کے گرد ایرانیوں کی لاشوں کا بھی ایک بڑا بھاری انبار لگا ہوا تھا۔ اور دونوں جانب کے مقتولوں میں تعداد کا جو نمایاں فرق تھا وہ ان پُرانے یونانیوں کی عظمت کو رہتی دُنیا تک برقرار رکھے گا۔

فصل سوم

کیخسرو کی شکست (۵۱ء قبل محمدؐ سے ۱۰۳۶ء قبل محمدؐ تک)

تھرموپی لے کی گھاٹی کے ہاتھ سے نکل جانے کی خبر پہونچی تو کورنتھ کی کونسل نے ارادہ کیا کہ جزیرہ نمائے کورنتھ اور یونان کے درمیان میں جو خاکنائے واقع ہے اس میں اِس سرے سے اُس سرے تک ایک دیوار کھینچ کے علاقہ پے لے پون نے سوس کی حفاظت کریں۔ اس تجویز کی رو سے اے تھنیا جو اسی طرف واقع تھا۔ گویا دشمنوں کے ہاتھ میں دے دیا گیا تھا اور اس کے تباہ وسمار ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ لہذا لوگوں نے ڈلفی میں جا کے

فال دیکھی اور دیوتا کے سامنے یہ سوال پیش کیا کہ "اس آنے والی آفت سے بچنے کی کون تدبیر ہے؟"
جواب ملا کہ "اس شہر کی قسمت میں تو تباہ ہی ہونا ہے۔ مگر ایک چوبی دیوار اہلِ شہر کو بچا لے گی۔
اور شہر سلامیس میں عورتیں لاولد ہو جائیں گی۔

اب اس جواب کے معنی لگائے جانے لگے۔ بعض نے خیال کیا کہ چوبی دیوار سے مُراد یہ ہے کہ شہر اثینیہ والے آکروپولیس میں جا کے پناہ لیں جو ایک دفعہ لکڑیوں کا ایک جنگلہ چاروں طرف قائم کر کے کسی حریف کے حملوں سے بچایا گیا تھا۔ لیکن تھےمس توکلیس نے انھیں یہ خیال دلایا کہ اُن کی لکڑیوں کی دیوار سے مُراد اُن کے جنگی جہاز ہیں۔ اور اس فال کا یہ مطلب ہے کہ ہم سب شہر سے نکل جا کے جہازوں پر چلے جائیں۔ سوا اُن چند لوگوں کے جنھیں پہلی رائے سے اتفاق اور شہر ایکروپولیس میں پناہ ملنے کا یقین تھا۔ سب نے آخری تجویز کو پسند کیا کہ جہازوں پر جا کے پناہ لیں۔ چنانچہ عورتیں اور بچے تو جہازوں پر لاد لاد کے مقامات آےجی نا اور تِرِ زے نہ میں پہونچا دیے گئے اور مرد جہازوں پر سوار ہو کے باقی ماندہ یونانی بیڑے کے قریب ٹھہرے جو جزیرۂ سالامیس کے پاس تھا۔

اب ایرانیوں نے آگے بڑھ کے شہر اثینیہ کو بغیر اس کے کہ کوئی مقابل و مزاحم ہو مسمار کر دیا۔ مکانوں میں آگ لگا دی مورتیوں اور تمام آرائش کی چیزوں کو لوٹ لیا اور دوسری طرف ساحل پر اُن کا بیڑہ اس عظمت و شان سے اور ایسے کثیر التعداد جہازوں کو لئے ہوئے سالامیس کی جانب بڑھا کہ بعض یونانی ہمت ہارنے لگے۔ اور اُن میں تجویزیں ہونے لگیں، کہ جب تک ایرانی جہاز خلیج سونی اوم میں پہونچیں پہونچیں ہم اپنے جہازوں کو کہیں اور بھگا لے جائیں۔ وہ اسی تذبذب اور تردد کے عالم میں تھے کہ کسی اجنبی شخص نے آکے تھےمس توکلیس کو الگ بلوایا۔ یہ آرس تے دیس تھا جس نے اپنے وطنی حریف سے کہا: "تھےمس توکلیس ہم تو آپس میں جیسے دشمن ہیں ویسے ہی دشمن بنے رہیں۔ لیکن ہمارا تمھارا مقابلہ اس بات میں ہو کہ وطن کی بہترین خدمت کون کر سکتا ہے۔ میں یہ کہنے کو آیا ہوں کہ یہ گفتگو فضول ہے کہ

سالامیس کو چھوڑ دیا جائے یا نہ چھوڑا جائے کیونکہ اب ہم چاروں طرف سے گھرے ہوئے ہیں اور اسی صورت میں بھاگ بچ سکیں گے جب کہ دشمنوں کے جہازوں کی صفیں توڑ کے اپنا راستہ نکالیں"۔

اور یہ بالکل سچ تھا۔ اس لئے کیخسرو کے جہازوں کا بیڑا سر پر آپہونچا تھا اور اس نے پورا محاصرہ کر کے خلیج کا راستہ ایسا بند کر دیا تھا کہ آرس تی دیس بھی بڑی مشکلوں سے رات کے اندھیرے میں یہ خبر دینے کے لئے آسکا تھا۔ اس بحری لڑائی کا تماشا دیکھنے کے لئے کیخسرو نے قریب کے سلسلۂ کوہ کی ایک بلند چوٹی پر اپنا تخت بچھوایا تھا تاکہ اپنے بہادروں اور جہاز رانوں کی فتحمندی کا تماشا دیکھے۔ مگر جو تماشا اُسے نظر آیا وہ اس کی اُمید و آرزو کے بالکل خلاف تھا۔

اس دریائی لڑائی میں حملہ کی ابتدا یونانی سپاہیوں نے کی اور بہت جلد دیکھتے ہی دیکھتے اُنھوں نے کامل فتح حاصل کر لی۔ تقریباً دو سو جہازوں کو انھوں نے ڈبو دیا یا پکڑ کے اپنے قبضہ میں کر لیا باقی ماندہ جہاز اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے اور بھاگ گئے۔ کیخسرو کا اتنا بڑا نقصان ہوا تھا اور اس معرکہ میں اپنی قسمت یوں ناگہاں بگڑتی نظر آئی تھی کہ اُسے خود اپنی جان خطرے میں نظر آئی۔ اور سوا اس کے اُس سے کوئی بات نہ بن پڑی کہ اپنے بیڑے اور فوج کے ایک حصہ کو اپنے والی اور ستریپ مَردونی اوس کی ماتحتی میں چھوڑ کے ایران واپس چلا گیا۔

مَردونی اوس نے موسم سرما تھسلی میں بسر کیا۔ اور اُس کے بعد پھر فوج لے کے جنوبی یونان کی طرف بڑھا پلاطیہ کے تاریخی میدان میں حریف سے مقابلہ ہوا۔ اس لڑائی میں بھی قسمت مشرقی حملہ آوروں کے خلاف تھی۔ اسپارٹا والوں نے اپنے بادشاہ پوسانی اس کے زیر علم اور مَردونیوس میدان میں مارا گیا۔ اس موقع پر یونانیوں نے سونے اور جواہرات کی مقدار کثیر۔ نرم و نازک قالینوں، گچھوں اور ہر قسم کے مشرقی سامان عیش کو شکست خوردہ ایرانیوں کی لشکر گاہ میں پہلے پہل دیکھا۔ اور اُن چیزوں پر نفرت و حقارت کی نظر ڈالی۔ کیونکہ انھیں چیزوں

کی وجہ سے ایرانیوں کو نقل و حرکت میں بڑی زحمتیں اور دشواریاں پیش آیا کرتی تھیں۔ بد قسمت بقیتہ السیف ایرانی جو بڑی مشکلوں سے جانبر ہو سکتے تھے اپنی جانیں لے کے بھسلی، اور تھریس میں پہونچے اور وہاں سے بڑے بھاری نقصان اٹھائے اور طرح طرح کی مصیبتیں جھیلنے کے بعد انھیں وطن کی صورت دیکھنا نصیب ہوئی۔

ان بلاؤں کے دفع ہونے کے بعد اہل اثینیہ اپنے پیارے شہر میں واپس آئے، اور اس کی منہدم اور ویران عمارتوں کو انھیں پہلے آثار پر پھر تعمیر کیا۔ اور پہلے سے زیادہ شان و شوکت کے ساتھ قائم کیا۔ تھے مس توق لیس نے شہر کے از سر نو تعمیر کرنے اور خوش نما بنانے میں اپنے بیش بہا مشوروں سے بڑی مدد دی۔ لیکن اس کارفرمائی میں اس کا حوصلہ اور اس کے دعوے روز بروز بڑھتے جاتے تھے اور یہ چیز اہل شہر کو ناگوار گزری۔ چنانچہ ۱۲؁ قبل محمد میں وہ یونان سے جلا وطن کر دیا گیا۔ تقریباً اسی زمانہ میں اسپارٹا کا حکمران پوسانی آس جو اپنی منقسمہ حکومت اور صرف برائے نام بادشاہی سے خوش نہ تھا۔ اس بات کی سازش کرتا نظر آیا کہ کنیختر و پھر یونان پر چڑھائی کرے مگر جیسے ہی دیکھا کہ میرا جرم کھل گیا ہے بھاگ کے ایک مندر میں چھپ رہا۔ اسپارٹا والوں کو اس کی جرأت تو نہ ہوئی کہ اسے شوالے سے زبردستی نکالیں مگر چاروں طرف سے گھیر لیا اور باہر نکلنے کے سب راستے بند کر دیے۔ چنانچہ وہ اسی بت خانہ میں فاقہ کر کے اور سوکھ سوکھ کے مر گیا۔ اس سازش میں تھے مس توق لیس بھی شریک تھا۔ جیسے ہی اس کا حال کھلا بھاگ کے علاقہ مولوس سی میں چلا گیا جو بحر اڈریاٹک کے ساحل پر واقع تھا۔ وہاں کے بادشاہ ادمے طوس اس کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ جس کے باعث تھے مس توتلیس سے سوا اس کے کوئی تدبیر نہیں بن پڑی کہ اس کے گھر کے اندر گھس گیا۔ گھر کے دیوتاؤں کے درمیان قربان گاہ کا جو آتش خانہ تھا اس پر جا کے بیٹھ گیا۔ بادشاہ مولوس سی کے ایک ننھے بچے کو پکڑ کے اپنے دونوں گھٹنوں میں دبا لیا اور فریاد کی کہ "مجھے امان دی جائے" ملک کا عام قاعدہ تھا کہ جو کوئی اس طریقہ سے پناہ مانگتا اس کی درخواست قبول کرنے میں

تامّل نہ کیا جاسکتا۔ الغرض یوں تھے مس توقلیس خود اپنے ایک جائی دشمن کی پناہ میں آگیا۔

چند روز بعد وہ یہاں سے بھاگ کے دارائے عجم کے پاس ایران میں پہونچا جو اس سے نہایت لطف و کرم کے ساتھ پیش آیا اور یونان کے فتح کے متعلق اس نے جو نئی تدبیریں بتایئں ان کو تاجدارِ عجم نے بڑے شوق سے سُنا۔ دربار ایران میں اس کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ بادشاہ کے ندیمان خاص میں شامل ہوا اور بڑے تزک و احتشام اور شان و شوکت سے رہنے لگا۔ لیکن باوجود اس عالمی مرتبگی اور عیش و عشرت کے اس کے کانشنس پر سے بار نہ ہٹتا تھا۔ خود اپنی نظر میں حقیر تھا۔ اور دل سے یہ خیال نہ مٹتا تھا کہ میں اپنی قوم سے دغابازی کرنے والا بدنصیب جلاوطن ہوں۔ اور یہ روحانی تکلیف کسی طرح دور نہ ہوئی تو خود ہی زہر کھا کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

اس کے مقابل ارس تی دیس عادل کا معاملہ بالکل جداگانہ تھا۔ ہم وطنوں کی ناراضی اُسے بھی برداشت کرنی پڑی۔ مگر اُس نے اُسے اور ہی طریقہ سے برداشت کیا۔ اپنی فیاضیوں سے اُس نے لوگوں کو باور کرا دیا کہ میرے حق میں کیسی ناانصافی کی گئی تھی۔ پھر وطن میں واپس آنے کے بعد جب اس نے ملک کی عظمت و ناموری کو برقرار رکھنے میں اپنے استقلال کو ثابت کر دیا تو اُس کی خیر خواہی وطن کا ہم وطنوں کو اور زیادہ یقین ہو گیا۔ آخر اطمینان و عزت کی ایک طولانی زندگی بسر کرنے کے بعد اُس نے اپنی راستبازی کی پاک و صاف زندگی ختم کی۔ اور اپنے واقعات زندگی کو ملک کے حق میں ایک اعلیٰ درجہ کا قانون بنا گیا۔

کیخسرو ۴۳۶ قبل محمدؐ میں مرگیا۔ اور اس کا بیٹا ارتا زرکشیز (ارجاسپ) جو کہ لون جی مانوس۔ یعنی لمبے بازوؤں والے کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ باپ کی جگہ سریر آرائے سلطنت ہوا۔ توراۃ میں یہ دونوں بادشاہ اخشویرش کے نام سے یاد کیے گئے ہیں اور انھیں میں سے ایک حسین اسرائیلیہ ملکۂ استیر کا شوہر تھا۔ گو یہ امر یقینی طور پر نہیں بتایا جاسکتا کہ وہ باپ تھا یا بیٹا۔

مگر جو کچھ واقعات بیان کیے گئے سب یونانیوں کی زبانی ہیں جن کی وقعت دولت عجم کے مقابلہ میں ادنیٰ درجہ کے چھوٹے زمینداروں سے زیادہ نہ تھی۔ ایرانیوں نے سکندر سے پہلے یونان کو کبھی قابل لحاظ ہی نہیں تصور کیا۔ ممکن ہے کہ کسی موقع پر یونانیوں نے دولت عجم کے سرحدی والیوں یا حکمرانوں پر غلبہ حاصل کر لیا ہو۔ لیکن جس اہمیت کے ساتھ کیخسرو کی فوج کشی کے واقعات یونانیوں نے بیان کئے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے قومی کارنامے بیان کرنے میں انھوں نے بے انتہا مبالغوں سے کام لیا ہے۔ ایرانیوں میں اپنے ملک کی بہت سی تاریخیں موجود تھیں۔ جن کا خلاصہ شاہنامہ فردوسی ہے۔ اس میں ان واقعات کی طرف کوئی معمولی اشارہ بھی نہیں پایا جاتا ہے۔

تاہم اس میں شک نہیں کہ اب عشرت پرستی نے ایرانیوں کو بہت عیش طلب اور کاہل بنا دیا تھا۔ اور کیخسرو کے بعد پھر اُن میں سوا ظاہری شان و شوکت اور تزک و احتشام کے فتحمندی اور اولوالعزمی کے واقعات بہت ہی کم نظر آتے ہیں۔ عالیشان محلوں اور حرم سراؤں کی نازک مزاجیوں کی وجہ سے اب ان کا جوش مُردہ ہو گیا تھا۔ اسی کے ساتھ اپنی بے روک طبیعت اور اپنے غیظ و غضب کی وجہ سے وہ سخت بے رحمی کے مظالم کرنے لگے تھے اور ان کی حالت روز بروز زیادہ خطرناک ہو جاتی تھی۔ یہاں تک کہ انتقام کا وقت آ گیا۔ اور ان کی سلطنت تباہ ہوئی۔ اور اُن کی حالت کے اس انقلاب نے ہوا کا ایسا رُخ پلٹا کہ بجائے اس کے تاجداران فارس اثینیہ پر فوج کشی کریں ایک یونانی حکمران کے دل میں بابل پر حملہ کرنے کا حوصلہ پیدا ہو گیا۔

چھٹا باب

ریاست ہائے یونان (سنہ ۱۰۰۳ قبل محمدؐ سے سنہ ۹۳۲ قبل محمدؐ تک)

فصل اوّل

پلے لوپون نے شعبیہ والوں کی لڑائی (سنہ ۱۰۰۲ قبل محمدؐ سے سنہ ۹۷۵ قبل محمدؐ تک)

ایرانیوں کی حملہ آوری کی تاریخ میں یونان جیسا نظر آتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یونانی لوگ، باہم متحد ہو جاتے تو پھر انھیں دُنیا کی کوئی قوت مغلوب نہ کر سکتی۔ لیکن وہ متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اور اُن ریاستوں میں بھی مختلف پارٹیوں کی خلل اندازی کی وجہ سے آئے دن پھوٹ پڑتی رہتی۔ نہ کوئی ایسا ایک اُصول تھا جس پر سب کا عمل درآمد ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اپنی قوتیں ان نزاعوں میں ضائع کر دیں۔ اور کوئی ایسا کام نہ کر سکے جو اُن کے بڑے بڑے کارہائے نمایاں کے شایان ہوتا۔ اور آخر کار تنزل میں پڑ کے غیر دول کے ماتحت اور مطیع فرمان ہو گئے۔

زرکشیز کے ناکام واپس جانے کے بعد کا زمانہ اثینیہ والوں کی تاریخ کا روشن ترین زمانہ تھا۔ تین بڑے ٹریجڈی (پُرحسرت نظمیں) لکھنے والے مصنفین ایس چی لس سوفوق لیس اور اری پی دلیس نے اسی زمانہ میں اپنی نظمیں تصنیف کیں۔ ہے رودوطوس نے عین اسی عہد میں اپنی تاریخ تکمیل کو پہونچائی۔ تھوقی دی دیس انھیں دنوں اپنی تصنیف کا آغاز کر رہا تھا۔ فی دی آس۔ اسی وقت اپنی بے مثل بُت تراشی کا کمال دکھا رہا تھا۔ اور پی ری کلیس جو دُنیا کے قابل ترین اشخاص میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسی دور میں عام ملکی معاملات میں لوگوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس میں اولوالعزمی تھی اور عظمت و شوکت کا شوق رکھتا تھا لیکن اُس کے ساتھ ہی اپنے شہر اور ملک یونان کے ساتھ سچی محبت رکھتا تھا۔ اور اُس میں اثینیہ

والوں کے دل اپنے ہاتھ میں لے لینے اور اُن کو اپنا فریفتہ کر لینے کی ایسی اچھی قوت تھی کہ درمیان میں جو تھوڑا سا فرق پڑ گیا تھا اُس کے سوا چالیس سال تک برابر وہی اُن کی نسلوں کو چلاتا رہا۔

اتھینیہ اور اسپارٹا والوں میں مدت سے ایک رقابت پیدا ہو گئی تھی۔ یہ فقط آرِس تی دیس اور اس کے دیگر عقلمند اہلِ اتھینیہ کے تحمل و بُردباری کا نتیجہ تھا کہ اس بارے میں کوئی جھگڑا نہیں پیش آیا کہ دونوں شہروں میں سے کس کو فوقیت حاصل ہے اور کس کی عظمت زیادہ مانی جائے۔ لیکن آخر کار ۱۰۰۳ قبل محمدؐ میں کورنتھ اور یونانی جزیرہ کورسی را میں جسے فی الحال کورفو کہتے ہیں ایک نزاع پیدا ہوئی۔ اسپارٹا والوں نے کورنتھ والوں کی طرفداری کی اور پے ری قلیس کے اُبھارنے سے اتھینیہ والے اس جزیرے والوں کے حمایتی بن گئے۔

اس بنا پر جو لڑائی شروع ہوئی وہ مسلسل ستائیس برس تک قائم رہی جو کہ تاریخ یونان میں جنگ پے لوپون نےسی ان کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ پے ری قلیس لڑائی کے انتقام تک زندہ نہیں رہا کہ جس تباہی کا وہ باعث ہوا تھا اسے خود اپنی آنکھ سے بھی دیکھتا۔ اُن دنوں اتفاقاً اتھینیہ میں ایک ہیبتناک طاعون پیدا ہوا اور یہ حالت ہو گئی کہ مکانات ہی نہیں سڑکیں اور بُت خانے تک لاشوں سے پٹے پڑے تھے۔ اسی طاعون میں پیری قلیس کا سارا خاندان ختم ہو گیا اور جب گھر میں اور کوئی نہ رہا تو خود مبتلا ہوا اور معمول سے زیادہ تکلیفیں برداشت کر کے نذرِ اجل ہو گیا۔ مرنے سے چند روز بیشتر اس کے چند احباب اس کے بسترِ مرگ کے گرد جمع ہوئے اور اس کے کارنامے بیان کرنے لگے۔ وہ بتا رہے تھے کہ اسے کیسی کیسی فتحیں حاصل ہوئیں اور اس کی ذات سے اتھینیہ والوں کو کیا کیا فائدے پہنچے۔ اثنائے کلام میں اُنھوں نے کہا "آپ نے اتھینیہ کو اتنی اور ایسی عمارتوں سے آراستہ کر دیا کہ کہاوت ہو گئی ہے۔ اس شہر کو آپ نے اینٹوں سے بنا ہوا پایا

تھا اور سنگ مرمر کا بنا ہوا چھوڑا۔" پیری قلیس نے اس کا جواب دینا چاہا۔ بڑی دقت سے کمزوری کو دبا کے اپنے میں جواب دینے کی قوت پیدا کی۔ اور کہا "جس چیز کو میں اپنی سب سے بڑی اقبال مندی سمجھتا ہوں اُسے تم بھول ہی گئے؟ میرا سب سے بڑا یہ کام ہے کہ آج تک اتینیہ کا کوئی رہنے والا میرے سبب سے غم و اندوہ میں مبتلا نہیں ہوا۔" اس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ اقتدارات حاصل کرنے کے تمام جھگڑوں میں میرا طرز عمل ہمیشہ یہ رہا کہ اپنے حریفوں کی بھی جان خطرے میں نہ پڑنے دوں۔

اُس کے بعد اتینیہ میں اس کی سی قابلیت کا کوئی شخص نہیں موجود تھا کہ اس کا جانشین ہوتا نوجوان آل سی بی آڈیس جو اس کا بیش دست تھا۔ محنت و کارگزاری کے لحاظ سے اُس سے کم نہ تھا مگر اس کے ساتھ اُس میں بڑھ بڑھ کے باتیں بنانے اور گرم جوشی و خودسری کا مادہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ لوگوں میں اُسے نہ ویسا رسوخ نصیب ہو سکتا تھا اور نہ اس کا اس قدر اعتبار قائم ہو سکتا تھا۔ آل سی بیاڈیس کا باپ اسے کم سن چھوڑ کے مر گیا تھا اور اس کے لئے بہت بڑی دولت و ثروت چھوڑ گیا تھا جس کی وجہ سے اس کے گرد ہمیشہ خوشامدیوں کا مجمع رہا کرتا۔ اور ان کی درست و بجا سے اس کے شریفانہ اخلاق بہت کچھ بگڑ گئے تھے۔ وہ نیکی کو پسند کرتا تھا۔ بعض اوقات دیکھیے تو اپنے عہد کے زبردست فلسفی سقراط کی شاگردی کا دم بھرنے لگتا۔ اور اس کا پُرجوش پیرو بن جاتا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس میں ایسی عیش پرستی اور راحت طلبی موجود تھی کہ باوجود سقراط کی شاگردی کا دم بھرنے کے اکثر اتینیہ کا ایک نہایت ہی نازک مزاج نفس پرست نوجوان بن جاتا۔ اس کی فضول گوئیاں تمام لوگوں میں مشہور اور عالم آشکارا ہو رہی تھیں۔ شکل و صورت اور وضع و قطع کے لحاظ سے نہایت ہی خوشرو اور خوش وضع تھا۔ اس کا لباس تمام اہل شہر سے زیادہ قیمتی اور پُرتکلف ہوتا۔ اس کے اسلحہ لشکر میں بڑی قدر سے دیکھے اور نہایت قیمتی سمجھے جاتے۔ اُس کے خود پر سونے کا ملمع چڑھا ہوتا اور اس کی ڈھال طلائی کام اور ہاتھی دانت کی پچیکاری سے آراستہ ہوتی۔ باوجود ان سب باتوں کے اس کی

بے عقلی کی پالیسی نے گھر کے اندر ہی اُس کے بہت سے دشمن کھڑے کر دیے۔

مذکورہ بالا لڑائی میں جو سب سے بڑی کارگزاری اثینیہ والوں نے دکھائی وہ مقام سی راقوسہ پر تھی۔ یہ جزیرہ صقلیہ (سسلی) کا ایک مقام تھا جو دریا والوں کے جا بسنے سے آباد ہوا تھا۔ اس مہم پر جو فوج بھیجی گئی وہ تین افسروں کے زیر کمان تھی۔ ایک تو یہی آل سی بیاڈیس۔ دوسرا نی قی آس اور تیسرا ایک اور سردار جسے کچھ زیادہ نمود نہیں حاصل تھی۔ اٹی کا کو جو سڑک گئی تھی اس کے کنارے کنارے میلوں کی جگہ پر ہرمس اعظم کی مورتیں نصب ہوتی چلی گئی تھیں۔ آل سی بیاڈیس کے کوچ سے عین پیشتر ایک صبح کو یہ تماشا نظر آیا کہ کسی نے اُن سب مورتوں کو بگاڑ دیا اور ان کی حیثیت خراب کر دی۔ بادی النظر میں یہ کسی بدمست اوباش کا کام تھا۔ اور یہ خیال کرنے کی کوئی وجہ نہ ہو سکتی تھی کہ اس میں آل سی بیاڈیس کو بھی کچھ دخل ہے۔ لیکن جب وہ سی راقوسہ کے ارادے سے جہازوں کا لنگر اُٹھا چکا تو اُس کے دشمنوں نے عوام کو یقین دلا دیا کہ اس دینی بے ادبی اور مذہبی گستاخی کا بانی مبانی یہ آل سی بیاڈیس ہی ہے۔ اس خبر سے لوگ برانگیختہ اور برافروختہ ہو ہی رہے تھے کہ یہ خبر بھی اڑا دی گئی کہ وہ سلطنت اثینیہ کے خلاف سازش کر رہا تھا۔

یہ الزام اگرچہ بالکل بے بنیاد نہ تھا۔ مگر اس کے خلاف شورش کرنے کا یہ وقت نہ تھا لیکن اثینیہ والوں کے دلوں میں اس کے خلاف اس قدر غصہ بھڑک اُٹھا تھا کہ اس کا گھر بار لوٹ لیا اور مندروں میں پجاریوں کو بلا کے کہا کہ اُس پر لعنت بھیجیں۔ تمام راہبہ عورتیں تو فوراً اس کارروائی کے لئے آمادہ ہو گئیں مگر ایک نے تامل کیا اور کہا "میرا کام دعا دینا ہے گالیاں دینا نہیں"۔ ان بے اعتدالیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آل سی بیاڈیس کو مجبوراً صقلیہ میں یونانی فوج کی افسری سے دستبردار ہونا پڑا۔ حالانکہ یہ وقت تھا جب کہ معرکہ آرائی اور لڑائی میں وہ نہایت ہی ممتاز ثابت ہو رہا تھا۔ اپنی افسری کا چارج دیتے ہی وہ صقلیہ سے روانہ ہو کے اسپارٹا میں چلا گیا اور اپنے وطن کے دشمنوں سے دوستی پیدا کر لی۔

آل سی بیاڈیس کے چلے جانے کے بعد صقلیہ میں لشکر اثینیہ کا سپہ سالار نی قیاس تھا۔ اس کی کارروائیاں نامناسب پڑیں اور اہلِ اثینیہ کے سوا ناکامی و نامرادی اور مصیبتوں کے کچھ نصیب نہیں ہوا۔ اور آخری انجام یہ ہوا کہ اہلِ اثینیہ کو بیڑے کو ایک بڑی بھاری بحری لڑائی میں اسپارٹا والوں کے بیڑے نے پوری شکست دے کے کلیتہً تباہ کر دیا۔ اور یہی واقعہ ان کی تباہی و بربادی کا باعث ہوا۔ ان کی جو فوج خشکی میں اُتر کے لڑ رہی تھی اس کے پاس واپس وطن آنے کے ذرائع باقی نہیں رہے اور تقریباً سب بے کار ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد قید کر دیے گئے۔ نی قیاس قتل کیا گیا۔ اور باقی ماندہ اسیروں کو قید خانے میں ڈال دینے کے بعد اُن کی طرف سے ایسی غفلت کی گئی کہ وہ غریب بھی قید خانہ میں نذرِ اجل ہوئے۔ چند اہلِ اثینیہ جو بھاگ نکلے تھے اِدھر اُدھر ٹکراتے پھرے مگر بے کسی اور فاقہ زدگی میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کے مر رہے۔ اور کہتے ہیں کہ اُن میں سے چند کو یوری پی ڈیس شاعر کی دُکھ بھری ہوئی جگر خراش نظموں نے موت سے بچا لیا۔ اس لئے کہ جزیرۂ صقلیہ کے یونانی اُس کی نظموں کو پڑھ کے ایسے خوش ہوتے تھے کہ جو کوئی اس کے ڈراما کا کوئی حصہ انھیں سُنا دیتا اُسے خوش ہو کے کھانا اور پناہ دے دیا کرتے۔

اب ایرانیوں کو نظر آیا کہ اہلِ یونان میں پھوٹ ڈالنے سے انھیں کامیابی کا پورا موقع حاصل ہو جائے گا۔ لہٰذا انھوں نے کمزور جماعت کی مدد کی۔ تاکہ غالب گروہ کا جوش اور بڑھے اور اسپارٹا والوں کو اس میں شرم نہ آئی کہ دارائے ایران نوتھوس کے دوسرے بیٹے سائی رس سے جو ان دنوں لیڈیا کا عامل دستر پ تھا انھوں نے رشوت کے طریقے سے روپیہ لے لیا اور اس امداد سے انھیں اثینیہ والوں پر کامیابی کے دو ایک موقع حاصل ہو گئے۔ اور اسی کی بدولت اہلِ اثینیہ کو مجبوراً آل سی بیاڈیس کو واپس بلانا پڑا۔ جسے انھوں نے نہایت تعظیم و تکریم سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اُس کے آجانے سے چند روز کے لئے اہلِ اثینیہ کا ستارہ چمک گیا۔ کئی میدانوں میں وہ مردِ میدان ثابت ہوا اور انھوں نے فتح و نصرت کے پھریرے

اُڑا دیے لیکن آل سی بیاڈیس پر اثینیہ والوں کو جو بے اعتباری تھی گئی نہ تھی خالی دب گئی تھی۔ دو ایک کامیابیاں حاصل ہوتے ہی وہ ناراضی پھر اُبھری۔ چنانچہ وہ پھر اثینیہ سے نکالا گیا۔ اب کی جو وہ گیا تو بجائے کہیں اور جانے کے چند بہادر اور مسلح ہمراہیوں کے ساتھ ایک کوہستانی گڑھی میں جا کے بیٹھ رہا جو کہ تھریس آکے علاقہ چھے رھونی سوس میں واقع تھی۔ اور یہیں سے بیٹھ کے اُس نے اپنے وطن اور اہلِ وطن کی تباہی کا تماشہ دیکھا۔

اثینیہ والے بحری قوت میں اپنے حریفوں سے اب تک بڑھے ہوئے تھے۔ اور ان کے ۱۸۰ جہازوں کے بیڑے نے اسپارٹا والوں کے بیڑے پر جو امیر البحر لی سان ڈر کے زیر حکومت تھا ایسا شدید حملہ کیا کہ اسپارٹا کے جہاز مقابلہ کی تاب نہ لا سکے بے اختیار بھاگے۔ اور اثینیہ کے جہاز ہے لس پانٹ (آبنائے ڈار ڈینیلز) تک بھگاتے لیے چلے گئے۔ وہاں پہونچتے ہی اسپارٹا والوں نے اپنے جہاز دریائے آے گوس پڈاموس (بکریوں والی ندی) کے دہانے کے اندر کر لیے جو کہ ایک چھوٹی سی ندی تھی۔ اہل اثینیہ جب ان کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں پہونچے تو نظر آیا کہ پانی پایاب ہے اور ہمارے بڑے بڑے جہاز اسپارٹا والوں کے جہازوں تک نہیں پہونچ سکتے۔ مجبوراً اپنے جہازوں کو کچھ دور پیچھے ہٹا لے گئے اور رسد لانے کی ضرورت سے جہازوں کو چھوڑ چھوڑ کے آس پاس کے مقاموں میں منتشر ہو گئے۔ برابر پانچ دن تک یہی ہوتا رہا کہ اثینیہ والے صبح کے وقت حریفوں کو مقابلہ پر بلاتے اور تیسرے پہر کو جہازوں کو خالی کر کے خشکی پر چلے جاتے۔ آل سی بیاڈیس نے اپنی قلعہ کوہ کی گڑھی سے ہموطنوں کی اس اندیشہ ناک غلطی کو دیکھا کہ جہازوں کو غیر محفوظ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں نہ رہا گیا۔ اُتر کے نیچے آیا اور انھیں اس غلطی پر متنبہ کیا جس کا جواب اسے اثینیہ کے جنرلوں سے یہ ملا کہ "یہ یاد رہے کہ اب تم ہمارے سردار نہیں ہو" آخر جب اس نے دیکھا کہ وہ کسی طرح سمجھتے ہی نہیں تو مایوس ہو کے اپنی گڑھی میں واپس چلا گیا اور انھیں آنکھ

قسمت پر چھوڑ دیا۔

اہلِ اثینیہ کو اپنی غفلت و ناشکری کی سزا بہت ہی جلد ملی۔ چھٹے دن جیسے ہی وہ جہازوں کو چھوڑ کے گئے۔ لی سان ڈر اپنے پورے بیڑے کو لے کے ایک بلائے ناگہاں کی طرح اُن کے جہازوں پر آپڑا۔ اثینیہ کے صرف آٹھ جہازوں پر آدمی تھے باقی سب خالی پڑے تھے۔ ایک افسر ان آٹھوں جہازوں کو لے کے جزیرۂ قبرس (سائی پرس) کی طرف بھاگ گیا۔ جہاں پہونچ کے وہ خود تو وہیں ٹھہر گیا مگر ایک جہاز کو واپس بھیجا کہ اہل اثینیہ کے جہازوں کی خبر لائے کیوں کہ خود اُسے اس کی جرأت نہ ہوتی تھی کہ ہم وطنوں کو جا کے اپنی صورت دکھائے۔ اس جہاز کے لوگوں نے جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اثینیہ کے سارے جہاز اہل اسپارٹا کے قبضہ میں ہیں۔ اُن کے سپاہی جو آس پاس جزیرے میں پھیلے ہوئے تھے دشمنوں کے ہاتھوں میں اسیر ہو گئے اور بڑی ظالمانہ سنگدلی سے قتل کئے گئے۔ لی سانڈر امیرالبحر اسپارٹا نے اس خونریزی میں یہ نئی بدعت ایجاد کی کہ اثینیہ والوں کے امیرالبحر کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔

اس شکست سے اثینیہ والوں کی قوت اس قدر ٹوٹ گئی کہ اہل اسپارٹا نے محاصرہ کر کے اثینیہ کو بھی فتح کر لیا۔ اور اس تاریخی قدیم شہر کی عظمت و وقعت خاک میں مل گئی۔ چند ہی روز میں اسپارٹا والوں نے قبضہ کرنے کے بعد اثینیہ کی شہر پناہ مسمار کر دی۔ جو تھوڑے سے جہاز اثینیہ کے قبضہ میں باقی رہ گئے تھے اُن میں آگ لگا دی۔ تِی رے اوس نے جو اثینیہ کی قلعہ بندی کی تھی اُسے بھی منہدم کر دیا اور پُرانا طریقہ حکمرانی بھی منسوخ ہو گیا۔ آرخونوں (قاضیوں) کے بجائے اب اسپارٹا والوں نے یہاں ۳۰ قاضیوں کی ایک کونسل قائم کی جن لوگوں کو برگشتہ بخت اہل اثینیہ "۳۰ جابروں" کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے یہ لوگ ایسے بے رحم اور سنگدل تھے کہ جتنی خونریزی ہے لے پڈن نے بھی۔ ان لڑائیوں کے باعث سے اثینیہ میں ۲۷ سال کے اندر نہ ہوئی تھی۔ اتنی آٹھ مہینہ کے اندر ہو گئی۔

فصل دوم

سقراط اور فلسفۂ یونان ۹۷۳ سنہ قبل محمدؐ

ان ۳۰ جابروں ہی کے عہد میں آل سی بیاڈیس فری جیا میں مار ڈالا گیا اور خیال کیا جاتا ہے کہ وہ انھیں جابروں کی سازش سے قتل ہوا۔ قاتلوں نے اُس کے گھر میں آگ لگا دی، اور چونکہ کسی کو اس کی تلوار کی زد میں آنے کی جرأت نہ ہوتی تھی اس لئے اس پر چاروں طرف برچھیوں کا ایک مینھ برسا کے اسے مغلوب کیا۔ اور یوں کمزور کر کے اس کی ضائع شدہ خدمات ملکی اُس کی شکستہ اُمیدوں اور اس کی فکرمندانہ زندگی سب کا خاتمہ کر دیا۔ ان ۳۰ جابروں کے ہاتھ سے اثینیہ کے بہت سے شریف ترین روسا و عقلا جلاوطن کئے گئے جو باقی رہے وہ بھی کسی طرح اس ظالمانہ حکومت کو نہ برداشت کر سکے اور خود ہی وطن چھوڑ کے چلے گئے۔ ان وطن پرست جلاوطنوں کا غریب الوطنی میں دل نہ لگا۔ سب نے غربت ہی میں اتفاق کیا۔ اور ہتھیار لے کے اُٹھ کھڑے ہوئے اور آخر لڑ بھڑ کے بزور شمشیر اثینیہ میں داخل ہوئے ظالموں کو نکال باہر کیا اور اثینیہ میں پھر وہی سولن کا قانون حکمرانی جاری ہو گیا۔

وطن پرستی ہی نے اب ان لوگوں میں اس بات کا شوق پیدا کیا کہ پُرانے خیالات پُرانی باتوں اور پُرانے اوضاع و اطوار کو پھر زندہ کریں اور اُن طریقوں کو از سرِ نو جاری کریں جن کے مطابق اُن کے نامور بزرگوں کی تعلیم و تربیت ہوئی تھی۔ یہ شوق زیادہ تر اس تمنا پر مبنی تھا کہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت اور اپنے گذشتہ جاہ و جلال کو پھر حاصل کریں اور قوم میں وہ جوش پھر پیدا کر دیں جو زمانۂ سلف میں نظر آتا تھا۔ مگر یہ اُن کی غلطی تھی۔ کیونکہ اعادۂ معدوم محال ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی یہ آرزو رسم پرستی بن گئی۔ اور جو کوئی شخص اُن کے خیال میں کوئی نئی بات کہتا یا یہ سمجھتے کہ وہ انھیں کسی نئی تہذیب کی جانب

متوجہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے دشمن ہو جاتے۔

بدقسمتی سے اسی عہد میں سقراط پیدا ہوا۔ جو بُت پرستوں میں ایک موحّد اور ان کا بت ڈرا فلسفی تھا۔ گو وہ بُت پرستوں ہی کے زمرے میں تھا۔ مگر اُسے بُت پرست کہنا اُس کی توہین ہے۔ اُس کی پاک اور سچی زندگی سے ایک نورانیت نمایاں ہوتی اور معلوم ہوتا ہے کہ رمز توحید اس پر منکشف ہو گیا تھا۔ اسے اس عقیدے کا یقین ہو گیا تھا کہ صرف ایک خدائے برتر ہے جو سب کا حاکم اور خالق ہے نیکی کو وہ پسند کرتا ہے اور بُرائی کو ناپسند۔ نیک لوگوں کا وہ حامی ہے۔ اور انھیں نیکی کا وہ صلہ دیتا ہے۔ اس میں نہ تثلیث تھی اور نہ صنم پرستی۔ خداوند جل وعلانے اپنے کلام پاک قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ "کوئی اُمت نہیں جس میں ہم نے ہادی و پیغمبر نہ پیدا کئے ہوں"۔ اس وعدۂ قرآنی کے مطابق کوئی تعجب نہیں اگر سقراط بُت پرستان یونان کا پیغمبر برحق ہو کیونکہ اُس کے عقائد ہی نہیں اُس کے کارناموں سے بھی شانِ پیمبری نمودار ہوتی ہے۔ تاریخ میں اُس کی بعض اعتقادی لغزشیں بھی بتائی گئی ہیں۔ مگر ممکن ہے وہ غلط اتہامات ہوں۔ اور صحیح بھی ہوں تو اُن کی بنا پر ہمارے دل سے اسکی عظمت کا نقش نہیں مٹ سکتا۔ اُس کا قول بتایا جاتا ہے کہ "انسان کی عمر اس کیلئے کافی نہیں ہے کہ خود اپنی فطرت کے راز در وجود باری تعالیٰ کے مسئلہ پر غور یا ان خیالات کی طرف توجہ کرے"۔ اسی اُصول کے مطابق وہ بجائے اس کے کہ کُنہ باری تعالیٰ کی جستجو میں منہمک ہو اُس نور وحدت کی شعاعوں سے مستقل طور پر نفع اُٹھانے میں مصروف رہا۔ ہر حالت میں وہ نیکی کے اُصول کا پابند رہا۔ بُت پرستوں کے معبدوں اور یونانیوں کے عام مجمعوں میں وہ روز جاکے انھیں توحید و اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتا اور اسی کوشش میں مصروف رہتا کہ ہم وطنوں کے دلوں کو پاکیزہ بنا کے رمز وحدت سے منور کر دے۔

وطن کی حمایت میں وہ بڑی بہادری، جانبازی اور نام آوری سے لڑ چکا تھا۔ اور اپنے شاگرد وآل سی بیاڈلیس کی جان ایک مرتبہ اس دلیری سے بچائی تھی کہ وہ زخمی ہو کے

گر پڑا اور یہ دشمنوں کے نرغہ میں گھس کے کمال تہور و شجاعت سے اُسے اُٹھا لایا، لیکن بدقسمتی سے ۳۰ جابروں میں سے بھی ایک شخص اُس کے پند و نصائح سن کے اس کا شاگرد اور معتقد ہو گیا تھا جس کی وجہ سے بے وقوف اہلِ اثینیہ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ معلوم ہوتا ہے سقراط اس جور و تشدد کو پسند کرتا ہے جو ان جابروں کے ہاتھوں ہم پر ہو رہا ہے اسی بنیاد پر اثینیہ والوں میں اُس کی طرف سے ناراضی پیدا ہوئی۔ چنانچہ اس عہد کے بامذاق شاعر آرسٹوفانیس نے اپنے ایک مسخرہ پن کے ناٹک میں اس کا بڑا مضحکہ اُڑایا۔ جس میں سقراط اس حال میں دکھایا گیا ہے کہ چھ نوخیز لڑکوں کو بہکا رہا ہے کہ خبردار اپنے باپ کا کہنا نہ ماننا۔

مشرکین کا یہ خیال جو قرآن پاک میں بتایا گیا ہے کہ " اِنَّا وَجَدْنَا عَلَیْہِ آبَاءَنَا " (ہم نے اپنے باپ دادا کو یہی کرتے دیکھا) ہمیشہ پیغمبروں اور ہادیوں کی تعلیم کا مزاحم ہوا کیا ہے۔ اور اس ڈراما سے صاف ظاہر ہے کہ یہی خیال سقراط کی کامیابی کا بھی سدِ راہ ہوا چنانچہ یہی الزام عائد کر کے اس پر مقدمہ دائر کر دیا گیا۔ اور عدالت نے بھی تسلیم کر کے وہ نوجوانوں کو غارت کرتا اور ایک نیا طریقہ عبادت بتاتا ہے اُسے سزائے موت دے دی۔

جو زمانہ دورانِ مقدمہ اور فیصلہ کے بعد اس کی تعمیل ہونے میں گزرا اس میں وہ نہایت اطمینان و بے پروائی کے ساتھ شاگردوں کو نصیحتیں کرنے اور اپنی موت کے صدمہ پر انھیں تسلی و تشفی دینے میں مصروف رہا۔ اتفاقاً شاگردوں میں سے ایک ضبط نہ کر سکا بے اختیار رو اُٹھا اور کہا: " افسوس آپ بے گناہ مارے جاتے ہیں "۔ اس پر اس نے نہایت ہی استقلال سے کہا: " تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں گنہگار مارا جاؤں "۔ سقراط کے دوستوں نے اس بات کا پورا بندوبست کر لیا تھا کہ اسے حراست سے نکال کے کہیں باہر بھگا لے جائیں حتیٰ کہ داروغہ قید خانہ تک اس کی بے گناہی کے خیال سے چھوڑ دینے پر راضی تھا۔ مگر خود سقراط نے قطعاً انکار کیا اور کہا "میں یہ نہیں چاہتا کہ ناجائز طور پر اپنی جان بچا کے ملکی قانون اور حکومت کے

فیصلہ کو توڑوں"۔ اس کے بعد مُسکرا کے پوچھا۔ "اچھا یہ بتاؤ۔ علاقہ اٹی کا کے باہر کوئی ایسی جگہ بھی ہے جہاں لوگ مرتے نہ ہوں"۔ اس کے قتل کی گھڑی جو جو نزدیک ہوتی جاتی تھی۔ اُسکی باتوں اور اس کے اقوال و افعال سے زیادہ ظاہر ہوتا جاتا تھا کہ اس دنیوی زندگی کے بعد اُسے ایک دوسری اُخروی زندگی کا یقین ہے۔ اُس نے کہا "سقراط کا مرنا صرف ظاہر میں نظر آتا ہے ورنہ خوب جان رکھو کہ سقراط جان سے ہرگز نہ مرے گا اور بار بار اپنے شاگردوں کو یقین دلاتا تھا کہ "روح اپنے بُرے یا بھلے اعمال کے سوا اور کسی چیز کو ساتھ نہ لے جائے گی وہاں جا کے یا تو مسرت حاصل ہوگی اور ابدی اطمینان نصیب ہوگا اور یا عذاب الٰہی میں مبتلا ہو جائے گی"۔

ہم لوک نام ایک شخص اس کے قتل پر مامور ہوا تھا۔ اور چونکہ ان دنوں وہاں سرکاری مُجرم جام زہر پلا کے قتل کئے جاتے تھے۔ لہذا جیسے ہی ہم لوک مذکور نے جام زہر لا کے اسکے سامنے پیش کیا۔ اُس نے نہایت ہی استقلال و خاطر جمعی کے ساتھ جام اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ کمال استقلال سے منہ لگا کے پی گیا۔ اور بچھونے پر لیٹ کے نہایت ہی فارغ البالی کے ساتھ جان دے دی۔ اور جیسے ہی اس کی روح نے جسم سے مفارقت کی اس کی نسبت جتنے شُبہے تھے سب جاتے رہے۔ اور اس کا نام ساری دُنیا میں نیک نامی اور بے میرانہ ایثار نفس کے ساتھ مشہور ہو گیا۔

افلاطون جس کے بہت سے تصانیف اس وقت موجود ہیں۔ اس کا شاگرد ایک بہت بڑی حد تک اُس کا پیرو اور اُس کے اُصول کا عامل تھا مگر کمال علمی میں وہ سقراط کے درجہ کو ہرگز نہ پہونچ سکا۔

اس موقع پر مناسب ہوگا کہ یونانیوں میں نظام فلسفہ کے جو اُصول مروّج تھے اُن کو بھی بیان کر دیا جائے۔ سب سے پہلے فیثا غورس کا فلسفہ تھا جو حضرت سرور کائنات صلعم سے تقریباً ۱۱۷۱ سال پیشتر تھا۔ اس کے صحیح حالات پردۂ اخفا میں آگئے ہیں۔ لہذا ان سے

موجودہ دُنیا بہت ہی کم واقف ہے۔ اُس کے عقائد کا سب سے زیادہ قابلِ لحاظ مسئلہ یہ تھا کہ مرنے کے بعد روح فنا نہیں ہوتی بلکہ مختلف جانوروں کے جسموں میں باری باری سے جاتی اور زندہ رہتی ہے جسے عربی میں تناسخ اور ہندوستان میں آواگون کہتے ہیں۔ یہ مسئلہ آریہ قوم کا پرانا عقیدہ تھا اور غالباً فیثا غورث نے اُسے ہندوستانیوں یا زرتشتیوں سے سیکھا جو بڑے وثوق کے ساتھ تناسخ کا یقین رکھتے تھے۔ فیثا غورث نے جو اسلوب زندگی انسان کے لئے لازمی قرار دیا یہ تھا کہ خود اپنے اوپر قابو رکھے اور راست بازی و حق پژوہی کی زندگی بسر کرے۔ یہی اُصول تھا جس نے بہت اعلیٰ درجے کے یونانیوں کو شریفانہ کاموں پر آمادہ کیا

زمانہ مابعد میں اسٹوِاک فلسفہ کے پیرو پیدا ہوئے۔ یونانی زبان میں مکان کی دہلیز کو "اسٹو" کہتے ہیں۔ یہ لوگ چونکہ عام عمارتوں کی دہلیزوں پر کھڑے ہو کے اپنے خیالات و عقائد کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ لہٰذا اسٹوِاک کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کی تعلیم یہ تھی کہ زندگی کی بُرائیوں اور تکلیفوں کا مطلقاً خیال نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ ایسی چیزیں ہیں جن کا خاتمہ بہت جلد ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اپی کیورس کے شاگردوں نے یہ خیال قائم کیا تھا کہ انسان کے اعمال سے دیوتاؤں کو کوئی علاقہ نہیں اور چونکہ زندگی تھوڑی ہے۔ لہٰذا جہاں تک بنے اس سے لطف اُٹھا لینا چاہیئے۔ اس تعلیم کا نتیجہ یہ تھا کہ جن لوگوں کے نفس طرح طرح کی ذلیل اور بے شرمی کی خواہشوں سے بھرے ہوتے وہ اپنی مسرتوں کو ذلیل ترین عشرت پرستیوں سے حاصل کرتے اور جن کے نفوس پاکیزہ ہوتے وہ اعلیٰ درجہ کی مسرتوں سے اپنے دل خوش کرتے۔ ان اپی کیورین لوگوں کا شعار یہ ہو سکتا تھا کہ "ایک گلاب کا پھول قبل اس کے کہ مرجھائے ہمیں ہار بنا کے اس سے لطف اٹھا لینا چاہیئے"! اہلِ اتھینیہ کو اپنے شہر کے زوال کے زمانے میں فلسفیوں کے ان مختلف مذہبوں اور عقیدوں سے بڑی ہی دلچسپی تھی۔ ان نزاعوں اور ان خیالات کو سن کے وہ

بہت خوش ہوتے۔ کیونکہ انھیں اس بات میں خاص لطف آتا تھا کہ ہر روز کوئی نئی بات دیکھنے یا سننے میں آئے۔

فصلِ سوم

دس ہزار آدمیوں کی واپسی (سنہ ۹۷۲ قبل محمدؐ سے سنہ ۹۷۱ قبل محمدؐ تک)

کیخسرو کا بیٹا ارتاز کشینز لانجی مانوس یعنی لمبے بازوؤں والا جو ایران میں آردشیر دراز دست کہلاتا تھا سنہ ۹۹۶ قبل محمدؐ میں مرگیا اور اس کا جانشین ڈاریوس نوتھوس ہوا جس نے اپنے دمِ واپسیں کے وقت دو بیٹے چھوڑے۔ ایک آردشیر منے مو۔ اور دوسرا سائی رس جو کہ سارڈیس کا والی وحکمران تھا۔

سائی رس گو عمر میں چھوٹا تھا مگر چونکہ باپ کی سریر آرائی کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا۔ اس لئے اس کے خیال میں یہ بات گذری کہ مجھے اپنے بڑے بھائی کے مقابل تخت نشینی کا زیادہ حق حاصل ہے۔ لہٰذا باپ کے مرتے ہی اُس نے ارادہ کیا کہ تاج وتخت پر قبضہ کرلے۔ سارڈیس میں جتنی فوجیں فراہم ہوسکیں اُس نے جمع کیں اور یونان میں اسپارٹا کے فرماں روا کو لکھ بھیجا کہ میرے لئے یونانیوں کا ایک لشکر مرتب کرکے روانہ کرو جس کی کمک سے میں صوبہ پی سی ڈیا کو مغلوب کرنا چاہتا ہوں جو باغی ہوگیا ہے۔

اہلِ اسپارٹا نے یہ درخواست قبول کی اور تقریباً گیارہ ہزار یونانی اسپارٹا کے ایک سپہ سالار کلئے آرچوس کے زیرِ علم روانہ ہوکے سارڈیس میں آئے اور سائی رس کے لشکر میں مل گئے۔ اس سب لشکر کو لے کے وہ روانہ ہوا۔ شہر طرسوس میں پہونچ کے یونانیوں پر یہ راز کھلا کہ سائی رس کی غرض کسی باغی صوبہ پر فوج کشی کرنا نہیں ہے بلکہ تخت وتاج حاصل کرنے کے لئے خود اپنے بڑے بھائی سے لڑنا چاہتا ہے۔ یہ حال کھلتے ہی پہلے تو یونانیوں نے آگے بڑھنے سے انکار کیا۔ لیکن سائی رس نے انھیں اپنا ساتھ دینے پر مجبور کیا اور بغیر

اس سے کہ کسی دشمن سے سامنا کرنا پڑا ہو انھیں بہلا پھسلا کے دریائے فرات کے اُس پار
نکال لایا۔ اور شہر تو ناک سا میں جو تقریباً ۶۰ میل اور اس طرف تھا دونوں بھائیوں کے
لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئے کیونکہ اردشیر یہاں اپنے پورے جرار لشکر کے ساتھ
موجود تھا۔ لڑائی میں یونانی سپاہی اپنی عادت و وضع کے موافق بہت آسانی سے عیش پرست
دشمنوں پر غالب آ گئے۔ لیکن دونوں لشکر ہنوز مصروف کارزار تھے کہ خود سائی رس جوش شجاعت
سے بڑھ کے اپنے بھائی اردشیر کے مقابل ہوا۔ دونوں میں دست بدست لڑائی ہوئی، اور
سائی رس بڑے بھائی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ اسے خود اردشیر کی تلوار نے
ہلاک کیا یا کسی اور سپاہی کی۔ مگر اردشیر کی کوشش یہی تھی کہ اس ناموری کا سہرا اُسی کے سر
رہے۔ یہاں تک کہ اس کی فوج کے دو شخصوں کی زبان سے نکل گیا تھا کہ سائی رس کو ہم نے قتل
کیا ہے تو ان کی زبان بند کرنے کے لئے انھیں فوراً قتل کر ڈالا۔

سائی رس کی فوج اس کے مارے جانے کے بعد سراسیمہ و حیران تھی کہ اب ہم کیا
کریں۔ وطن سے دور ہیں اور دشمن کی قلمرو کے اندر مجبوراً اردشیر کے ساتھ صلح کی گفتگو چھڑی
اردشیر نے فریب کی راہ سے جواب دیا کہ مجھے تم لوگوں سے تو کوئی پرخاش نہیں مگر یونانیوں
کو میں ایک دوسرے راستہ سے گھر جانے دوں گا۔ اور یہ کہہ کے انھیں باتوں باتوں
میں کشتیوں کے ایک پل کے ذریعہ سے دریائے دجلہ کے بھی اس پار اُتار لیا اور یونانیوں
اور ان کے وطن کے درمیان ایک کی جگہ اب دو دریائے ذخار حائل ہو گئے۔ دریائے دجلہ
کے اُس پار اُترنے کے بعد یونانیوں پر کھلا کہ سائی رس کے ساتھ والے ایرانی اردشیر سے
مل گئے ہیں۔ اور اس کی سازش سے وہ سب فریب دے دے کے انھیں زیادہ ہلاکت
میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ یہ معلوم ہوتے ہی وہ اپنی حفاظت کے لئے ہر وقت ہوشیار رہنے
لگے۔ اور ہر آفت ناگہانی کا مقابلہ کرنے کو مستعد اور تیار رہتے۔

اب سائی رس کی فوج دریائے زاب کے کنارے پڑی ہوئی تھی کہ کلی آرچوس اور

چند اور معزز یونانی افسر ایک ایرانی سردار کے خیمہ میں اُس سے ملنے کو گئے اور دھوکے دھوکے میں گرفتار کر لئے گئے۔ ان میں سے بعض تو اسی وقت قتل کر ڈالے گئے۔ اور بعض اس لئے زندہ رکھے گئے کہ تاجدار ایران اُن کو طرح طرح کی تکلیفوں اور سخت سے سخت عذابوں میں مبتلا کرے۔

اب دشمنوں کو یقین کامل تھا کہ افسروں کے پکڑ لئے جانے کے بعد سارے یونانی ہاتھ پاؤں ڈال دیں گے اور آسانی کے ساتھ گرفتار کر لئے جا سکیں گے۔ لیکن وہ یونان والوں کی فطرت و طبیعت سے واقف نہ تھے۔ زےنوفون نام ایک متوطن ایتھنیہ جو سقراط کی شاگردی کر چکا تھا جوش میں آ کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ہم وطنوں کو ہمت دلائی اور کہا "اگر تمھیں مرنا ہی ہے تو کم سے کم یہ ہو کہ آدمیوں کی طرح مرو۔ مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر دریائے دجلہ کا پاٹ اتنا ہے کہ ہم اس کے پار نہیں اُتر سکتے تو چڑھاؤ کی طرف سفر شروع کر دو۔ کہیں تو سر ملے گا؟ یا کہیں تو پایاب ہو گا؟" اس بہادرانہ مشورے نے حوصلہ بڑھا دیا۔ اور سب کے سب بلا تامل شمال کی طرف چل کھڑے ہوئے اور اسی وقت سے دس ہزار یونانیوں کی مشہور واپسی شروع ہو گئی جو غیر متزلزل حوصلہ مندی، تحمل بردباری اور باضابطگی کی ایک عجیب و غریب یادگار ہے۔ اس وقت یونانیوں کے سامنے ایسی دشواریاں تھیں کہ اگر اور کوئی لشکر ہوتا تو یقیناً ہمت ہار دیتا اور بے بس ہو کے ہتھیار رکھ دیتا اور بدحواسی و اضطراب میں منتشر اور اسی وقت تباہ و برباد ہو جاتا۔ مگر انھوں نے پروانہ کی اور کوچ شروع کر دیا۔ دشمنوں کے سوار ہمیشہ اُن کے آس پاس لگے رہتے تھے اور برابر دریا کے کنارے کنارے اُن کا تعاقب کرتے چلے جاتے۔ آگے بڑھ کے پہاڑی قومیں اُن کی سدراہ ہوئیں ان سے لڑ بھڑ کے آگے بڑھے اور آرمینیہ کے کوہستان میں داخل ہوئے۔ یہاں سردی اور بھوک کی ناقابل برداشت مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے۔ میدان اور جنگل میں ہر جگہ چھ چھ فیٹ گہری برف جمی ہوئی تھی جسے انھوں نے کمال تحمل سے برداشت

کیا اور برابر بڑھتے چلے گئے۔ راستہ میں پالے اور برف کے صدمے سے بہتوں کے انگوٹھے اور اُنگلیاں گھل گھل کے غائب ہو گئیں۔ اسی طرح برق براق سفیدی سے اکثر کو بینائی کو نقصان پہونچ گیا۔ اتنے ہی پر آفتوں کا خاتمہ نہ تھا بلکہ اس سرزمین کے رہنے والوں نے بھی ہر طرف سے اُن پر یورش کی جن سے لڑتے بھڑتے اور سردی سے تھر تھر کانپتے وہ برابر وطن کی دُھن میں بڑھتے ہی چلے جاتے تھے۔ سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ اُن کے ساتھ نہ کوئی رہبر تھا اور نہ کسی قسم کا کھانے پینے کا سامان۔ اِتنی آفتیں جھیلنے کے بعد ایک دن وہ تھکے تھکے نام ایک پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔ ناگہاں دیکھا کہ زنے نوفون جو سب کا سرغنہ اور سب کے آگے آگے تھا اس کی گاڑی چلتے چلتے رُک گئی اور ساتھ ہی اس نے زور شور سے نعرۂ مسرت بلند کیا کہ :- "سمندر! سمندر!"

یہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر بحر یوکزینہ کا پانی چمک رہا تھا۔ یہ سمندر اس سمندر کی ایک شاخ تھا جس کی لہریں خود یونانی خلیجوں میں پہونچ کے بلادِ یونان کے ساحلوں کو ہلکورے دیتی رہتی تھیں۔ اور اس کے پانی کو ہر یونانی اپنا وطنی انیس اور بچپن کا رفیق تصور کر سکتا تھا الغرض سمندر کی صورت دیکھتے ہی اُن کی خوشی کی کوئی حد نہ تھی سب کے سب نعرہ ہائے مست بلند کرنے اور ایک دوسرے سے لپٹ کے رونے لگے۔ پہلے تو یہ لوگ سمندر کی مسطح سطح کو ذوق و شوق سے دیکھتے رہے پھر ہر طرف سے پتھر لا لا کے اپنی خوشی کی یادگار میں ایک بڑا تودہ بنایا اور ہر شخص کو جو بہتر سے بہتر چیزیں میسر آئیں اس پر لا کے چڑھا دیں۔

اب ان لوگوں کی سخت ترین مصیبتوں کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اور آگے سفر کر کے زنو فون اپنے باقی ماندہ ہمراہیوں کے ساتھ جن کی تعداد ۸۶۰۰ سے کم نہ تھی۔ یونانی شہر بیزن ٹی ادم (موجودہ قسطنطنیہ) میں پہونچا اور خدا جانے کتنی ہی منزلیں قطع کر کے اور دشمنوں کی کتنی سرزمینوں کو طے کر کے یہاں پہونچا تھا۔ اس مُہم نے اہلِ یونان کو چاہے کتنا ہی پریشان کیا ہو مگر اس بات کو اُن پر آشکارا کر دیا کہ عیش پرست شاہنشاہی ایران باوجود اس عظمت و

جلال کے اصل میں گزر رہے ہے۔ اس سفر نے اُن میں بڑے سے بڑے سفر کرنے اور سخت سے سخت مہمیں اختیار کرنے کا حوصلہ پیدا کر دیا۔ اور اُن کے ذہن میں یہ خیال جوش زن ہوا کہ دارائے عجم کے لشکروں سے مقابلہ کر کے ہم کامیاب بھی ہو سکتے ہیں۔ اور یہی چیزیں تھیں جن کا ظہور چند روز بعد سکندر کی حملہ آوری سے ہوا۔

زے نے فون نے اپنے اس سفر کا ایک سفرنامہ لکھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی تاریخی کتابیں تصنیف کیں۔ چنانچہ وہ اس عہد کا سب سے بڑا مورخ تسلیم کیا جاتا ہے جس کی کتابیں آج تک موجود ہیں۔ اور ادب و قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔

فصل چہارم

تھیبیا والوں کی عظمت (۹۶۵ سنہ قبل محمدؐ سے ۹۳۳ سنہ قبل محمدؐ تک)

دولت ایران کے خلاف اسپارٹا کے بادشاہ آگےسی لاؤس نے ایک کوشش ۹۶۵ سنہ قبل محمدؐ میں کی تھی۔ ایشیائے کوچک کی یونانی نوآبادی نے اس بات کی کوشش شروع کی کہ ایرانیوں کی حکومت سے آزاد ہو جائیں اور اسپارٹا والوں کو اپنی مدد پر بلایا۔ آگےسی لاؤس حقیر و کم قد میں چھوٹا اور بچپن سے لنگڑا تھا۔ لیکن اسپارٹا میں جتنے سپہ سالار پیدا ہوئے۔ اُن سب سے زیادہ لائق وہی تھا۔ اور لی تورغوس کے قوانین و آئین کا نہایت سختی سے پابند تھا ایک ایرانی سردار جو مشورے کی غرض سے یونانی لشکرگاہ میں آیا تھا اسے سادے لباس میں زمین پر بیٹھے اور خشک روٹی اور بقولات کھاتے دیکھ کے متحیر ہو گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس ایرانی سردار کا بیٹا جو باپ کے ساتھ آیا تھا اس یونانی سپہ سالار کی سادگی اور جوابات میں اس کی قابلیت دیکھ کے اس کا اس قدر گرویدہ ہوا کہ باپ کے ساتھ واپس جانے سے رک رہا۔ اور آگےسی لاؤس سے درخواست کی کہ مجھے اپنا دوست بنائیے اور دلی محبت و اخوت قائم کرنے کے لئے اپنی تلوار اس سے بدل لی۔

اگے سی لاؤس دو سال تک ایشیا میں ٹھہرا رہا اور اس مدت میں اس نے بہت سی کامیابیاں حاصل کیں۔ لیکن وہ سب بے کار گئیں۔ کیونکہ انھیں دنوں اس کے وطن اسپارٹا کے خلاف ایک بڑی بھاری سازش ہو رہی تھی۔ کونون یعنی وہ سپہ سالار جو اگوس پوٹاموس کے میدان سے بھاگ کے اکیلا بچا تھا۔ ایرانی حاکم کے پاس پہونچا اور اُس کو یہ بات سمجھائی کہ ایشیا کی سلامتی کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ خود اسپارٹا والوں کے گھر میں اور اُن کے پاس پڑوس میں اُن کے دُشمن پیدا کر دیے جائیں۔ یہ کہہ کے اس سے اتنی رقم وصول کی جس سے اتینیہ کی شہر پناہ پھر تعمیر کی جا سکے۔ اس کے بعد گھر واپس آ کے اس نے تھے بیا والوں سے کمک حاصل کی اور اتینیہ کے گرد از سرِ نو قلعہ بندی کی اور اس شہر کو جو اسپارٹا والوں سے مغلوب ہو چکا تھا۔ پھر سر اُٹھانے کے قابل بنا دیا۔ اب دیگر اضلاع یونان نے اسپارٹا کے خلاف ایک لیگ قرار دی۔ اور شہر تھے بس جو آخر زمانہ میں بڑا زبردست ہو گیا تھا۔ اس لیگ کا سرغنہ قرار پایا۔ لیکن کورونیا کے میدان میں اگے سی لوس نے اُن تمام یونانی شہروں کی متحدہ فوجوں کو ایک فاش شکست دے دی۔ اس فتح کے ساتھ ہی اسپارٹا والے اُن تمام چھوٹے چھوٹے شہروں پر سخت مظالم کرنے لگے جو تھے بس کے زیرِ اثر تھے یا اُس سے وابستہ تھے اور اس کے بعد انھوں نے دغابازی سے قدمیا (یعنی قلعہ) پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور اس میں اپنی ایک فوج قائم کر دی جو شہر والوں کو نہایت ہی مہیب و خطرناک نظر آتی تھی۔

اُن دنوں یونان میں دو زبردست آدمی موجود تھے۔ ایک اپامی نونڈاس اور دوسرا پےلوپی ڈاس، یہ دونوں تھے بس کے رہنے والے تھے اور لڑائی کے میدان میں دونوں نے ایک دوسرے کی جان بچائی تھی اور اسی وقت سے باہمی خلوص و محبت پیدا ہو جانے کے باعث دونوں میں رابطۂ اتحاد قائم ہو گیا تھا۔ پےلوپی ڈاس دولتمند تھا۔ اور اپامی نونداس غریب و مفلوک الحال۔ لیکن پےلوپی ڈاس کہا کرتا

تھا کہ دُنیا میں آیامی نونڈاس ہی ایک ایسا شخص ہے جس سے اس کے دوست نے کبھی اس بات کی التجا نہیں کی کہ میری دولت لو اور اس کے معاوضہ میں میری مدد کرو۔" ادھر اسے پامی نونڈاس کی یہ حالت تھی کہ اُس کے دشمنوں نے جب اُسے سلطنت کی ایسی خدمات پر مامور کرنا چاہا جو ذلیل ترین خدمتیں سمجھی جاتی تھیں تو وہ انھیں ایسی دانائی اور قابلیت کے ساتھ بجالایا کہ اُس کے تقرر سے خود ان خدمات کی عزت بڑھ گئی۔

پی لوپی ڈاس نے اس بات کی ایک تدبیر نکالی کہ اپنی فوجوں کو مخفی طور پر شہر کے اندر پہونچا دے اور اسپارٹا والوں کے مورچے پر اچانک جا پڑے لیکن چونکہ یہ ایک ایسی تدبیر تھی جو اصول شرافت سے دور تھی۔ لہٰذا اپامی نونڈاس نے جس کا یہ شیوہ تھا کہ کبھی مذاق میں بھی کوئی جھوٹی بات زبان سے نہ نکالتا تھا۔ اس بات کو گوارا نہ کیا کہ ایسی نامردی کی کارروائی میں وہ خود کوئی حصّہ لے۔ مگر دوسرے بہت سے لوگوں کی مدد سے جنھیں ایسی کارروائیوں کے کرنے میں باک نہ تھا کامیابی حاصل ہو گئی۔

یہ کارروائی یوں عمل میں آئی کہ اسپارٹا کے مورچے کے سپاہی ایک دعوت میں بلائے گئے جہاں تھےبس کے سازشی زنانوں اور عورتوں کے بھیس میں آکے اُن سے ملے اور موقع پاتے ہی یکایک حملہ کر کے اُن سب کو قتل کر ڈالا۔ اور شہر تھےبس پر پھر قابض و متصرف ہو گئے۔

تھےبس اب پھر آزاد تھا۔ اور اپامی نونڈاس نے ایک فوج کی سپہ سالاری کر کے شہر لے اُکٹرا میں اسپارٹا والوں کو شکست بھی دے دی۔ اسپارٹا والوں کی فوج کا افسر اُن کا دوسرا بادشاہ کلے ادم بروٹوس تھا۔ اس فتح کے بعد جب چاروں طرف سے لوگ اپامی نونڈاس کی تعریفیں کر رہے تھے وہ بولا" مجھے تو سب سے بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ میرے باپ یہ خبر سن کے کیسے خوش ہوئے ہوں گے۔" اسی وقت سے تھےبس یونان کا صاحب حکومت شہر بن گیا۔ اور جب تک اپامی نونڈاس وہاں کے معاملات کا

متکفل اور قوم کا سر غنہ رہا۔ عقلمندی، عدل پروری اور سرسبزی کے ساتھ حکومت ہوتی رہی لیکن تھیبس کی عظمت ایامی نونڈاس کی زندگی کا پورا ساتھ نہ دے سکی۔

۳۶۲ قبل محمدؐ میں شہر مان تی نیا کے متعلق جو علاقہ آرتا ویا میں واقع ہے ایک نزاع پیدا ہوئی۔ اور اس کی شہر پناہ کے سامنے ہی اسپارٹا اور تھیبس والوں نے باہم میدان کارزار گرم کیا۔ اس میدان میں فتح تو ایامی نونڈاس ہی کو نصیب ہوئی مگر ابھی لڑائی کا آغاز ہی تھا کہ وہ سینہ پر ایک تیر کھا کے گرا۔ تیر سینے کے اندر پیوست ہو گیا تھا لوگ اُسے میدان جنگ سے اُٹھا کے ایک چھوٹی پہاڑی پر لے گئے جہاں پہونچتے ہی اس نے پہلا سوال یہ کیا کہ "میری ڈھال تو نہیں ٹوٹی؟ وہ صحیح و سالم ہے؟" جب رفیقوں نے ڈھال اس کے سامنے لا کے پیش کر دی تب اس نے لوگوں کو اپنے زخم کا معائنہ کرنے کی اجازت دی۔ تیر ابتک زخم میں پیوست تھا۔ اور لوگ ڈر رہے تھے کہ اگر تیر نکالا گیا تو اتنا خون بہہ جائے گا کہ اس کا جان بر ہونا دشوار ہو گا۔ تمام خدام و رفقا گرد کھڑے رو رہے تھے اور اسی اندیشے سے کسی کو تیر کھینچنے کی جرات نہ ہوتی تھی اور خود اس کی یہ حالت تھی کہ گویا اس زخم کا خیال بھی نہ تھا۔ نہایت خاموشی اور متانت کے ساتھ مژدۂ فتح سننے کا انتظار کر رہا تھا۔ اتنے میں اس کے لوگوں نے نعرۂ فتح بلند کیا اور ہر طرف سے فتح و نصرت کی مبارکباد سُنی جانے لگی۔ مژدۂ فتح سنتے ہی جوش میں آ کے اس نے تیر کو زور سے پکڑ کے خود کھینچ لیا۔ ساتھ ہی خون کے فوارے بہنے لگے اور دم بھر میں وہ دُنیا سے رخصت ہو گیا۔ اور اپنے بعد اپنی زندگی کو عجیب و غریب استقلال فارغ البالی اور قومی محبت کا نمونہ بنا کے چھوڑ گیا۔

اس کے مرنے کے دوسرے ہی برس آگے سی لاؤس باوجودیکہ اسّی برس کا بڈھا تھا۔ ایرانیوں کے مقابلے کے لئے لشکر لے کر مصر گیا جہاں پہونچ کے بیمار ہوا اور یہی مرض اس کا مرض موت ثابت ہوا۔

ساتواں باب

شاہنشاہی مقدونیہ (سنہ ۹۲۰ قبل محمدؐ سے سنہ ۹۰۵ قبل محمدؐ تک)

فصل اوّل

مقدونیہ کا فیلقوس (سنہ ۹۳۰ قبل محمدؐ سے سنہ ۹۰۷ قبل محمدؐ تک)

مان ٹی نیا کی لڑائی کے بعد یونان میں برابر جھگڑا قائم رہا۔ اور آخر کار سب سے اوّلی درجہ کی قوت و عظمت پھر شہر ایتھنیہ نے حاصل کر لی۔ لیکن اسی اثنا میں یونان کے ایک شمالی علاقہ نے جو مقدونیہ کہلاتا اور مطلقاً وحشی و غیر متمدّن تصور کیا جاتا تھا۔ ایسی زبردست قوت پیدا کر لی۔ جو یونان کے تمام علاقوں اور شہروں کے لئے خطرناک تھی۔ یہ سلطنت پہلے بھی تھی مگر کسی شمار و قطار میں نہ تھی۔ اب اس نے عروج حاصل کیا تو سب شہر اپنے پرانے حریفوں کو بھول گئے اسے خوف کی نظر سے دیکھنے لگے۔ یہاں کا حکمران فیلقوس جو ایک مدت دراز کی جلاوطنی کے بعد سنہ ۹۳ قبل محمدؐ میں تاج و تخت کا مالک ہوا تھا بڑا مدبّر اور تجربہ کار شخص تھا۔ وہ زندگی کا ایک بڑا حصہ تھیبس میں خرچ کر چکا تھا جہاں اُس نے فنونِ جنگ اور تدبیر مملکت کی تعلیم اپامی نونڈاس کے ایسے مشہور و معروف افسر اور مدبّر سے پائی تھی۔ فیلقوس کو سب سے بڑی آرزو اس بات کی تھی کہ لوگ اسے یونانی تسلیم کریں۔ اور اس کا شمار سربرآوردگان یونان میں کیا جائے۔ اس نے یونان کے سربرآوردہ لوگوں کو بلا بلا کے اپنے پاس جمع کیا اور جب اُلم پیا کی دوڑ میں اس کی رتھ جیتی اور اسے کامیابی کا انعام ملا تو اس نے حکم دیا کہ سارے مقدونیا میں خوشی منائی جائے۔ وہ نہایت ہی چالاک شخص تھا اور اسے ذرا بھی پروا نہ تھی کہ حصول کامیابی کے ذریعہ منصفانہ و شریفانہ ہوں، جائز ہوں یا ناجائز

اُس کے اصلی مقصد دو تھے۔ ایک یہ کہ سارے یونان کو اپنے قبضے میں کر لے۔ اور دوسرے یہ کہ سلطنت ایران کو فتح کرے۔ پہلی آرزو میں تو اسے پوری کامیابی ہوئی مگر دوسرے مقصد کے لئے اس نے پورا سامان تیار کر لیا تھا کہ عمر نے وفا نہ کی۔ اور اُسے اپنے بیٹے سکندر کے لئے چھوڑ گیا۔

یہ بہت بڑے کام تھے جن کے لئے اُسے اپنے یہاں اچھے اچھے افسر بھی تیار کرنا تھے اور بڑی زبردست فوج بھی مرتب کرنا تھی جس کا سرانجام اس نے یوں کیا کہ نوجوان شریف زادوں کو دور دور سے لا کے اس نے اپنے دربار میں جمع کیا اور ان کو فنون جنگ کی تعلیم دی۔ اس تدبیر میں اُسے پوری کامیابی حاصل ہوئی اور چند ہی روز میں اس کے پاس ایک بڑا زبردست لشکر موجود تھا۔ جو فوج اس نے تیار کی اس کی اصلی قوت ایک پلٹن سے تھی جس میں چھ ہزار پیدل سپاہی تھے یہ سب یونانی مذاق و اُصول کے مطابق پورے اسلحہ سے آراستہ تھے۔ چوبیس چوبیس فیٹ کے لمبے نیزے اُن کے ہاتھوں میں تھے۔ جب ان سپاہیوں کی صفیں اُصول جنگ کے مطابق مرتب کی جاتی تھیں تو اگلی چار صفوں کے نیزے آگے کی طرف جھکے رہتے۔ ہر صف سے دوسری صف تک مناسب فاصلہ رہتا۔ اور سب سے اگلی صف کے اور دشمن کے درمیان چار نیزوں کی مسافت رہتی۔ جس وقت وہ آگے مارچ کرتے، ان کی ڈھالیں اس طرح ایک دوسرے سے ملی رہتیں کہ اُن کی صفوں میں سے گزر جانا غیر ممکن تھا۔

فیلقوس کی یہ تدبیریں جو اہل یونان کے خلاف تھیں جیسے ہی ظاہر ہوئیں، سب لوگوں میں کھلبلی پڑ گئی۔ اور ہر ایک میں یہ جوش پیدا ہوا کہ فیلقوس کی ان کارروائیوں کو روکا جائے۔ خاصۃً شہر ایتھنز میں جہاں اس عہد کا بڑا جادو بیان ڈے موس تھے نس ڈیما ستھینز، موجود تھا جو ہم وطنوں کو اپنی آزادی برقرار رکھنے پر ہمیشہ آمادہ کرتا رہتا اس

فصیح و بلیغ شخص نے بڑی دشواریوں کا مقابلہ کر کے اور بڑی سختیاں جھیل کے اپنے آپ کو اعلیٰ درجہ کا فصیح البیان بنایا تھا۔ اس کی زبان میں خلقی طور پر لکنت تھی اور بات کرنے میں مہمل غل بل کرتا رہتا تھا۔ اپنے اس گویائی کے عیب کو اس نے یوں دور کیا کہ منھ میں سنگ ریزے بھر کے تقریر کرتا۔ سمندر کے کنارے کھڑے ہو کے زور زور سے تقریریں کرنے کی مشق کرتا جہاں موجوں کی تلاطم سے ہر وقت ایک شور ہوتا رہتا اور کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی۔ تاکہ جس مجمع میں لوگوں نے سخت شور و ہنگامہ مچا رکھا ہو اپنی آواز کو سب پر بلند اور غالب کر سکے۔ آخر جادو بیانی کے کمال میں اسے یہاں تک کامیابی حاصل ہوئی کہ ایتھنہ والوں کے دلوں پر اکثر حاکم و متصرف رہتا اور اس کا نام آج تک دنیا کے ایک اوّل درجہ کے فصیح البیان کی حیثیت سے لیا جاتا ہے اور اس کی فی لکس یعنی وہ تقریریں جو فیلقوس کی مخالفت میں تھیں، اس وقت جادو بیانی کا بہترین نمونہ تسلیم کی جاتی ہیں۔

آخر سنہ ۹۰۷ قبل محمدؐ میں شہر کرونیا کے پاس فیلقوس، ایتھنیہ اور تھیبس کی متحدہ فوجوں سے بڑی بھاری لڑائی ہوئی۔ اس میدان میں تھوڑی دیر کے لئے ایتھنیہ والوں نے اپنے آپ کو کامیابی کے قریب پہونچا لیا تھا لیکن اس غلبہ سے انھوں نے ایسی بری طرح کام لیا کہ فیلقوس نے اپنے سپاہیوں سے پکار کے کہا: "ان لوگوں کو نہیں معلوم کہ کیوں کر فتحیاب ہوتے ہیں"! یہ کہہ کے ناگہاں زور شور سے حملہ کیا اور نہایت خوں ریزی کے بعد انھیں شکست دے دی۔ بس اسی کرونیا کی لڑائی پر یونانیوں کی آزادی کا خاتمہ ہو گیا۔ کیونکہ پھر اس کے بعد سے سارا ملک یونان فیلقوس کے زیر فرمان تھا۔ اس بات کی بہت کچھ کوشش کی گئی کہ مقدونیہ کی اطاعت کا جوا گردن پر سے اتار کے پھینک دیا جائے اور کھوئی ہوئی عظمت و شوکت پھر حاصل کی جائے۔ مگر کامیابی نہ ہونا تھی نہ ہوئی۔ جس کا اصلی سبب یہ تھا کہ یونانی اپنی

مسلسل مخالفتوں اور باہمی لڑائیوں کی وجہ سے کوئی مستقل سلطنت نہیں قائم کر سکے تھے۔

یونان پر قبضہ کرنے کے بعد مقدونیہ کے بادشاہ نے اپنی دوسری آرزو پوری کرنے کا سامان شروع کیا۔ لشکروں، کو جمع اور مرتب کر رہا تھا اور اپنی قوت بڑھاتا جاتا تھا کہ ۹۰۵ سنہ قبل محمدؐ میں اس کی بیٹی کی شادی کی تقریب پیش آئی۔ اس شادی کی دعوت میں وہ اہلِ دربار کے مجمع میں تھا کہ ناگہاں ایک مقدونی الاصل نوعمر رئیس زادے نے خدا جانے کس جوش میں حملہ کر کے اسے مار ڈالا۔ اس واقعہ پر گرد کی محافظ فوج کو اس قدر طیش آیا کہ سبھوں نے اس نوجوان کو گھیر کے فوراً قتل کر دیا کہ یہ بھی نہ کھلنے پایا کہ فیلقوس کے قتل کرنے میں اس کی کیا غرض تھی۔

فصل دوم

سکندر اعظم ایشیائے کوچک میں (۹۰۵ سنہ قبل محمدؐ سے ۹۰۴ سنہ قبل محمدؐ تک)

فیلقوس کے بعد اس کا بیٹا سکندر وارث تخت و تاج ہوا جو تاریخ میں سکندر اعظم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اُس کی ماں اِپی پائی رس کی شہزادی اَلم پیاس تھی جس وقت وہ سریر شہریاری پر جلوہ آرا ہوا ہے۔ اس کی عمر بیس برس کی تھی اس کی پیدائش کے دن قدرت الٰہی کا یہ عجیب تماشا نظر آیا تھا کہ شہر افسوس کے بڑے بت خانے میں ایسی آگ لگی کہ جل کے خاک کا تودہ ہو گیا۔ اس آگ کا باعث بھی عجیب و غریب تھا یعنی آسے روس تراتوس نام ایک شخص نے اس خبط میں آگ لگا دی کہ اتنے بڑے بتخانے میں آگ لگانے کی وجہ سے میرا نام دنیا میں ہمیشہ کے لئے مشہور ہو جائے گا۔ سکندر نے اپنے اس واقعہ سے اپنی مبارک فالی کا یہ شگون لیا کہ میرے ہاتھوں سے سرزمین ایشیا میں آگ بھڑک اُٹھے گی۔

سکندر باپ کی طرف سے اپنا سلسلۂ نسب ہرکیولیس تک پہونچاتا تھا۔ اور ماں کی طرف سے آچیلیس تک بچپن کے زمانہ میں اُسے شاعری سے شوق تھا۔ پُرانی شاعری ہی کے عالم میں رہا کرتا اور جب سوتا تو ہومر کے تصانیف اُس کے سرہانے تکیہ کے نیچے ہوتے۔ جس کا یہ نتیجہ تھا کہ خواب بھی دیکھتا تو ایسے واقعات پیش نظر ہو جاتے جو معرکہ کارزار میں اسے محاصرہ ٹرائے کے نام وروں کا ہم پلہ وہم رتبہ ثابت کرتے۔ اسے بارہا نظر آیا کہ میں اُن نام وروں کی شہرت کا مقابلہ کر رہا ہوں۔ شہرادستاغی رہ کے فلسفی ارسطاطالیس کے زیر تربیت اُس کی تعلیم ہوئی تھی۔ اس کی ولادت کے وقت فیلقوس نے جو خط اس نام ور حکیم کے پاس بھیجا تھا اس میں یہ الفاظ لکھے تھے کہ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس بات پر زیادہ خوش ہوں؟" آیا اس بات پر کہ خدا نے مجھے فرزند دیا یا اس بات پر کہ اس بچہ کو ارسطو کا سا معلم نصیب ہوا؟"

ارسطو کی تعلیم کی یہ برکتیں تھیں کہ نوعمر و نوخیز سکندر جب کوئی کام کرتا تو خوب سوچ سمجھ کے اور بخوبی غور کر کے کرتا۔ جس بات کا ارادہ کر دیتا تو پھر اس پر استقلال سے قائم رہتا اور حکمرانی کی مناسب تدبیروں کا پابند رہتا۔ دیگر فنون میں اس نے دیگر اُستادوں کی تعلیم سے کمالات حاصل کئے اور خاص اپنے باپ کی صحبت و تربیت نے اُس میں یہ جوہر پیدا کیا تھا کہ جس کام کو شروع کرتا اُس میں پوری مستعدی سے توجہ کرتا۔ چودہ برس کی عمر میں اس نے اپنے خاص گھوڑے بوتے فالوس کو سدھا کے اس قدر مانوس کر لیا کہ اس کی سواری میں تو بالکل مطیع و منقاد رہتا مگر اور کسی شخص کو کبھی اس کی پیٹھ پر جانے کی جرات نہ ہو سکی۔ ابھی چودہ ہی سال کا تھا کہ اہل سائی دیا کی لڑائی میں اُس نے اپنے باپ کو قتل ہونے سے بچایا۔ اور کمالِ شجاعت دکھا کے گویا موت کے دہانے سے نکال لایا۔ اور بیچے رونیا کے معرکے میں سارے سواروں اور رسالوں کا افسر وہی تھا۔ باوجود ان سب باتوں کے تخت نشینی کے وقت اس قدر کم سن تھا کہ یونانیوں کو خیال گزرا اب

ہمیں مقدونیہ والوں سے کوئی اندیشہ باقی نہیں رہا۔

فیلقوس کے مارے جانے پر ایتھنیہ میں بہت ذلیل قسم کی خوشیاں منائی گئیں ۔ ڈےموس تھےنس ۔ کی ایک بیٹی اگرچہ عین اسی زمانے میں مری تھی ۔ مگر وہ سر پر ایک پھولوں کا تاج پہن کے خوش خوش اہل اتھینیہ کے مجمع عام میں آیا اور فیلقوس کے مارے جانے کی خوشخبری سُنائی یہ ایسی باتیں تھیں جن سے بدگمانی ہو سکتی تھی کہ اس کے قتل کی سازش میں یہ ضرور شریک ہوگا ۔ مگر اس کی یہ سب خوشیاں بے کار گئیں کیونکہ تھےبس والوں نے جیسے ہی بغاوت کے لئے ہتھیار اٹھائے سکندر بجلی کی طرح آپہونچا تھےبس کی شہر پناہ مسمار کر دی ۔ بہت سے اہل شہر کو قتل کیا ۔ اور پھر سارے شہر کو تباہ و برباد کر کے اس کا نام ہی صفحۂ ہستی سے مٹا دیا ۔ یہ رنگ دیکھتے ہی یونان کی اور سب ریاستوں کے وضو ٹھنڈے ہو گئے اور کسی کو چوں کرنے کی جرات نہ ہوئی ۔ اور ایسے حوصلے پست ہوتے ہی سکندر کو موقع مل گیا کہ نہایت اطمینان فارغ البالی سے دولت عجم پر چڑھائی کرے ۔

چنانچہ ۹۰۵ قبل محمدؐ کے موسم بہار میں اس نے آین ٹی پاٹر کو اپنا والی اور نائب السلطنت بنا کے مقدونیہ میں چھوڑا اور تیس ہزار پیدل فوج اور ۴۵۰۰ سوار دل کو ہمراہ رکاب لے کے وطن کو خیرباد کہی ۔ جس کی صورت دیکھنا پھر اُسے نہ نصیب ہو ۔ ہےبس پانٹ (آبنائے باسفورس) کے پاس یورپ کو چھوڑ کے ایشیا میں داخل ہوا اور پہلا شخص تھا جو فاتحانہ اوالعزمی کے حوصلے دل میں لئے ہوئے یورپ سے نکل کے ایشیا میں آیا ۔ اُس کی فوجیں ابھی ساحل پر اتر ہی رہی تھیں کہ وہ اس مقام کی زیارت کو چل کھڑا ہوا جسے مدت ہائے دراز تک خواب میں دیکھتا رہا تھا ۔ یعنی وہ گاؤں جو پُرانے شہر ٹرائے کے مقام پر آباد تھا ۔ یہاں اس نے اےچل لیس کی قبر پر قربانی چڑھاوی ۔ اور وہاں سے ایک ڈھال جو دیوار پر آویزاں تھی اتار لی جس کی نسبت کہا جاتا

تھا کہ فاتحان یونان کی پرانی یادگار ہے۔ اور دل میں تہیہ کیا کہ اس ڈھال کو ہر لڑائی میں ہمیشہ اپنے آگے رکھا کروں گا۔

اب یہاں سے اس نے باسفورس کے ساحل ہی ساحل مشرق کی طرف کوچ کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ دریائے غرانی قوس کے قریب پہونچ کے دارائے عجم کے لشکر کا سامنا ہوا جو نہر مذکور کے اُس پار صف آرا تھا۔ اور شہریار ایران کا نائب ممنون اس لشکر کا سپہ سالار تھا۔ حملہ کی ابتدا اسکندر نے خود اپنی طرف سے کی اور مع اپنے جاں باز سواروں کے زور شور سے اپنے گھوڑے بیچ دھارے میں ڈال دئیے۔ موجوں سے لڑ بھڑ کے پار پہونچے تو دشمن کے سپاہیوں نے یورش کر دی جو کسی طرح زمین میں قدم نہ جمانے دیتے تھے۔ مگر سکندر نے شجاعت و دلیری سے ایک جگہ پر قبضہ کر ہی لیا۔ اتنی دیر میں اس کا پیدل لشکر بھی پار اُتر آیا۔ اس کے پہونچتے ہی سب نے ایرانیوں پر ایسی سختی سے حملے شروع کر دئیے کہ بہت ہی جلد سکندر کو پوری فتح حاصل ہوئی اور ایرانی بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس فتح کے ساتھ ہی اطراف و جوانب کے سارے ملک پر سکندر کا قبضہ ہو گیا اس علاقہ پر قابض ہونے کے بعد اُس نے اپنا رخ بدل دیا اور اب وہ بحیرۂ ایجین کے کنارے کنارے چلا۔ اور جو شہر راستہ میں پڑا اس پر قابض و متصرف ہوتا گیا۔ اس کارروائی میں اس کا سب سے زیادہ اہم مقصد یہ تھا کہ ایرانیوں کے تعلقات اُن کی بندرگاہوں سے منقطع کر دے۔ تاکہ وہ اپنی بحری قوت اور اپنے جہازوں کے بیڑوں سے فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ایرانیوں کا بیڑہ اس قدر زبردست تھا کہ سکندر کے لشکریا اس کی قوت کو اس سے کوئی نسبت نہ تھی۔ چنانچہ اسی اندیشہ سے سکندر کو اپنی اس ساری مہم میں ایک بار بھی بحری لڑائی کی جرات نہ ہوئی۔

سکندر کا یہ سفر جو ایشیائے کوچک کے مغربی و جنوبی سواحل پر ہوا اس میں مع

اس لڑائی کے جو ملک کے اندرونی حصہ میں ہوئی تھی۔ پورا ایک سال صرف ہو گیا اور
موسم گرما کی ابتدا میں وہ علاقہ قی لی قیا کے شہر طرطوس میں پہونچا۔ اور کچھ تو گرمی اور کچھ
تھکن سے وہ ایسا خستہ و پریشان ہو رہا تھا کہ شہر میں داخل ہوتے ہی دریائے قدنوس کے
ٹھنڈے پانی میں نہا لیا۔ اس بے اعتدالی سے اسے شدید تپ آگئی جس کی حدت اور
شدت اس بلا کی تھی کہ اس بیماری نے اس کی صحت جسمانی میں ہمیشہ کے لئے گھن لگا دیا
اس موقع پر کسی دوست نے ایک خط کے ذریعہ سے اطلاع دی کہ "آپ کا طبیب فلپ
شاہ ایران سے ملا ہوا ہے جو روپیہ دے کے اس بات پر راضی کر لیا گیا ہے کہ دوا کے
بہانے آپ کو زہر دے دے"۔ اس خط کو سکندر پڑھ ہی رہا تھا کہ وہی طبیب فلپ
اس کے پلانے کے لئے دوا بنا کے لایا۔ سکندر نے اس کی صورت دیکھتے ہی خط تو
اس کے ہاتھ میں دے دیا اور دوا کا کٹورہ اس سے لے کے منھ سے لگا لیا اور قبل
اس کے کہ فلپ اپنی بے گناہی کے متعلق ایک لفظ بھی زبان سے نکالنے پایا ہو بے تکلف
دوا کو پی گیا۔ بخار تین ہی دن کے اندر جاتا رہا اور وہ اس قابل ہوا کہ فوج کی سرداری
کرے خوش قسمتی سے بیماری کے زمانے میں فوج کشی کی کوئی ضرورت بھی نہیں پیش آنے
پائی۔ تیسرے دن جب فوج کے ساتھ مقابلہ کو چلا ہے تو دارائے قدماتوس خود اپنے
لشکر کو لے کے میدان میں صف آرا ہو چکا تھا۔

لشکر عجم اس میدان میں عجیب شان و شوکت اور تزک و احتشام سے آیا تھا۔ سب
کے آگے آگے ایک گروہ اُن لوگوں کا تھا جن کے ہاتھوں میں چاندی کی زرق برق
انگیٹھیاں تھیں۔ جن میں زرتشتیوں کی مقدس و محترم آگ روشن تھی۔ اس گروہ کے
پیچھے سب سے بڑا مقتدائے ملت مجوس تھا۔ اس کے ہمراہ ۳۶۵ خوشرو نوجوان گلنار
کپڑے پہنے ہوئے تھے جو برس کے ۳۶۵ ایام کے مظہر و قائم مقام تصور کئے جاتے
اس کے بعد سورج کی رتھ جو مظہر نور و یزدانی تھا رتھ تھی اور اسے اس کے خاص خادم

گھوڑوں پر سوار اپنے جھرمٹ میں لیے ہوئے تھے۔ اس رتھ کے جلوس کے بعد عجمی لشکر تھا۔ خاص شاہی گارڈ کے نیزوں کی شامیں سونے کی تھیں۔ ان کا لباس سفید تھا۔ اور مرصع چار آئینہ سینوں پر لگے ہوئے تھے۔ اس کے بعد اور جماعت اس سے کم نمود و شان کی تھی۔ مگر یہ ساری دھوم دھام بجائے لڑائی کے جلوس کی شان دکھانے کے لئے موزوں تھی۔ خود دارائے عجم ارغوانی خلعت پہنے ہوئے تھا جس میں کثرت سے جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔ اور جگ مگ جگ مگ کر رہے تھے۔ وہ اپنے اس لشکر کے عین درمیان میں ایک رتھ پر سوار تھا جس پر جا بجا سونے کا کام تھا۔ اگرچہ لڑنے کے لئے میدان جنگ میں آیا تھا مگر اس کی ماں سسی گم بیس۔ اس کی خاص ملکہ۔ اس کی محترم بیٹیاں چند اور شاہی خاندان کی خواتین اور ان کے ساتھ کی لونڈیوں، باندیوں کا ایک کثیر التعداد گروہ اس کے ہمراہ تھا۔ اس فضول و بے نتیجہ گروہ نے شہر اِسّوس کے ایک اونچے ٹیکرے پر پڑاؤ ڈالا۔ جہاں وہ چاروں طرف سے سنگستانی چٹانوں میں اس قدر گھرے ہوئے تھے کہ اپنی تعداد کی کثرت سے بہت ہی کم فائدہ اُٹھا سکتے تھے اور اسی سبب سے ان پر جلدی قابو پانے اور غلبہ حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ دارائے جیسے ہی دیکھا کہ لڑائی ہاتھ سے گئی اپنی رتھ کا رُخ پھیر دیا اور میدان سے جان بچا کے نکل گیا۔ اپنے خاندان اپنی ماں بیٹیوں کو تو دشمن کے قبضہ میں چھوڑا اور خود جلدی جلدی بھاگتے ہوئے جا کے بابل میں دم لیا تاکہ دوسری فوج جمع کرے۔

سکندر اعظم اپنے حریف دارا کی ماں، بی بی اور بچوں کے ساتھ بہت ہی ادب و تعظیم سے پیش آیا۔ اُن کے حال پر نہایت ہی مہربانی و شفقت ظاہر کی، اور اپنے ایک معزز سردار کو بھیج کے انھیں یقین دلایا کہ "آپ سب میری حمایت میں ہیں"۔ اور دوسری صبح کو اپنے ہمسن دوست ہے فیس ٹیون کو ساتھ لے کے اُن خاتونوں کی ملاقات

کو گیا۔ سکندر کے چہرے سے اگرچہ شرافت برستی تھی اور خوشرو خوش جمال بھی تھا طاقت اور پھرتیلے پن کے لحاظ سے بھی اس کا جسم اچھا تھا مگر قد چھوٹا تھا۔ اور اس کے مقابل ہے فیس ٹیون کشیدہ قامت اور بلند و بالا تھا۔ لباس کے اعتبار سے بھی سکندر کے کپڑے بہت سادے تھے۔ الغرض ان دونوں رفیقوں کے ساتھ دیکھ کے دارا کی ماں سی سی گم بیس غلطی سے ہے فیس ٹیون کو بادشاہ مقدونیہ اور اپنا فاتح سکندر سمجھی اور دوڑ کے اس کے سامنے زمین پر گر پڑی۔ لیکن ساتھ ہی اسے معلوم ہوا کہ میں جس کے قدموں پر گری ہوں وہ سکندر نہیں کوئی اور ہے گھبرا کے نادم ہو گئی۔ سکندر نے بڑھ کے اُسے اپنے ہاتھ سے اُٹھایا۔ اور کہا۔ "دراصل آپ سے غلطی نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ مجھ میں اور ان میں کوئی فرق نہیں۔ ہے فیس ٹیون بھی سکندر ہی کا ایک دوسرا پیکر ہے۔" سی سی گم بیس سے اس نے ماں کہہ کے خطاب کیا اور اسے ہمیشہ ان ہی کے لفظ سے یاد کیا کرتا۔ اور یہاں تک اس کا ادب کرتا کہ جب تک وہ بے حد اصرار نہ کرتی۔ اس کے سامنے بیٹھتا تک نہ تھا۔ اور ہر بات میں اس کے ساتھ ایسے ادب و تعظیم اور مروت و اخلاق کو کام میں لاتا کہ سی سی گم بیس کو اپنے اصلی بیٹے سے یہ دوسرا منہ بولا بیٹا زیادہ عزیز ہو گیا۔

فصل سوم

فلسطین اور مصر کی فتح (سنہ ۹۰۵ قبل محمدؐ سے سنہ ۹۰۳ قبل محمدؐ تک)

سکندر نے اپنی ان تدابیر کے سلسلہ میں کہ پہلے دارائے عجم کی بحری قوت کو غارت و تباہ و برباد کر دیا جائے۔ دوسری یہ کارروائی کہ سطوت و جبروت کے ساتھ فنیقی لوگوں کی سرزمین میں داخل ہوا۔ وہاں پہونچ کے دیکھا تو نظر آیا کہ پُرانا شہر زدون تو اس کے آگے سر اطاعت جھکانے کو تیار ہے۔ مگر شہر طائر کے لوگوں نے سرتابی

کی اور کہا کہ "ہم تو سکندر کو اپنے شہر میں قدم نہ رکھنے دیں گے" موجودہ طائر جو بخت نصر کے ہاتھ سے تباہ ہونے کے ستّر برس بعد آباد ہوا تھا۔ ایک جزیرہ کی شان سے پانی کے اندر واقع تھا اور ساحل شام سے تقریباً نصف میل کی مسافت پر تھا۔ اس کے اندر بہت سے ایسے سورما اور شجاع موجود تھے جو اپنے شہر کے پانی کے اندر ہونے اور نیز اپنی سپہ گری کے باعث اپنے آپ کو ہر ایسے حملہ آور کے مقابلے میں جس کے پاس جہازوں کا بیڑا نہ ہو بالکل بے خوف اور امن و امان میں سمجھتے تھے۔

مگر سکندر ایسا شخص نہ تھا کہ کوئی سخت سے سخت دشواری بھی اُس کی سدِّ راہ ہو سکے پہلے تو اس نے یہ ارادہ کیا کہ ساحل سے اس شہر تک وقتی ضرورت کے لئے ایک راستہ بنالے۔ مگر اس بارے میں جتنی کوششیں کی گئیں۔ ان سب کو طائر والوں نے غارت و بے کار کر دیا۔ جب یوں کوئی زور نہ چلا تو سکندر شہر زودن میں چلا گیا۔ جہاں سے اس نے جہازوں کا ایک بیڑا فراہم کیا۔ اس بیڑے کو لے کے واپس آیا اور شہر طائر کا محاصرہ کر لیا۔ سات مہینہ کی محصوری کے بعد طائر والوں نے بے دست و پا ہو کے ہتھیار رکھے اور سکندر بھی اس قدر غصہ میں بھرا ہوا تھا کہ شہر میں داخل ہوتے ہی سخت ظالمانہ خوں ریزی کر کے اپنی اعلیٰ فتحمندیوں کے دامن میں بدنامی کے دھبے لگا لئے۔ جو لوگ مارے جانے سے بچے لونڈی غلام بنا لیے گئے اور سوا اُن چند خاص لوگوں کے جنھیں زودن والوں نے کوشش کر کے اپنے جہازوں میں چھپا لیا تھا۔ قتل و اسیری سے کوئی نہ بچا۔ یہی اس عظیم الشان تاجرانہ شہر کا آخری انہدام تھا جس کے بعد پھر وہ کبھی نہ پنپ سکا اور جس کی حضرت اشعیا اور خرقیل پیغمبروں نے پہلے سے خبر دے دی تھی۔

طائر کے تباہ کرنے کے سکندر نے ارض فلسطین کے دیگر اضلاع کا رُخ کیا اور اس ارادے سے چلا کہ شہر بیت المقدس کے لوگوں کو سزا دے جو دارائے عدم کی وفاداری کا دم بھر رہے تھے۔ اور اس وقت تک اس کے آگے سرِ اطاعت

جھکائے ہوئے تھے۔ اسی قدر نہیں اِن لوگوں نے اسی بنیاد پر سکندر کو رسد پہنچا لے سے بھی انکار کیا تھا۔ سکندر جیسے ہی یروشلم کے قریب پہونچا اور اس کی آمد آمد ہوئی یہود نے حرم ربانی میں جمع ہو کے یہ عجز و الحاح دعا کی کہ بار الٰہا ہمیں اس آفت سے بچا اور بتا کہ اس موقع پر کیا کریں"۔ فوراً ان کے مقتدائے اعظم یدوا کے دل میں الہام ہوا کہ اپنے شہر کے پھاٹک کھول دو اور اپنا مقدس لباس پہنے ہوئے جا کے اس یونانی فاتح کا استقبال کرو"۔ تمام یہود نے اسی اشارۂ ربانی پر عمل کیا۔ یدوا ان حضرت ہارون کی وضع میں سفید کپڑے پہنے ساری قوم کا دینی و دنیوی سردار بنا ہوا۔ اور تمام مقتدایان و اراکین ملتِ اسرائیلی کو اپنے جلوس میں لیے ہوئے عین اس وقت شہر سے نکل کے چلا جب کہ سکندر اور اس کے یونانی سرداروں نے پہاڑی کی بلندی پر چڑھ کے شہر یروشلم کا قصد کیا تھا۔ اس اسرائیلی گروہ سے ملتے ہی سکندر نے ہیکل سلیمانی کی تعظیم کے لئے سر جھکا دیا۔ پھر ان سب کے ساتھ اور مقتدایانِ یہود کے گروہ میں ملا ہوا حرم ربانی میں حاضر ہوا۔ اور یہاں کے آداب کے مطابق قربانی کی اس کارروائی کے بعد اس نے صرف اسی قدر نہیں کیا کہ یہود کی جان بخشی کی بلکہ اُن کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آیا۔

یروشلم میں داخل ہونے اور مقتدائے بنی اسرائیل سے ملنے کے بعد سکندر نے اپنے مقدونی سرداران فوج سے بیان کیا کہ مقدونیہ سے روانہ ہونے کے پہلے میں نے خواب میں ایک مقدس شخص کو دیکھا تھا جس کی صورت ہو بہو اس مقتدائے یہود یدوا کی سی تھی۔ اور اس نے مجھے خواب میں اقبال مندی اور فتوحات کی خبر دی تھی۔ واقعی حیرت کی بات ہے کہ سکندر کو اپنی فتوحات کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے ہی ایک خواب کے ذریعہ سے اپنی تمام فتحمندیوں کا حال معلوم ہو گیا تھا اور اس سے بھی بڑھ کے قابل حیرت یہ بات ہے کہ انبیائے سلف کی پیشین گوئیوں میں جس طرح

بخت نصر یا سائرس کے نام بتائے گئے تھے اسی طرح مقدونیہ کے فاتح اعظم سکندر کا نام بھی بتا دیا گیا تھا۔ دونوں ماسبق فاتح بخت نصر اور سائرس پہلے ہی اس منتخب قوم کے سامنے پہونچے انھیں معلوم ہوگیا کہ ہمارے متعلق پیشین گوئی ہو چکی ہے۔ اب سکندر کی باری آئی تو یہودا نے سامنے آکے اُسے حضرت دانیال کی پیشین گوئی سُنائی جس میں سکندر بکرے کے لقب سے یاد کیا گیا تھا (اور بکرا ہی مقدونیہ والوں کا خاص قومی شعار اور مارکہ تھا) اس پیشین گوئی کے الفاظ یہ تھے " بکرا جو مغرب سے آیا اور اس نے مینڈھے کو پامال کر ڈالا۔ اُس کے سینگ توڑ دیے اور اسے زمین پر گرا کے پاؤں سے روند ڈالا اور وہ گستاخ بکرا یونان کا بادشاہ تھا۔"

بیت المقدس سے نکل کے سکندر جنوب کی طرف چلا۔ شہر غزہ کے لوگوں نے بہادری سے مقابلہ کیا۔ مگر سکندر نے محاصرہ کر کے اور زبردست یورشیں کر کے فتح کر لیا اور سرکشی کی پاداش میں اس شہر کو نہایت بے رحمی کے ساتھ تباہ و برباد اور ویران و مسمار کیا۔ غزہ کی مُہم سے فارغ ہوتے ہی سکندر قلمرو مصر میں داخل ہوا اور وہاں کے دار السلطنت کو تھوڑی ہی دُشواری کے بعد فتح کر کے مطیع و منقاد بنا لیا۔ دریائے نیل کے دہانے پر جو چند جزیرہ نما پیدا ہو گئے ہیں ان میں سے ایک پر اُس نے ایک نیا شہر آباد کیا جو اس کے نام سے آج تک مشہور ہے اور اسکندریہ کہلاتا ہے اور اسکے بعد جب مصر یونانیوں کے زیر فرمان تھا تو یہی شہر ان کا دار السلطنت تھا اور ایسے مناسب موقع پر آباد ہوا تھا کہ آج بھی دُنیا کے مشہور ترین شہروں میں ہے۔ ورود مصر ہی کے زمانے میں سکندر سفر کر کے جیوپٹر امون کے مندر کی زیارت کو گیا جو صحرائے لی بیا کے ایک شاداب حصہ میں واقع تھا۔ وہاں اس نے اپنی اقبال مندی کا مبارک شگون لیا پھر مصر پر اپنی طرف سے ایک مقدونی الاصل والی مقرر کر کے ارض مقدس میں واپس آیا۔ اور وہاں سے اولوالعزمی کے ساتھ شہر بابل کی طرف چلا جہاں دارائے ایران نے

اس کے مقابلہ کے لئے پھر فوجیں جمع کی تھیں۔

فصل چہارم

فتح ایران (۹۰۲ قبل محمدؐ سے ۸۹۸ قبل محمدؐ تک)

دارا کی طرف سے کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہوئی اور سکندر فرات اور دجلہ دونوں مشہور دریاؤں کے اس پار اتر آیا اور ایران کی قسمت کا فیصلہ کرنے والی لڑائی اس وقت ہوئی جب کہ سکندر بڑھتے بڑھتے وسط ایران میں داخل ہوگیا اور میدان اربیلہ داروبیل (یہیں پہونچ کے صف آرا ہوا۔ جہاں سے شہر گوگامے لاقریب تھا یہ شہر دارا گشتاسپ کے اونٹ کا شہر مشہور تھا) لشکر عجم نے بھی یہاں آکے اس کے مقابل اپنی صفیں مرتب کیں

مقدونیہ والوں نے چاہا کہ ایرانیوں پر شب خون ماریں مگر سکندر نے اس کی اجازت نہ دی اور کہا "میں چوری کی فتح کو حقیر سمجھتا ہوں" اور دوسری صبح کو میدان کارزار گرم ہوگیا۔

ایرانیوں کی فوج علاقہ ہائے دور دراز پارتھیا اور باختر سے لائی گئی تھی۔ جہاں کے لوگ بڑے بہادر اور جنگ جو مشہور تھے اور اس میں شک نہیں کہ مقدونیہ والوں کو اس وقت تک جن لوگوں سے سابقہ پڑ چکا تھا ان سب سے یہ لوگ زیادہ شجاع اور بہادر تھے۔ یہ سپاہی بڑی بہادری سے لڑے۔ مگر وہ مصروف کارزار ہی تھے کہ دارا ان کے ابتدائی حصہ میں اپنی کمان اور ڈھال چھوڑ کے بھاگ کھڑا ہوا۔ بادشاہ کو میدان سے غائب دیکھ کے سپاہیوں نے بھی ہمت ہار دی۔ میدان چھوڑ کے بھاگ گئے۔ اور سکندر میدان آربیل کا مالک تھا۔

اس فتح کے نتیجہ میں سلطنت ایران کا سارا مغربی حصہ اس کے قبضہ میں ہوگیا۔ اب

اس کا یہ کام تھا کہ ایران کے بڑے بڑے شہروں بابل سوس (شوستر) اقباطنہ، اور پرسی پولی (اصطخر) کی طرف کوچ کرے۔ اور ان عظیم الشان خزانوں پر قبضہ کرے۔ جنھیں شاہان ایران مدت ہائے دراز سے جمع کرتے رہے تھے۔ اس دولت پر قبضہ پاتے ہی اس نے شاہانہ فیاضیوں کے نمونے دکھائے اور جو کچھ ہاتھ آیا، اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ ادھر فوج یونان میں دولت کے لطف اُڑ رہے تھے اُدھر بدنصیب دارا بھاگ کے باختر پہونچا جہاں اس کے دو افسروں نے جن پر اُسے بھروسا تھا دغا بازی کی راہ سے اسے گرفتار کر لیا اور سکندر کے خوف سے اسے اپنے قیدی کی حیثیت سے لے کے بھاگے۔ بھاگتے بھاگتے جب انھوں نے دیکھا کہ یونانی اب سر ہی پر آپہونچے تو ایک کاری نیزہ مار کے اپنے بادشاہ اور ولی نعمت کو زمین پر نیم جان ڈال دیا اور خود آگے کی راہ لی۔

یونانی جس وقت خاک و خون میں لتھڑے ہوئے تاجدار عجم کے قریب پہونچے ہیں اس وقت اگرچہ وہ جاں بہ لب تھا مگر زندہ تھا۔ لیکن سکندر جب تک پہونچے پہونچے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ مقدونی فاتح اعظم نے جیسے ہی اتنے بڑے خاندان شہریاری کے پچھلے تاجدار کی لاش کو ایسی بیکسی کی حالت میں پڑے ہوئے دیکھا اپنی قبا اُتار کے اُس پر ڈال دی۔ آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور نہایت ہی متاثر ہوا۔ پھر دارا کی لاش کو شاہانہ تزک و احتشام سے بابل روانہ کیا۔ دارا کی ماں سسی گمبیس وہیں تھی۔ جس کے سامنے دارا خیمے میں پہونچایا گیا۔

دارا کی ملکہ تو قید میں مر چکی تھی۔ لیکن اس کی ماں اپنے پوتوں کے ساتھ بابل میں موجود تھی۔ سکندر اس کا بہت کچھ پاس و لحاظ کرتا تھا۔ صرف ایک مرتبہ سکندر کے الفاظ سے اس کی دل شکنی ہوئی۔ اور وہ بھی محض لاعلمی اور ناواقفیت کے باعث وجہ یہ تھی کہ سکندر شاہان ایران اور شرفائے عجم کے مذاق و معاشرت سے واقف نہ تھا

اپنی بہن کے ہاتھ کے بُنے اور کاڑھے ہوئے چند کپڑے سسی گم بیس کو دکھائے اور کہا اپنی پوتیوں کو بھی آپ اس فن کی تعلیم دیجئے"! یہاں ایران کی یہ حالت تھی کہ خاتونانِ عجم اس قسم کے ذلیل کاموں کو صرف ادنیٰ طبقہ کے لوگوں اور غلاموں اور قیدیوں کے لئے مخصوص سمجھتی تھیں۔ سکندر کی زبان سے یہ جملہ سنتے ہی سسی گم بیس بے اختیار رونے لگی کیونکہ وہ سمجھی کہ ہم لوگ چونکہ قیدی ہیں اس لئے سکندر ہم سے قیدیوں کے کام بھی لینا چاہتا ہے۔ جب سکندر کو یہ حال معلوم ہوا تو بہت نادم ہوا اور سسی گم بیس کو بتایا کہ ہمارے ملک کی معزز عورتیں ان کاموں کو ذلیل و حقیر نہیں سمجھتیں بلکہ شوق سے سیکھا کرتی ہیں۔

سکندر کو اپنی ماں اُلمپیاس کے ساتھ بڑی محبت تھی اور جو خطوط وقتاً فوقتاً اس کے نام بھیجتا رہا ان کا کسی قدر حصہ اس وقت تک محفوظ چلا آتا ہے۔ اُلمپیاس ایک مغرور اور آشفتہ مزاج عورت تھی اور اکثر اوقات والیٔ مقدونیہ اینٹی پاٹر کے انتظامات میں خلل انداز ہوا کرتی جس کے باعث والیٔ مذکور کو سکندر کے پاس اُسکی شکایت لکھ کے بھیجنی پڑی۔ اس پر سکندر نے ماں کو لکھا" افسوس اینٹی پاٹر نہیں جانتا کہ میری ماں کا ایک آنسو اس کے لئے دس ہزار خطوں کو دھو کے رکھ دے گا"!

اس میں شک نہیں کہ سکندر کا دل پاک و صاف اور محبت سے لبریز تھا۔ لیکن کامیابیوں اور فتحمندیوں نے اس میں اتنا تغیر ضرور پیدا کر دیا تھا کہ جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا وہ اپنے آپ کو زیادہ بلند پایہ اور عالی مرتبہ سمجھتا جاتا۔ دارا کے مرنے کے بعد اتنا ہی نہیں ہوا کہ سکندر نے اس کے ملک کی دولت پر قبضہ کر لیا۔ بلکہ اس نے شہنشاہ ایران کا لقب بھی اختیار کر لیا۔ تاجِ خسروی سر پر رکھا۔ خلعتِ شاہانہ زیبِ تن کیا اور اس کا متوقع ہوا کہ اہلِ مقدونیہ بھی اس کی ویسی ہی تعظیم و تکریم کریں جیسی کہ مفتوح مشرقی قومیں کیا کرتی تھیں۔ ان مزاجی تبدیلیوں کی وجہ سے اس کے اخلاق میں ایک ایسی

بات پیدا ہو گئی کہ ہر گھڑی بد دماغ اور برافروختہ سا نظر آیا کرتا۔ اس کے لئے مقدونیہ اور یونان والے نہ اس کے عادی تھے کہ اپنے بادشاہ کو اپنے سے اس قدر بلند دیکھیں اور نہ یہ ممکن تھا کہ اُن میں یہاں کی متمدن قوموں کی باتیں فوری طور پر پیدا ہو جائیں خصوص جبکہ مشرقی بادشاہ پرستی کو وہ ذلیل سمجھتے تھے۔

ہم وطنوں کے اس برتاؤ سے اسے اسی وقت سے تکلیف ہونا شروع ہوئی جب سے کہ اُس نے ایران کا تاج شاہی سر پر رکھا اور آخر کار اسے نظر آیا کہ تا وقتیکہ میں مقدونیہ والوں کی دلآزاری گوارا نہ کروں۔ نہ ایرانیوں کی عزت افزائی کر سکتا ہوں اور نہ انکے ساتھ بہ لطف و مہربانی پیش آ سکتا ہوں۔ اور یہ ایسی دشواری تھی جس کو دُور کرنا اسے غیر ممکن معلوم ہوا۔ اس کے خلاف اہلِ وطن کی طرف سے جو چھیڑ چھاڑ ہوتی اس کو اس کی طبیعت نہ برداشت کر سکتی تھی۔

سکندر کی زندگانی کا سب سے زیادہ نالائق کام یہ تھا کہ ایک جھوٹے اور بے بنیاد الزام پر بوڑھے عقلمند سپہ سالار پارمے نیو اور اس کے بے گناہ بیٹے کو بلا تامل قتل کر ڈالا اور ایک پر شور شر جشنِ طرب میں کچھ ایسا جذبہ سوار ہوا کہ اپنی انا کے بیٹے قلی طوس کو جو کہ اس کا بچپن کا دوست اور پرانا انیس و ہمدم تھا خود اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالا حالانکہ غزانی قوس کی لڑائی میں سکندر کی جان اسی قلی طوس نے بچائی تھی۔ مگر یہ نشہ شراب کا ایک وقتی جوش تھا۔ جب نشہ اُترا اور ہوش بجا ہوئے تو اپنے کئے پر بہت پچھتایا۔ اور بے انتہا آہ و زاری کی۔ مگر اب پچھتانے سے کیا مل سکتا تھا۔ چند روز تک اسی عدمہ سے گھر میں بند ہو کے بیٹھ رہا کسی کو پاس نہ آنے دیتا اور ہر گھڑی اپنے ہاتھ کے مقتول اور مظلوم دوست کو بڑی دل سوزی سے یاد کر کر کے روتا۔

آخر کار اس کی نخوت اور اس کی فتحمندی کا غرور یہاں تک بڑھا کہ دل میں جم گئی کہ میں جیو پیٹر دیوتا کا بیٹا ہوں اور یونان والوں کو پیام دیا کہ زندگی ہی میں میرا اشمار

دیوتاؤں میں کرلو۔ اس کی اس لغو خواہش پر بعض اہلِ یونان تو اسے ایک قسم کا الحاد سمجھ کے گھبرا گئے اور بعض اس پیام کو جنون کا ایک نمونہ تصور کر کے ہنس پڑے لیکن اسپارٹا والوں نے یہ سُن کے صرف اس قدر کہا "اگر سکندر دیوتا بننے والا ہے تو اُسے بن لینے دو۔"

فصل پنجم

ہندوستان کی مہم اور سکندر کی وفات (۹۰۱ ؁ قبل محمدؐ سے ۹۶ ؁ قبل محمدؐ تک)

اس کے بعد جو چار سال گذرے وہ سکندر کی زندگی میں نہایت جفاکشی کے برس تھے۔ دارا کے قاتلوں کا اُس نے باختر اور صغدیانہ تک تعاقب کیا اور اُن سے نمک حرامی اور محسن کشی کا پورا انتقام لے لیا پھر خطا کی سرحد تک پہونچ کے وہاں کے کئی کوہستانی قلعوں کو مسمار و ویران کر دیا۔ مگر اس کے پہونچتے ہی صغدیانہ کی وحشی قوموں میں سخت بغاوت پھیل گئی جس کی وجہ سے اُسے مجبور ہو جانا پڑا۔ حالانکہ اس کی حالت پر اگر علی العموم نظر ڈالی جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ وہ ایک زبردست فاتح تھا۔ لٹیرا نہ تھا۔ کیونکہ جہاں جاتا نئے شہر بساتا اور کوشش کرتا کہ یونان کے علوم و فنون کی تعلیم وہاں کے لوگوں میں بھی جاری ہو جائے۔

۹۷ ؁ قبل محمدؐ میں وہ ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ جس نام سے کہ ان دنوں دریائے اٹک کے آس پاس کی زمین یاد کی جاتی تھی۔ یہاں کے لوگ بہادر تھے اور جنگجو اور ایک حصہ ملک کا فرمانروا جو راجہ پورس کہلاتا تھا۔ بہادری سے آ کے اسکے مقابل صف آرا ہوا۔ مگر سکندر کی زبردست اور آزمودہ کار فوج سے مقابلہ کرنے کی کس میں تاب تھی؟ اُس نے شکست کھائی۔ اور فوراً گرفتار کر کے سکندر کے سامنے لا کے کھڑا کر دیا گیا۔ سکندر نے صورت دیکھتے ہی کہا "بتاؤ اب تمھارے ساتھ کیا سلوک

کیا جائے؟" اُس نے کہا " جو سلوک کہ بادشاہوں کے ساتھ کیا جاتا ہو" اس معقول جواب سے نہایت متاثر ہو کے سکندر بولا " یہ تو میں خود ہی کروں گا" اور یہ کہہ کے فقط اس کی جان بخشی ہی نہیں کی بلکہ اُسے فتح کر کے کچھ اور ملک بھی دیا۔ اور اس کی قلمرو میں اضافہ کر دیا۔

اب مغربی ہند کی تمام ریاستوں نے خراج اور نذرانہ کے طور پر اس کی خدمت میں ہاتھی لا لا کے پیش کئے جن کی یہاں کثرت تھی اور مقدونیہ والوں کے یہاں پہونچ کے پہلے پہل اُن سے جنگ آزمائی میں کام لیا۔ اب سکندر نے چاہا کہ آگے بڑھ کے ہندوستان کے اُن اضلاع و صوبہ جات میں داخل ہو جو کہ اُس وقت تک دیگر اقوام و ممالک میں بالکل نامعلوم اور مجہول الحال تھا لیکن اس کے سپاہی ناراض ہو گئے اور کہنے لگے کہ آگے بڑھے تو ہم اپنے وطن سے بہت دور ہو جائیں گے اور ایسے دور و دراز حصۂ زمین میں پہونچ جائیں گے جہاں سے واپسی نہایت دُشوار ہوگی۔ آخر فوج والوں کو ناراض دیکھ کے اپنی الوالعزمی سے دستبردار ہونا پڑا۔ اور نہایت ہی ناگوار و شکستہ خاطری کے ساتھ دریائے ستلج کے کنارے تک پہونچ کے پلٹ پڑا۔

واپسی میں چوں کہ اس نے ارادہ کیا کہ سمندر تک پہونچ کے مغرب کا رخ کرے اس لئے جنوب کی راہ لی۔ راستہ میں اُسے ایک چھوٹے شہر سے سابقہ پڑا جس کے لوگ نہایت جنگجو تھے۔ جو قوم اس شہر میں آباد تھی وہ ملّی کہلاتی تھی اور مورخین کو یقین ہے کہ وہ یہی شہر تھا جو آجکل ملتان کہلاتا ہے۔ سکندر نے ملتان کا محاصرہ کر لیا اور جب یونانیوں نے شہر پر دھاوا کیا تو سب سے پہلے خود سکندر سیڑھی لگا کے شہر پناہ پر چڑھ گیا۔ اس کے بعد چار ہی آدمی اور چڑھنے پائے تھے کہ سیڑھی ٹوٹ گئی۔ اور ناگہاں اس نے اپنے آپ کو اس نازک حالت میں پایا کہ یونانی مدد کو پہونچ نہیں سکتے اور میں دیوار کے اوپر دشمنوں کے تیروں کا نشانہ بنا ہوا ہوں۔ شجاعت و

مردانگی نے باہر واپس آنے کی اجازت نہ دی۔ لہٰذا بے تکلف دھم سے شہر پناہ کے اندر کود پڑا۔ اور ساتھ ہی اُس کے چاروں رفقا بھی اندر پھاندے۔ ملتان والوں نے تن تنہا دیکھ کے چاروں طرف سے نرغہ کیا اور سکندر ایک انجیر کے درخت سے پیٹھ لگا کے کھڑا ہو گیا اور دشمنوں کے واروں سے بچنے کی کوشش کرنے لگا۔ اتنے میں ایک پردار تیر اُس کے سینہ کے اندر پیوست ہو گیا۔ مگر اب بھی تھوڑی دیر تک اپنے آپ کو سنبھالے رہا۔ مگر کب تک؟ آخر بکثرت خون نکل جانے کے باعث ناتوانی بڑھی۔ سر چکرایا اور تیورا کے اپنی ڈھال کے اوپر گر پڑا۔ اسے گرتے دیکھ کے چاروں رفقا لپک کے پاس آئے۔ اسے اپنے جھرمٹ میں لے لیا اور دشمنوں سے لڑنے لگے جو ایک متلاطم سمندر کی طرح زور لگا رہے تھے کہ ان سب کو اپنے ہجوم میں غرق کر کے فنا کر دیں۔ اب ان چار رفیقوں میں سے بھی دو زخمی ہو کے گر پڑے اور دم توڑ دیا۔ باقی ماندہ دو رفیق سکندر کو اپنی ڈھالوں کی آڑ میں لئے ہوئے تھے کہ بیتاب یونانی لشکر کمال جوش و خروش سے یورش کر کے شہر میں گھس پڑا اور سکندر اور اس کے دونوں زندہ رفیقوں کی مدد کو آ پہونچا شہر پر تو اب یونانیوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ فوراً سکندر کو ڈھال پر ڈال کے باہر لائے اور لشکر گاہ کے اندر اس کے خیمہ میں لے گئے۔ سکندر کا زخم کاری اور خطرناک تھا مگر زندگی تھی بچ گیا۔ اور دوسرے دن جب یونانیوں نے اس کی صورت دیکھی تو اُن کے جوش مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔

صحت یاب ہونے کے بعد وہ روانہ ہو کے دریائے سندھ کے دہانے پر پہونچا اور ایک بڑا بیڑا تیار کرایا۔ تاکہ خلیج فارس کے ساحل ہی ساحل جا کے وہ سمندر کی پیمائش کرے اور اس کے اُدار چھوڑ کا پتہ لگائے۔ اور خود خشکی کے راستہ سے دریا کنارے کنارے مکران ہوتا ہوا مغرب کی طرف واپس چلا۔ اس ریگستانی ملک میں منزلوں

دشت بے گیاہ چلا گیا تھا۔ نہ کھانا ملتا تھا نہ پانی۔ اُس کے لشکر کو بھوک پیاس اور گرمی کی حدت سے بے حد تکلیف ہوئی۔ مگر اس مصیبت میں اس نے ایسا کبھی نہیں کیا کہ سپاہیوں کی تکلیف سے بے پروا ہو کے اپنی راحت کا سامان فراہم کیا ہو بلکہ ہمیشہ اُن کی مصیبت میں شریک رہا ایک دن سخت تپش تھی۔ اور شدت تشنگی سے حلق میں کانٹے پڑے ہوئے تھے۔ لوگ خدا جانے کہاں سے ڈھونڈھ کے تھوڑا سا پانی لائے جو اس وقت ایک نعمتِ عظمیٰ اور دولت لازوال تھا۔ لیکن چوں کہ وہ پانی سب سپاہیوں کے لئے کافی نہ ہو سکتا تھا اور اس کے دل میں یہ خیال گذرا کہ شاید میرے سپاہی مجھ سے زیادہ پیاسے ہوں اور مجھے پانی پیتے دیکھ کے دل میں بُرا مانیں اُس پانی کو بجائے اس کے حلق تر کرے بالو پر اُنڈیل دیا۔

آخر خدا خدا کر کے وہ اور اس کا یونانی لشکر اس مصیبت سے جانبر ہو کے کرمان میں پہونچا جہاں سے وہ ایران کے آباد و دولت مند اور زرخیز و شاداب صوبہ جات میں داخل ہوا اور شہر سوس (شوستر) میں پہونچ کے بڑے کرّ و فر اور تزک و احتشام سے ایک دربار کیا۔ اور شہر بابل کی راہ لی۔ یہاں اس وقت کی معلومہ دنیا کے تمام ملکوں سے اُس کے دربار میں سفارتیں پہونچیں۔ ممالک دور و دراز کے ان سفیروں نے آستان بوس بارگاہ ہو کے نذریں پیش کیں اور اظہار اطاعت کیا اور سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ ریاست ہائے یونان سے بھی یہ پیام آ پہونچا کہ آپ کا شمار دیوتاؤں میں کیا گیا۔ اور آئندہ آپ کا ویسا ہی احترام کیا جائے گا جیسا کہ دیوتاؤں کا کیا جانا چاہیے۔ یہ ایسی چیز تھی جس کی اُسے بڑی ہی تمنا تھی۔ اب سکندر دنیوی عزت کے بلند ترین شہ نشین پر تھا اور جہاں تک انسان کا حوصلہ پہونچ سکتا ہے وہ پہونچ گیا تھا۔ گو خود اس کا حوصلہ ابھی باقی تھا۔ اولوالعزمی میں ذرا بھی فرق نہیں آنے پایا تھا مگر تقدیر کو منظور نہ تھا کہ اس سے آگے قدم بڑھائے لہٰذا کارکنان قدرت نے

زبان حال سے کہا "تادب" اور بابل کے سے شہر میں جو غرور و نخوت کا قدیم گہوارہ تھا اُس کا اوج عروج ایک چشم زدن میں خواب و خیال ہو گیا۔

دریائے فرات کی ترائی میں جب سے کہ سائرس نے نہر کاٹ کے اس کی رفتار بدل دی تھی ایک زہریلی ہوا چلا کرتی تھی جو انسانی صحت کے حق میں نہایت ہی مضر تھی۔ سکندر کو بابل میں پہونچے چند ہفتے ہی ہوے تھے کہ اسی سمّی ہوا کے اثر سے اسے بخار آ گیا۔ جو غالباً مے خواری کی کثرت سے اور زیادہ بڑھ گیا۔ اطبا ر سے جہاں تک بنا علاج کیا اور بہت کچھ دوڑ دھوپ کی گئی۔ اور وہ خود روزانہ دیوتاؤں پر قربانیاں چڑہایا کرتا۔ مگر سب تدبیریں بے سود ہوئیں اور بخار کی شدت روز بروز بڑھتی ہی گئی۔ لیکن باوجود اس شدت مرض کے اس کی اولوالعزمی میں فرق نہیں آنے پایا تھا۔ اس حال میں بھی پڑے پڑے اس نے افسران فوج کو بلا کے حکم دیا کہ "اب جو مہم تجویز ہو چکی ہے اس میں غفلت نہ ہونے پائے۔ تم سب ہی تیار رہو"۔ مگر ع "ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال"۔ بخار آنے کے نویں دن طاقت نے بالکل جواب دے دیا۔ اگرچہ اس دن بھی معمول کے موافق اس نے سب کو اپنے سامنے بلوایا مگر ضعف اس قدر بڑھ گیا تھا کہ گفتگو نہ کر سکا۔ غالباً اس وقت اس کے دل میں اس پیشین گوئی کا خیال گزرا جو بیت المقدس میں معلوم ہوئی تھی کہ شہنشاہی جسے اس نے محنت کر کے بہت بڑے مرتبہ کو پہونچایا ہے منقسم ہو جائے گی"۔ کیونکہ کہتے ہیں کہ اس نے اس وقت یہ بھی کہا کہ "میری تجہیز و تکفین کے وقت بڑے جھگڑے پڑیں گے"۔ اپنی جانشینی کے لئے اس نے کسی کو نامزد تو نہیں کیا۔ مگر اپنی مہر کی انگوٹھی اُنگلی سے اُتار کے پیرڈِکاس کی اُنگلی میں پہنا دی جو اُس کی فوج کا ایک نامی گرامی سپہ سالار تھا اور اس کارروائی کے تھوڑی ہی دیر بعد تاج و تخت کو بے وارث و جانشین چھوڑ کے دُنیا سے رخصت ہو گیا۔ سکندر جس وقت مرا ہے اُس کی

عمر ۳۲ برس کی تھی۔ اور تخت نشینی کو ابھی صرف بارہ برس ہوئے تھے

یہ تھا وہ سکندر جس کی نسبت مسلمانوں میں طرح طرح کے خیالات مشہور ہیں۔ مولانا نظامی اور بعض دیگر مصنفین نے کہہ دیا کہ قرآن پاک میں جس ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے اس سے مراد یہی سکندر ہے جس کی بنا پر بہت سے لوگ اسے پیغمبر اور کم از کم ایک بڑا متقی و پرہیزگار خدا پرست خیال کرتے ہیں حالانکہ واقعات صاف بتا رہے ہیں کہ سکندر ایک بُت پرست بادشاہ تھا ہمیشہ دیوتاؤں پر بھینٹ اور قربانیاں چڑھایا کرتا۔ اور خود دیوتا بننے کا آرزومند تھا اصل یہ ہے کہ قرآن پاک کا ذوالقرنین تبابعہ یمن میں کا ایک قدیم باسطوت و جبروت بادشاہ تھا۔ اُن بادشاہوں کے القاب اکثر لفظ "ذو" کے ساتھ ہوا کرتے تھے اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین بھی انہیں میں کا ایک الوالعزم تاجدار تھا۔ ذوالقرنین کے حالات عربوں میں زبانی روایتوں کی حیثیت سے مشہور تھے جو سلسلۂ روایت نہ موجود ہونے کے باعث قابل اعتبار نہ تھے اور یمن کے قدیم عہد میں کسی مورخ کے موجود نہ ہونے کے باعث اس کے اصلی حالات پردۂ اخفا میں آ گئے تھے۔ جن کو قرآن نے مختصراً بیان کر دیا۔

ایرانیوں کی روایتوں میں سکندر یونانی کا سلسلۂ نسب تاجدارانِ ایران سے ملا دیا گیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ سکندر کی ماں دارا کے باپ کے محل میں تھی۔ مگر اس میں کوئی عیب دیکھ کے اس نے مقدونیہ میں واپس بھیج دیا۔ وہاں جانے کے بعد کھُلا کہ وہ حاملہ ہے اور اس کے بطن سے سکندر پیدا ہوا جو دارا کا بھائی تھا۔ یونان اور یورپ کے مؤرخین اس روایت کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے۔ مگر ایرانیوں میں تاریخ موجود تھی اور فردوسی نے جو کچھ لکھا ہے ایران کی تاریخ قدیم سے لے کے لکھا ہے۔

لہٰذا ہمارے نزدیک یہ ایسی روایت نہیں ہے کہ اس کا ذرا بھی اعتبار نہ کیا جائے سکندر کے مرتے ہی لوگوں میں آہ و بکا کا شور ہوا اور ساری رات بابل میں ماتم

رہا اور اہل بابل نے گھبرا کے شہر کے پھاٹک بند کر لیے۔ مقدونیہ و یونان کے سپاہی
رات بھر مسلح رہے اس لئے کہ اپنے تاجدار کے مر جانے سے اپنے آپ کو بے والی
و وارث اور بے حامی و مددگار پاتے تھے اس خیال نے اُن میں کچھ ایسا جوش و
خروش پیدا کر دیا تھا کہ بابل والے اُن کی حالت دیکھ دیکھ کے دہلے جاتے تھے
اور گھروں میں بیٹھے ہوئے کانپ رہے تھے کہ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے۔ صبح کو افسران
فوج مشورہ کرنے کے لئے ایک بڑے ہال میں جمع ہوئے تو اس وقت سریرِ شہریاری
کو خالی دیکھ کے محل میں پھر ایک ہنگامۂ ماتم بپا ہو گیا جو کسی طرح روکے نہ رُکتا تھا۔
جس جگہ تاجِ شاہی، عصائے شہریاری۔ اور خلعتِ شہنشاہی رکھے ہوئے تھے
وہیں پیرڈکاس نے سکندر کی وہ انگوٹھی بھی اپنی اُنگلی سے اُتار کے رکھ دی۔
اس موقع پر سب سے زیادہ رونے، ماتم کرنے اور بین و بُکا کی آواز بلند کرنے والی
دارا کی ماں بوڑھی سی سی گم بیس تھی جو گویا سکندر کی قیدی تھی اس نے اپنے چہرے
پر کالی ماتمی نقاب ڈال لی۔ اور روپیٹ کے ایک کونے میں خاموش بیٹھ گئی، اور
ایسی بیٹھی کہ پھر وہاں سے نہ اُٹھی۔ لوگوں نے ہزار سمجھایا خوشامد درآمد کی۔ مگر اسکے
بعد اس کی زبان سے نہ کوئی لفظ نکلا اور نہ کوئی لقمہ اس نے حلق سے اُتارا اور آخر
سکندر کے مرنے کے پانچویں دن وہ بھی دُنیائے فانی سے رخصت ہوئی۔

ایرانیوں نے بھی اپنے فاتح کا ماتم تھوڑا نہیں کیا۔ اس لئے کہ سکندر نے خود
اُن کے بادشاہوں سے زیادہ خوبی و عدالت گستری اور نفع رسانی خلق کے ساتھ حکومت
کی تھی اس میں بہت سے عیوب بھی تھے۔ بعض فتحوں کے بعد اُس کے ہاتھ سے مظالم
بھی ہو گئے تھے۔ اپنے بعض خیر خواہوں اور دوستوں کے ساتھ اس نے بے رحمی
اور ناانصافی کا بھی برتاؤ کیا تھا اس کی فتحیں زیادہ تر بلکہ سب کی سب اپنی اولوالعزمی
کا شوق پورا کرنے کے لئے تھیں۔ لیکن باوجود ان تمام نقائص کے وہ ایک عالی

خیال، فیاض، پاکباز اور پاک باطن بادشاہ تھا۔ اس کا فیاضی کا ہاتھ کھلا ہوا تھا اور اکثر وہی کام کرتا جو اُس کے خیال میں انصاف اور حق ہوتا۔ مانا کہ بیحد عظمت و جبروت، اعلیٰ درجہ کی فتحوں اور انتہائی درجہ کی شان و شوکت نے جو اس وقت تک کسی بادشاہ کو دُنیا میں نصیب نہیں ہوئی تھی اس میں ایک قسم کا تجبر پیدا کر دیا اور غرور و نخوت کے جذبات اُس میں بڑھ گئے لیکن سچ یہ ہے کہ ایک ایسا شخص جس کے پاس ایسے ایسے اسباب تمکنت پیدا ہو گئے ہوں۔ اور ایسے ذرائع جو اسے کسی کام سے روک سکیں بالکل مفقود ہوں اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کرتے وقت ہمیں زیادہ سختی سے کام نہ لینا چاہیئے۔ دُنیا میں یہ پہلا بادشاہ تھا جو "اعظم" کے لقب سے یاد کیا گیا اور اس میں ذرا شک نہیں کہ وہ اس خطاب کا پوری طرح مستحق تھا۔

آٹھواں باب

چار شاہیں (۹۴۳ قبل محمدؐ سے ۶۲ ۷ قبل محمدؐ تک)

فصل اوّل

سلطنت کی تقسیم (۹۴۳ قبل محمدؐ سے ۸۳۷ قبل محمدؐ تک)

توراۃ مقدس کے ایک فقرہ میں سکندر کے بعد کی حالت نہایت خوبی سے دکھائی گئی ہے وہ فقرہ یہ ہے "جب بکرا خوب موٹا ہو گیا۔ اور جب وہ توانا ہو گیا تو بڑا سینگ ٹوٹ گیا اور اس میں سے چار سینگ نکلے جن کے رُخ جنت کی چاروں ہواؤں کی طرف تھے" اسی کے مطابق جب سکندر مرا ہے تو اس کی سلطنت بالکل بے سر تھی اس لئے کہ اُس کے بیٹے نے ابھی تک آنکھ کھول کے دُنیا کو نہیں دیکھا تھا اور ہنوز ماں کے پیٹ ہی میں تھا۔ اور وہ اس کی وفات کے کئی ہفتہ بعد پیدا ہوا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

سکندر کی آنکھ بند ہوتے ہی شہر بابل نہایت پریشانیوں اور مختلف خیالات کا مرکز بن گیا۔ اُس کے سرداران فوج میں سے اکثر ایسے لوگ تھے جنھیں یونانی فلسفہ کی پوری تعلیم ہوئی تھی۔ اور بہت مہذب و شائستہ لوگ تھے۔ لیکن اُن کے حالات پر نظر ڈالنے سے دل میں یہ خیال گذرتا ہے کہ تعلیم سے انسان کے دل کے نرم ہونے یا شریفانہ خیالات کے پیدا ہونے میں کس قدر کم کامیابی ہوتی ہے۔ اُن کی دانائی کی قوت نے جو کچھ کیا وہ صرف اسی قدر تھا کہ اپنے علم وفضل کے باعث وہ اور زیادہ خطرناک ثابت ہوئے علاوہ بریں پیہم فتوحات اور جاہ وجلال حاصل ہو جانے کے باعث ارض مشرق میں آ کے اُن کے دلوں میں دولت شان وشکوہ اور عیش وعشرت کے سامان فراہم کرنے کی ہوس بڑھ گئی جس کے تقاضے نے انھیں اس بات پر آمادہ کیا کہ بغیر اس کے کہ عزت وانصاف، رحم دلی، وشرافت حُبِّ وطن اور اپنے آقا کی حق شناسی کا ذرا بھی خیال نہ کریں جو کچھ ہاتھ آئے اپنے قبضہ میں کر لیں۔

جیسے سردار تھے ویسے ہی سپاہی بھی تھے۔ سب کے سب فتح کے نشہ میں مست آشفتہ مزاج، بے رحم، اسیر وشکار اور لوٹ مار کے حریص اور اپنے افسروں سے ایسے بدظن ہو رہے تھے کہ جب کبھی کسی امر میں اُنھیں اپنے مقاصد کے خلاف پایا بلا تامل انھیں چھوڑ دیا یا انھیں قتل کر ڈالا وہ برہمی، اضطراب اور شور وشر کا زمانہ جو سکندر کی آنکھیں بند ہوتے ہی پیدا ہو گیا تھا۔ یونانیوں میں تو چند ہی روز بعد ختم ہو گیا مگر ایران اور الجزیرہ میں مدتوں اور صدیوں تک طوائف الملوکی قائم رہی اور سچ یہ ہے کہ ملک عجم کو سکندر نے اتنا پامال نہیں کیا تھا۔ جتنا کہ اس طوائف الملوکی نے تباہ وبرباد کیا۔ لیکن یونانی سرداروں میں سے جو لوگ اس عہد میں حکمرانی وجہانبانی کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اُن کا تذکرہ اس موقع پر ضروری ہے تاکہ

مابعد کا سلسلۂ واقعات سمجھ میں آسکے۔

سکندر کے معصوم بچہ کا والی پرڈک کاس مقرر ہوا۔ اور اس نے سلطنت مفتوحہ کے چار حصہ کر کے تھریس، مصر، شام اور ایشیائے کوچک کی چار بڑی صوبہ داریاں قرار دیں اور سکندر کے چار سپہ سالاروں لی سی، ماچوس، بطلیموس، ان ٹی گونوس اور یومی نوس کو حسب ترتیب بیان صوبہ جات مذکور کا گورنر مقرر کیا۔ مگر پرڈک کاس کی اس تولیت ونیابت سے آن ٹی پاٹر اور اس کے بیٹے اکس سان ڈر نے اختلاف کیا۔ اوّل الذکر وہ شخص تھا جسے سکندر وطن چھوڑتے وقت مقدونیہ اور یونان کا والی بنا کے چھوڑ گیا تھا۔ اور کس سان ڈر باپ کی طرف سے نیابتہً والیٔ یونان تھا اور یونان ...... پر نہایت جابرانہ حکومت کر رہا تھا حتیٰ کہ اسی کے ہاتھوں وہاں کا مشہور روزگار آتش بیان وجادو بیان ڈی موس تھے نیس جو ہنوز آزادی واستقلال کے ساتھ مقدونیہ کی عظمت وبالادستی سے مخالفت کیے جاتا تھا قتل ہوا۔ بطلیموس حاکم مصر اور کس سان ڈر میں اتحاد ہو گیا اور یہ دیکھ کے پرڈک کاس نے دونوں پر چڑھائی کر دی بطلیموس نے اس کے حملوں سے بچنے میں بڑی قابلیت دکھائی۔ آخر پرڈک کاس نے بندوبست کیا کہ راتوں رات دریائے نیل سے پار اُتر کے بطلیوس پر حملہ کرے۔ لیکن فوج کے تھوڑے ہی آدمی اُترنے پائے تھے کہ دریائے نیل میں طغیانی ہوئی جو لوگ پار اُتر گئے تھے ساتھیوں سے الگ گویا شیر کے منہ میں تھے گھبرا کے پلٹے اور واپس آنا چاہا۔ مگر بجائے واپس آنے کے نذر سیلاب ہوئے جو درمیان میں تھے وہ بھی ڈوب مرے اور بہتوں کو مگرمچھ نگل گئے۔ باقی ماندہ فوج جو اُس پار رہ گئی تھی اور اپنے ساتھیوں کے بے موت مرنے پر کف افسوس مل رہی تھی اور جب اس کا کوئی زور نہ چلا تو خود پرڈکس کاس کی دشمن ہو گئی۔ چنانچہ انھوں نے اسی پر یہ الزام لگا کے کہ وہ نہایت ہی ظالم وشریر النفس ہے اسے قتل کر ڈالا اور خوش اقبال

بطلیوس سے جا ملے۔

اب بطلیوس کو اس بات کا موقع حاصل تھا کہ نابالغ سکندر کا والی بن جائے لیکن اُسے یہی امر زیادہ مناسب اور بے خطر نظر آیا کہ زرخیز و دولت مند صوبہ مصر پر قناعت کرے اور کسی دوسرے سے تعرض نہ کرے۔ بطلیوس کی اس خود غرضی کا یہ نتیجہ ہوا کہ سکندر کا یتیم بچہ کس سان ڈر کے ہاتھ میں پڑ گیا جو تمام اہل مقدونیہ سے زیادہ نالائق اور بدمعاش تھا۔ یو مے نیس جو کسی حد تک ان سب سرداران مقدونیہ سے زیادہ اطاعت کیش اور با اُصول تھا نابالغ بادشاہ کی حمایت کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے لئے ایشیائے کوچک میں بڑی مستعدی و جاں بازی سے لڑتا رہا اور آخر ایک حد تک اپنے حقوق کی بنیاد بھی قائم کر لی، لیکن خود اُس کے سپاہیوں نے اس سے بے وفائی کی جنھوں نے اسے دغا دے کے اَن ٹی گونس سے سازش کر لی۔ اور اپنے سردار کو اس کے حوالے کر دیا۔

اَن ٹی گونس نے یہ تو پسند نہ کیا کہ اپنے پُرانے رفیق کے خون سے ہاتھ رنگے مگر اس پر قابو پاتے ہی اُسے قید خانے میں ڈال دیا۔ کھانے کی خبر نہ لی اور فاقہ پر فاقے دے کے مار ڈالا۔ یومی نیس ہی اکیلا ایک خاندان شاہی کا دوست اور معاون تھا۔ جب اس کا بھی کام تمام ہو گیا تو کس سان ڈر نے پہلے تو سکندر اعظم کی ماں المپیاس کو مار ڈالا اور ننھے بچے سکندر کو اپنی حراست میں لے کے قیدیوں کی طرح رکھا۔ مگر جب وہ سولہ برس کا ہوا تو اس کے دل میں خیال گزرا کہ شاید بڑا ہو کے میرے حق میں خطرناک ثابت ہو اسے بھی قتل کر کے دُنیا سے سکندر اعظم کا نام و نشان مٹا دیا۔

اب ان حکمران سرداران مقدونیہ میں سب سے زیادہ زبردست اَن ٹی گونس تھا۔ اگرچہ ایران اور عراق و بابل اس کے قبضہ سے نکل گئے تھے۔ جنھوں نے

سکندر کے عہد کے صوبہ دار سلوقوس کی طرفداری میں بغاوت کر کے آزادی حاصل کر لی تھی۔ اس نے ارض شام اور ایشیائے کوچک پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کے بیٹے دِمے طریوس نے جو پولی اور سے ٹیس (یعنی محاصرہ کرنے والے) کے لقب سے مشہور تھا یونانیوں کی غلامی سے آزاد کرنے کا وعدہ کر کے انھیں اپنا طرفدار بنا لیا۔ لیکن جب مطلب نکل گیا تو سوا اس کے اور کچھ نہ کیا کہ مقدونی لشکر کو شہر پناہ سے نکال کے باہر رکھ دیا۔

اب آزادی کا جوہر ایتھنیہ میں کس قدر مفقود ہو گیا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب دِمے طریوس شہر ند کور میں داخل ہوا تو اہل شہر نے بڑی دھوم دھام سے اُس کا استقبال کیا۔ اس وقت وہاں کے ہر چھوٹے بڑے کو یہی دُھن تھی کہ جو بڑی سے بڑی عزت اُن کے امکان میں ہو، اُسے دے دیں۔ اُنھوں نے صرف اسی قدر نہیں کیا کہ اُسے اور اس کے باپ کو بادشاہ کے لقب دے دے بلکہ چند ہی روز پہلے جتنی عزتیں سکندر اعظم کو نہایت ناگواری کے ساتھ دی گئی تھیں۔ وہ سب المضاعف کر کے ان دونوں باپ بیٹوں کو بڑے ذوق و شوق سے دے دی گئیں۔ ایتھنیہ والوں کی ذلت و دنارت نے اس حد تک ترقی کی کہ اس کے لئے قربانیوں اور میلوں کے دن مقرر کئے۔ پارتھے نون کے پراسرار مندر میں اسے دیوتاؤں کی حیثیت سے جگہ دی گئی۔ اور اس کی ذلیل عیش پرستیوں کی عزت بڑھانے کے لئے اس کی شان میں قصیدے کہے گئے۔

کس سان ڈیر، لی سی ماچوس اور سلوقوس نے بھی ایسے ہی طریقوں سے شاہی القاب حاصل کر لئے تھے۔ اُن کو ان ٹی گونس کی قوت اور اس قدر و منزلت پر حسد آیا۔ اور سب نے اتفاق کر کے اس کے خلاف سازش کی اور دونوں حریف

مقابلہ کو روانہ ہوئے۔ ایشیائے کوچک کے شہر افسوس میں دونوں لشکروں کا سامنا ہوا۔ لڑائی بڑی سخت تھی جس میں آن ٹی گونوس مارا گیا اور دمے طریوس بے سروپائی کے ساتھ بھاگ کے یونان پہونچا جہاں پہونچ کے اسے معلوم ہوا کہ جو لوگ ایسی ذلیل خوشامدیں کرنے لگے ہوں جیسی کہ اثینیہ والوں نے کی تھیں، ان پر کہاں تک بھروسا کیا جا سکتا ہے۔ یہ جیسے ہی بدحواس اور بے سروپا وہاں پہنچا تو اثینیہ کے پھاٹک بند ملے۔ اہلِ شہر نے کہا کہ ہم تمہیں اپنی آبادی کے اندر نہ آنے دیں گے۔ اور یہ سلوک اس شخص کے ساتھ کیا گیا جسے دیوتا بنا کے اور جس کی مورت کو وہ اپنے مندروں میں رکھ کے وہ پوج رہے تھے۔ تاہم جس طرح بنا اس نے گھر گھار کے تھوڑی بہت فوج اپنے ہمراہ رکاب رکھی۔ یہاں تک کہ کس سان ڈیر مر گیا اور اُس کی آنکھ بند ہوتے ہی مقدونیہ کی حکومت دمے طریوس کے ہاتھ میں آ گئی

مگر مقدونیہ پر قابض ہونے کے بعد بھی اس سے نچلا نہ بیٹھا گیا۔ اور اب اس اُدھیڑبن میں لگا کہ ایشیائے کوچک کو بھی اپنی قلمرو میں شامل کرے جو ملک کہ سلوقوس کے قبضۂ تصرف میں تھا اس کے مقابلہ کے لئے فوج لے کے چلا اور بمصداق ؏ "جو شکار افگن تھے آ کر ہو گئے خود شکار"

مقابلہ ہوتے ہی اپنے حریف کے ہاتھ میں قید ہو گیا۔ اور اسی اسیری میں جان دے دی۔ اُس کی گرفتاری کی خبر سنتے ہی لی سی ماخوس نے جو تھریس کا حکمران تھا۔ مقدونیہ پر قبضہ پاتے ہی اسے بھی ایشیا کے فتح کرنے کا سودا ہوا۔ لشکر جمع کر کے چڑھائی کی۔ شکست کھائی اور مارا گیا۔ اب اس کی باری تھی کہ خود سلوقوس مقدونیہ پر چڑھائی کرے۔ چنانچہ وہ لشکر لے کے ہے لیس پونٹ (آبنائے باسفرس) کے پار اُترا۔ اور یلغار کرتا ہوا۔ مقدونیہ میں داخل ہوا، مگر یہاں پہونچا تھا کہ بطلیوس کے ایک بیٹے نے جو ذات سے باہر تھا۔ اُسے قتل کر ڈالا۔ اور آخر کار بہت سے انقلابا

کے بعد دے مے طریوس کا بیٹا آن ٹی گونوس جو گوناطاس کے لقب سے مشہور تھا اس مقصد میں کامیاب ہوا کہ مقدونیہ کے تخت پر قدم رکھے اور اپنے خاندان کو مستقل حکمران مقدونیہ بنائے۔

الغرض شہنشاہی مقدونیہ کے تجزیے سے جو چار شاخیں پھوٹیں اور جو چار سلطنتیں قائم ہوئیں یہ تھیں۔ (۱) سلطنت مصر (۲) سلطنت شام (۳) سلطنت مقدونیہ (۴) سلطنت تھریس۔ لیکن آئے سی ماچوس کے مرنے کے بعد یہ سلطنت ٹوٹ کے قلمرو مقدونیہ میں شامل ہوگئی اور صرف تین سلطنتیں باقی رہیں۔ مذکورۂ بالا سلطنتوں کے علاوہ سکندر کے بعد اور بھی بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوگئیں جنھوں نے تدریجاً غلبہ پایا، آزادی حاصل کی اور سلطنتیں بن گئیں۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں ایشیائے کوچک کی ریاستیں تھیں اور ایک تو پرگاموس کی ریاست جس کے حکمرانوں کے نام ایک دوسرے کے بعد ترتیب وار یومے نیس اور اطالوس ہوا کرتے تھے۔ دوسری پونطوس کی ریاست تھی جس پر مِتھ ری داطیس۔ خاندان حکمران تھا۔ اس سے زیادہ مشرق کی جانب ہٹ کے آرمینیہ کی ریاست تھی اور اس بھی زیادہ مشرق میں باختر اور پارتھیا کی ریاستیں تھیں۔

فصل دوم

سلطنت مصر (۳۹۴ھ قبل محمدؐ سے ۶۷ھ قبل محمدؐ تک)

ہم بیان کر چکے ہیں کہ سکندر کے بعد مصر کی حکومت بطلیموس کے ہاتھ میں آئی وہ اپنے باپ کی نسبت سے لاگوس کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے نہایت عقلمندی سے حکومت کی اور بغیر اس کے کہ کسی اور طرف کا رُخ کرے یا کسی دوسرے سردار سے معترض ہو اپنی حکومت مصر ہی کی بنیاد

مضبوط کرتا رہا۔ اور اس بے علمی کی برکت تھی کہ مقدونی الاصل سریرآراؤں میں سے اکیلا وہی تھا جو اپنی پوری عمر تک جیا اور بامراد و شادکام مرا۔ جزیرہ قبرس اور ارض مقدس یہودا (بیت المقدس) بھی اُسی کی قلمرو میں شامل تھے۔ شہر اسکندریہ جو اس کے آقا لے خاسح سکندر اعظم کا آباد کیا ہوا تھا۔ اس کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا۔ اور اس کی توجہ سے وہ روز بروز ایک بڑا تاجرانہ شہر بنتا گیا۔ جو تجارت اس وقت تک شہر سے وابستہ رہی تھی تدریجاً ٹوٹ ٹوٹ کے اسکندریہ میں منتقل ہو گئی۔ بطلیوس کو اس بات کا بھی شوق تھا کہ اپنے دارالسلطنت میں علم و ہنر کو ترقی دے اور اسکندریہ کو ایتھنیہ کا ہم پلہ بنا دے۔ فلسفیوں کی ایک معتدبہ جماعت اس نے اپنے دربار میں جمع کر لی۔ ایک عجائب خانہ قائم کیا۔ جس میں تمام ہنروں اور صنعتوں کا ذخیرہ فراہم کر کے احتیاط سے رکھا۔ اسی سلسلہ میں ایک کتب خانہ کی بھی بنیاد ڈالی اور چند ہی روز میں یہ ایسا کتب خانہ بن گیا کہ ساری دُنیا کے تمام گذشتہ کتب خانوں سے زیادہ مشہور ہے خود اپنے قلم سے اس نے اپنے آقا کی معرکہ آرائیوں اور فتحمندیوں کی ایک تاریخ لکھی جو افسوس کہ محفوظ نہ رہ سکی۔ اور اب دُنیا میں اس کا کوئی نسخہ نہیں موجود ہے۔

۲۸۰ سنہ قبل محمدؐ میں بطلیوس لاگوس مر گیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا بطلیوس فلاڈل فس کرد فر سے سریرآرائے سلطنت ہوا۔ یہ ایک امن پسند اور رحم دل شاہزادہ تھا لیکن اس خوبی کے ساتھ اس میں عیش پرستی اور آرام طلبی تھی۔ ہوس پرستی اور نفس پروری اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ بغیر اس کے بدنامی و رسوائی کا ذرا بھی خیال کرے خود اپنی بہن برنیقہ سے شادی کر لی۔ اور یہ ایک ایسی بُری اور ناپاک رسم جاری کر دی کہ اس کے بعد اُس کے تمام جانشینوں نے یہ سنّت پدری ضرور پوری کی۔ اور سب کی بہنیں اُن کی بیبیاں بنتی رہیں۔

مگر اپنے باپ کی طرح اسے بھی علم کا بڑا شوق تھا۔ اسکندریہ کے کتب خانہ کو

اس کے عہد میں بڑی ترقی ہوئی۔ خاصتہً اسی ترقی کتب خانہ کے سلسلہ میں اس کا ایک کام نہایت قیمتی تھا۔ وہ یہ کہ توراۃ کا ترجمہ اُس نے عبرانی سے یونانی زبان میں کرایا اور بُت پرستان یونان کو معلوم ہوا کہ ایک خدا کی پرستش اور توحید کسے کہتے ہیں۔ اس اہم خدمت پر اس نے بہت سے علمار معمور کیے اور کہتے ہیں کہ اگرچہ اُن سب نے جدا جُدا ترجمہ کیے تھے مگر اس قدر اصل کے مطابق تھے کہ تکمیل کے بعد مقابلہ کیا تو سب کی عبادتیں ایک دوسرے ملتی تھیں۔ چونکہ ستّر علمار اس کام میں شریک تھے لہٰذا ستّر ہی کے شمار سے منسوب ہونے کے باعث اس ترجمہ کا نام "سپٹا جنٹ" مشہور ہوا چونکہ اب یونانی زبان بڑی تیزی سے ترقی کر رہی تھی۔ اور ان ملکوں کی متداول زبان بنتی جاتی تھی۔ اس لئے یہود نے بھی اس ترجمہ سے بہت فائدہ اُٹھایا۔ چنانچہ حوارین مسیح اسی ترجمہ کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ اور اس کا اس قدر اعتبار تھا کہ مشتبہ فقروں کی توضیح کے لئے اس ترجمہ کو نہایت مستند تصور کر کے ہمیشہ اس کی طرف رجوع کیا جاتا۔

۲۴۷ قبل مسیح میں بطلیوس فلاڈل فوس کی جگہ اس کا بیٹا بطلیوس یور گے طیس وارث سریر سلطنت ہوا۔ یہ اگرچہ علم و فضل میں کم نہ تھا۔ مگر اپنے باپ کے خلاف بڑا نبرد آزما اور جنگجو بادشاہ تھا۔ ایک بار وہ ملک شام میں ایک خطرناک مُہم پر گیا ہوا تھا۔ اس کی ملکہ شاہزادی برنیقہ کو شوہر کے فراق میں جب زیادہ گھبراہٹ ہوئی تو منت کے طریقہ سے اپنی دونوں زلفیں کاٹ کے مندر پر چڑہا دیں تاکہ وہ اصل خیر سے گھر آئے۔ چند روز بعد وہ زلفیں مندر سے غائب ہوگئیں اور بعض خوشامدیوں نے کہہ دیا کہ انھیں دیوتا آسمان پر اُٹھا لے گئے چنانچہ تاروں کا ایک عقد (گچھا) اس وقت تک "کوما بنیقہ" (عقد برنیقہ) کہلاتا ہے۔ اور اسی ملکہ کی جانب منسوب ہے۔ بطلیوس کو اس مُہم میں بڑی کامیابی ہوئی۔ یلغار کرتا ہوا سرحد ایران تک چلا گیا۔ مملکت ایران میں فتح و نصرت کے پھریرے اُڑاتا ہوا گھس پڑا۔ اور کئی مصری بُتوں کو جنھیں خسرو کیم بے سیس غلبہ پا کے

اُٹھا لے گیا تھا۔ واپس لے آیا۔ اسی سفر کے اثنا میں وہ بیت المقدس میں بھی گیا۔ ہیکل سلیمانی کی ایک قربانی میں ادب کے ساتھ شریک ہوا۔ اور یہودیوں کو اپنا دوست اور خیر خواہ تسلیم کیا

اپنے خاندان کا یہی پچھلا زبردست بادشاہ تھا۔ پھر اُس کے بعد اس کے وارث روز بروز شریر و ظالم اور اس کے ساتھ کمزور ہوتے گئے۔ وہ عیش پرستیوں میں پڑ گئے رنگ رلیاں منانے لگے۔ اور رفتہ رفتہ سلطنت بھی ہاتھ سے کھو دی۔ آخر میں چند روز کے لئے تو رومیوں کے دامن میں چھُپ کے جان بچاتے رہے اور آخر کلیتہً تباہ ہو گئے

فصل سوم

سلطنت شام (۳۱۲ قبل محمدؐ سے ۶۷ قبل محمدؐ تک)

سلوقس نے جو نی کاتور (فاتح) کے لقب سے مشہور ہے جیسا کہ ہم ابھی بیان کر آئے ہیں اَن تی گونوس سے بغاوت کی اور امرائے عجم سے مدد حاصل کر کے تھوڑا سا ایران اور ایشیائے کوچک کے بڑے حصہ پر قابض ہو گیا۔ لیکن کامیابی کے بعد اسے نظر آیا کہ لڑائیوں اور قتل و خون کی وجہ سے میری ساری قلمرو تباہ و برباد ہو گئی ہے۔ اس نقصان کو دُور کرنے کے لئے اس نے بہت سے نئے شہر آباد کئے۔ جن میں سے کم از کم اس کے سولہ بیٹے انطقی اوچوس کے نام سے نامزد کئے گئے۔ اور نو شہر خود اس کے نام سے اُنھیں آخر الذکر شہروں میں سے ایک شہر سلوقیہ تھا جو دریائے دجلہ کے کنارے بسایا گیا۔ بابل کی سب سے آخری تباہی کا باعث اسی شہر کی آبادی سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے کہ لوگوں کے غول اپنے پُرانے شہر بابل کو چھوڑ چھوڑ کے اس نئے شہر میں بسنے کے لئے چلے جاتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ بابل کی آب و ہوا امتداد زمانہ سے بالکل خراب ہو گئی تھی اور شہر کے آس پاس جو تالاب تھے اُنکے

ٹھہرے ہوئے پانی میں سمیت پیدا کر کے وہاں کی صحت ایسی خراب کر دی تھی کہ لوگ بہت کم تندرست رہتے تھے اور جو جو زمانہ گزرتا جاتا تھا۔ آب و ہوا ایسی خراب ہوتی جاتی تھی۔ آخر کار اہل بابل اس قدر اُجڑ گیا کہ سلوقوس کے جانشینوں میں سے ایک نے بابل کے اُجاڑ کھنڈروں کو اپنی شکارگاہ قرار دیا۔ مختلف ممالک سے طرح طرح کے جانوروں اور درندوں کو لا کے وہاں چھوڑا۔ اور آدمیوں کے عوض اس میں وحشی جانوروں اور خونخوار درندوں کو بسایا۔ اس طریقہ سے بابل کی یہ حالت ہوگئی کہ صحرا کے درندے جزائر کے درندوں سے یہاں آ کے ملے۔ قصروں اور ایوانوں پر بندر ناچتے اور اُچکتے پھرتے تھے۔ تیمر امیس کا محل اور وہاں کا عجیب و غریب ہوائی باغ اُلّوؤں کا مسکن تھا۔ ارض شام کا شہر انطاکیہ بھی اسی سلوقوس کا بسایا ہوا ہے جو وہاں کا دارالسلطنت قرار پایا۔ اور قدیم الایام کے مشہور ترین شہروں میں ہے۔

۲۸۱ قبل محمدؐ میں سلوقوس مار ڈالا گیا۔ اور اس کے بیٹے انٹی اوچوس نے اس کے بعد اقبال مندی و سرسبزی سے حکومت کی پھر اس کے بعد اس کا بیٹا انٹی اوچوس باپ کا جانشین ہوا جو نہایت ہی لغو اور بیہودہ تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے آپ کو تھی اوس یعنی دیوتا کے لقب سے مشہور کیا اور دولت مصر سے جو ایک معاہدہ تھا اس کی پابندی میں اُس نے بطلیموس فی لاڈل فوس کی بیٹی برنیقہ سے شادی کی۔ لیکن برنیقہ کے باپ کے مرتے ہی اسے نکال باہر کیا اور اپنی پہلی بی بی لاوڈی قہ کو بلا کے پاس رکھا۔ لاوڈی قہ نے اس خیال سے کہ مبادا میاں کی طبیعت پھر بدل جائے آتے ہی اُسے اس بات پر آمادہ کیا کہ میرے بیٹے سلوقوس کو ولی عہد تسلیم کرو۔ اور جب انٹی اوچوس اس کی یہ آرزو پوری کر چکا تو لاوڈیقہ نے اسے زہر دے کے مار ڈالا۔ اس سنگدل ملکہ نے اپنے نفسانی جذبات

میں شوہر کشی ہی پر قناعت نہیں کی۔ بلکہ اس کے بعد اُس کی دوسری بی بی شاہزادی مصر بر نیقہ اور اس کے بچوں کو بھی قتل کر ڈالا۔ اور ساری سلطنتِ شام پر قابض ہو گئی لاؤ ذیقہ کے بیٹے سلو قوس کو تھوڑے ہی دنوں حکومت کرنا نصیب ہوا اور اسکے بعد اُس کے بھائی آن ٹی اوگوس نے جو اپنے کارناموں کے باعث اعظم کے لقب سے مشہور تھا۔ تخت و تاج پر قبضہ کر کے کمزور اور بدکار تاجدار مصر بطلیوس فی لوپاطور پر حملہ کر کے ساری ارض فلسطین کو اس کے قبضہ سے نکال لایا۔ یہ ایک ایسا انقلاب تھا جس سے یہودیوں کو بڑی بھاری مصیبتیں برداشت کرنا پڑیں

بطلیوس فی لوپاطور اس شکست کا صدمہ اُٹھانے کے بعد عنفوان شباب ہی میں مرگیا اور اس کا بیٹا بطلیوس فی لومے طور چونکہ بالکل نوعمر بچہ تھا۔ اس لئے انطی اوگوس نے موقع پا کے اپنی اولوالعزمیوں کا قدم اور آگے بڑھایا اور دل میں یہ منصوبہ ٹھہرا لیا کہ خود مملکتِ مصر پر بھی قبضہ کر لے۔ لیکن اب رومیوں کی سطوت ترقی پر تھی اور وہ ہر ملک کے معاملات میں دخل دہی کرنے کو اپنی عظمت کا ذریعہ تصور کرتے تھے۔ لہذا سلطنت روم درمیان میں پڑ گئی اور انطی اوگوس کو اپنے حملہ آوری کے ارادے سے دست بردار ہونا پڑا۔

فصل چہارم

اسے چیادالوں کی لیگ (۲۳۹ قبل محمدؐ سے ۷۶۴ قبل محمدؐ تک)

وہ فرماں روا خاندان جس کی بنیاد انطی گونوس سے پڑی تھی اس نے بہت سے ہچکولے برداشت کرنے کے بعد مقدونیہ کا تخت و تاج حاصل کر لیا اور یونان اس کے تابع فرمان تھا۔ ڈے مے طریوس پولی اور سے تیس کا بیٹا آن ٹی گونوس گوناطاس پہلا شخص تھا جس نے مستقل فرماں روائی و سلطنت کا کچھ لطف اٹھایا

مگر اُس کے عہد کی تاریخ دُنیا کو بہت ہی کم معلوم ہے۔

سکندر کے مر جانے کے بعد جو انقلابات ہوئے اُن میں ریاست ہائے یونان کے لئے کسی نہ کسی قدر موقع ضرور حاصل تھا کہ اپنی چھنی ہوئی آزادی پھر حاصل کرلیں۔ لیکن متنازع جماعتوں کے لشکروں کی مجموعی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ کسی ایک شہر میں اُس کا ٹکنا دُشوار تھا۔ اور اس کے ساتھ خرابی یہ تھی کہ باہمی تعصبات اور پارٹی فیلنگ کے جذبات اُن میں روابط و اتحاد نہیں پیدا ہونے دیتے تھے۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ سلطنت مقدونیہ کے ٹوٹنے اور ڈیموستھنیس کے مرنے کے بعد اسّی برس تک اُن شہروں میں جہاں کے کارنامے قدیم الایام میں نہایت ہی مشہور و معروف تھے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں پیدا ہوا جو تدبیر مملکت یا سپہ گری و شجاعت کے اعتبار سے ممتاز ہوتا۔ آخر باسی گڑھی میں اُبال آیا اور علاقہ پیٹے لے پون لے سوس کے واقعات سے پُرانا جوش کسی حد تک پھر نمایاں ہوا علاقہ اچائیا کے چھوٹے چھوٹے شہر جو اگلے دنوں ایک لیگ کے اندر منسلک و منضبط تھے۔ یونان کی عام تباہی کے وقت اُن پر بھی یہ آفت آئی کہ اُن میں سے ہر ایک پر ایک مقدونی ظالم و حاکم متصرف تھا اور چونکہ اُن شہروں کی آبادی کم تھی اس لئے ان مقدونی حاکموں کے مظالم اُن میں بہت زیادہ محسوس ہوتے تھے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے یہ مظالم ناقابل برداشت ہو گئے اور اُن شہروں نے یکے بعد دیگرے جان سے ہاتھ دھو کے بغاوت کی۔ حکومت کا جُوا اپنی گردن پر سے اُتار کے پھینک دیا۔ اور ایک نئی لیگ از سرِ نو قائم کرلی تاکہ سب شہر جنگ و امن دونوں حالتوں میں ایک دوسرے کے ممد و معاون رہیں۔

سقیون نام ایک بڑا اور دولتمند شہر ساحل پر واقع تھا۔ وہاں کے ایک نوعمر باشندے نے اپنے لوگوں میں بڑی خوش اسلوبی سے جوش پیدا کر کے ناقابل

برداشت حکومت پر حملہ کیا اور ظالم متقدولی حکمران کے پھندے سے نجات پاکے آزادی حاصل کرلی اور اپنے شہر کو لیگ کے حلقہ میں شامل کردیا۔ بس اس وقت سے یہی نو عمر شخص لیگ کا اصلی روح رواں قرار پایا گیا۔ اس کے بعد اسے کورنتھ کے آزاد کرانے میں بھی کامیابی حاصل ہوئی۔ اور بہت سی بے سود کوششوں کے بعد آخر کار اس نے شہر آرغوس کو بھی آزادی دلائی۔ اور اگرچہ ایک سپہ سالار کی حیثیت سے وہ زیادہ کامیاب و بامُراد نہ تھا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ہم وطنوں کو ہمیشہ اس سے محبت رہی اور تمام ہم ملکوں کو اُس پر بھروسا تھا۔

اب اسپارٹا میں بھی کس قدر نئی زندگی پیدا ہوئی۔ وہاں قدیم سے دو بادشاہ ہوا کرتے تھے۔ اُن میں سے ایک نے جس کا نام آغس تھا۔ اور اس کی عمر ۲۰ برس سے زیادہ نہ تھی نہایت سختی کے ساتھ کوشش کی کہ لی کورگوس کے قوانین کو پھر جاری کرے اور اس کی ابتدا خود اپنی ذات سے یوں کی کہ اپنی ساری دولت و حشمت پر کمال بے پروائی سے لات ماردی اور اسپارٹا کی پُرانی سادی جفاکشی کی زندگی بسر کرنے لگا۔ مگر اس کے شریک ریاست یعنی اسپارٹا کے دوسرے بادشاہ نے جس کا نام لے اونی ڈاس تھا۔ اس امر میں اس سے نہایت ہی اختلاف اور اسکی کارروائیوں میں مزاحمت کی۔ اس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ اُس نے اپنی ساری جوانی ایک ایشیا کے صوبہ دار کے محل میں بسر کی تھی جس کی وجہ سے نفس پرور ہو گیا تھا اور اپنی زندگی میں ایسے انقلاب کو کسی طرح گوارا نہ کر سکتا تھا۔ بہادر نوعمر آغس ایک بے نتیجہ جھگڑے کے بعد دھوکہ کھاکے اپنے دشمنوں کے ہاتھ لگ گیا جنھوں نے اس کی نسبت یہ فیصلہ کیا کہ گلا گھونٹ کے مار ڈالا جائے عہد قدیم کے پُرانے اہلِ اسپارٹا کی طرح اس نے بڑی جوانمردی و استقلال سے جان دی اور مرتے وقت اس کی زبان سے یہ اطمینان بخش کلمات نکلے کہ "میں مرنے میں بھی اپنے

دشمنوں سے زیادہ معزز ہوں"۔ اس کے مارے جانے کے چند روز بعد اس کا
ننھا بچہ بھی مر گیا۔ اور اسی پر اسپارٹا کے دو شاہی خاندانوں میں سے ایک کا خاتمہ
ہو گیا۔ اس کی بیوہ اغیاطیس چونکہ ایک بڑی بھاری دولت کی وارث ہوئی تھی۔
اس لئے کے ادنی ڈاس نے مجبور کر کے اس کی شادی اپنے بیٹے کلے اومے
نیس کے ساتھ کر دی۔ کلے اومے نیس ابھی نوجوان نوخیز تھا۔ اغیاطیس کی زلف
گرہ گیر میں پھنس کے اُس کے حسن و جمال پر ایسا فریفتہ ہو گیا کہ ہر وقت اُسی کا
دم بھرا کرتا۔ اور اس کی زبان سے آغس کے کارنامے سُن سن کے بہت خوش
ہوتا۔ اور آخر بی بی کی پیروی میں وہ آغس کے نام کی عزت کرنے لگا، اور
اس کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ اپنے آپ کو بھی آغس ہی کا سا بنا دے۔ پھر
جب باپ کے مرنے کے بعد وہ سارے اسپارٹا کا بادشاہ قرار پایا تو کوشش کرنے
لگا کہ جہاں تک بنے پُرانے قوانین کو رواج دے اور جس کام کی بنیاد آغس
نے ڈالی تھی اسے تکمیل کو پہونچا دے۔

آراتوس اور اچائیا والوں نے چاہا کہ سارے علاقہ پے لے پون نے سوس
کو اس لیگ کے ساتھ وابستہ کر دیں اور جب اہل اسپارٹا نے اس سے انکار کیا
تو یہ لوگ حماقت سے مقابلہ کرنے اور لڑنے کو تیار ہو گئے۔ آراتوس نے اس
موقع پر ظاہر کر دیا کہ پارٹی فیلنگ کا جوش قومی جوش پر کس طرح غالب آجایا کرتا
ہے۔ کیونکہ اسپارٹا والوں کی دشمنی کے جوش میں اُس نے خود اچائیا اور سارے
یونان کی آزادی ہاتھ سے کھو دی۔ جس کے حاصل کرنے کی فکروں اور تدبیروں
میں زندگی بھر لگا رہا۔ چنانچہ محض اسپارٹا والوں کے نیچا دکھانے کے لئے وہ
مقدونیہ والوں سے جا ملا۔ ادھر اسپارٹا کے بادشاہ کلے اومے نیس نے اپنے
حریفوں کو زبردست دیکھ کے مصر والوں سے مدد مانگی۔ سلطنتِ مصر نے مدد تو

دی مگر اس شرط پر کہ کفالت کے طریقے سے وہ اپنی ماں اور اپنے دو دو عمر بچوں کو اسکندریہ میں بھیج دے (اس سے چند ہی روز پہلے اُس کی پیاری بی بی اغیا ٹیس دُنیا سے رُخصت ہو چکی تھی) ماں نہایت ہی استقلال اور مضبوطی سے خوشی خوشی اس سے رخصت ہو کے اسکندریہ گئی جہاں پہونچتے ہی اُسے اس مضمون کا خط لکھ بھیجا کہ "تم ایک ناکارہ بڑھیا اور بے کس بچوں کی سلامتی کی ذرا بھی فکر نہ کرنا، بلکہ بلا لحاظ اس کے کہ اِن باتوں کا خیال بھی تمھارے دل میں آئے اپنے ملک کی بھلائی میں لگے رہو۔

۲۲۲ھ قبل محمدؐ کلے اومے نیس کو سے لاخیا کے میدان میں مقدونیہ، اور اچا ئیا والوں سے شکست ہوئی۔ اور فتحیاب لشکر فتح و نصرت کے پھریرے اُڑاتا ہوا اسپارٹا کی طرف بڑھا۔ ایسے نازک وقت میں اُسے خیال گزرا کہ شاید میری عدم موجودگی میں اہل اسپارٹا زیادہ مفید شرائط پر صُلح کر سکیں۔ چنانچہ فوراً جہاز پر سوار ہو کے خود بھی اسکندریہ کی راہ لی۔ جہاں پہونچتے ہی سلطنت مصر کے قبضہ میں تھا۔ کئی سال تک وہاں پڑا رہا۔ اور بار بار التجا کرتا تھا کہ اب مجھے اپنے وطن جانے کی اجازت دی جائے۔ مگر بطلیوس نی آویا طور کی کسی طرح مرضی نہ ہوتی تھی۔ نازک مزاج اور عیش پرست اہلِ اسکندریہ اُس کے سپاہیانہ نداق کو پسند نہ کرتے تھے۔ بلکہ اُسے ایک خطرناک شخص تصوّر کرتے تھے۔ وہ اکثر یہاں کی صحبتوں میں کہا کرتا تھا کہ "اسپارٹا کا ایک جفاکش اور متین و خاموش آدمی اپنی خودداری کی وضع اور سچائی کی شان کے ساتھ یہاں والوں میں ویسا ہی ہے جیسے کہ کوئی شیر ببر بھیڑیوں کے گلّے میں اِدھر اُدھر ٹہل رہا ہو" یہ خطرہ اہلِ مصر میں یہاں تک بڑھا کہ بطلیوس ظلم پر آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ اس نے کلے اومے نیس کو مع اس کے تمام رفقا کو جو اسپارٹا سے ہمراہ آئے تھے بے جرم و بے قصور

قتل کر ڈالا۔ حتیٰ کہ اس کی غریب ماں اور معصوم بچوں کی بھی جان نہ بچی۔ یوں ہر کلی نژاد شاہان اسپارٹا کے دونوں خاندانوں کے چراغ گل ہو گئے۔ اور ہر ایک کا خاتمہ ایسے ہی بہادر شخص پر ہوا جس کے کارنامے کی کورگوس کے لئے موجب ننگ نہ ہوئے۔

اسپارٹا کے مغلوب کرنے کے بعد آراطوس کو بھی ٹھیک سزا مل گئی۔ جس نے ذاتی پرخاش سے قومی آزادی کو خاک میں ملا دیا تھا۔ مقدونیہ کے بادشاہ فلپ نے پہلے تو اسے اپنا دوست اور مشیر بنایا۔ لیکن اس سے سب طرح کے فائدے اُٹھا لینے کے بعد جب دیکھا کہ میری تدبیروں میں خلل انداز ہوتا ہے تو ایک قسم کے دیر اثر زہر کے ذریعہ سے اس کی زندگی کا خاتمہ کرا دیا۔

اب اس کے بعد ثی لوپے سون نام ایک باشندہ مے گالو پولیس لیگ کا رہنما بنا۔ اس نے اپنی کارروائیوں سے ایسی شجاعت و دانائی اور استقامت کے صفات ظاہر کئے کہ اکثر وہ یونانیوں کا پچھلا شخص کہا جاتا ہے۔ ان دنوں اچائیا والے اور نیز اہل مقدونیہ اکثر اوقات آے تولیا والوں سے لڑتے رہتے تھے۔ یہ اہل آے طولیہ دریائی لٹیرے تھے جو اکثر اپنے پڑوسیوں پر ناحق یورشیں کیا کرتے۔ فلپ شاہ مقدونیہ نے ان کی مزاحمت کی۔ اور انھیں دبا لیا۔ ان کا کوئی اور زور نہ چلا تو انھوں نے رومیوں سے مدد مانگی جن کا ستارہ اب عروج پر تھا۔ اور جو اپنی ترقی کا راستہ نکالنے کے لئے ایسے ایسے موقعے ڈھونڈا ہی کرتے تھے۔

نواں باب

رومیوں کی فتح ایطالیا میں (سنہ ۱۳۲۶ قبل محمدؐ سے سنہ ۴۶ قبل محمدؐ تک)

فصل اوّل

رومیوں کا دیومالا

بحیرۂ روم میں جزیرہ نمائے یونان سے آگے بڑھ کے ایک اور جزیرہ نما ہو جسے خلیج ایڈریاٹک پہلے جزیرہ نما سے جدا کرتا ہے۔ یہ دوسرا جزیرہ نما ایک بڑی اور لمبی مچھلی کی طرح سمندر میں دور تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ اور کوہسار آپینائن گویا۔ اس کا بڑا کانٹا یا اس کی پیٹھ کی ہڈی ہے۔ اسی طرح کے اور کئی اس سے چھوٹے کوہسار بھی دونوں پہلوؤں پر سلسلہ بندی کرتے چلے گئے ہیں اہل یونان اس سرزمین کو ہے سپے ریا یعنی شام کے تارے والی زمین کہتے تھے۔ اسمیں متعدد ایسی قومیں آباد تھیں جن کی اصلیت اس کے سوا اور کچھ نہیں معلوم کہ یافث بن نوحؑ کی نسل سے تھیں۔

انھیں قوموں میں ایک کے نام سے ایطالیا کا نام ماخوذ ہے اور ایک کے نام سے لاطینی زبان کا نام نکلا ہے۔ "توس کی" یا "اطروس" کا والے جو اس سرزمین میں آباد تھے جو آجتک توس کانی (ٹسکانی) کے نام سے مشہور ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے عادات و اطوار کا اثر تمام دوسری قوموں پر پڑا ہوا تھا اطروس کا والوں کی بنائی ہوئی دیواریں اور ان کی یادگاریں جو آج تک کچھ کچھ باقی ہیں۔ اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے تمدن و تہذیب میں ایک معتدبہ حصہ تک ترقی کر لی تھی۔ لیکن اُن کی تاریخ اور اُن کے عہد کے حالات دُنیا سے

مٹ گئے۔ انھیں کے کھنڈروں پر اُس چوتھی عظیم الشان سلطنت کی عمارت قائم ہوئی۔ جو سلطنت روم کہلاتی ہے اور جسے حضرت دانیال کے خواب نے پیشتر ہی سے ان الفاظ میں متشکل کر دیا تھا کہ "بڑے اور موذی درندے جن کے دانت لوہے اور فولاد کے ہوں گے"۔

اس جزیرہ نما کے وسط میں کوہسار آپے نی نائن کے مغربی پہلو پر دریائے طی بیر ایک گھاٹی کے اندر بہتا ہے جو پہاڑیوں کے اندر ہی اندر سلسلۂ اعظم کوہسار کے دامنوں میں رینگتا ہوا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد ایک مسطح حصۂ زمین کو طے کر کے سمندر میں جا پہونچتا ہے۔ اس دریا کے دہانے سے تقریباً ۱۸ میل کی مسافت پر عین اُس جگہ جہاں سے دریائے آنیو اور دریائے طی بیر ملے اور ایک دھار ابن کے بہے ہیں سات پہاڑیاں واقع ہیں جنھیں چھوٹی چھوٹی گھاٹیاں ایک دوسرے سے جُدا کرتی ہیں۔ بس اسی مقام پر شہر روما الکبریٰ واقع ہے جو کبھی سارے عالم کی ملکہ تصور کیا جاتا تھا۔ وہ ساتوں پہاڑیاں تمام و کمال شہر پناہ کے اندر لے گئی ہیں۔ اور سب سے بلند ٹیلے پر قصر شاہی یا ایوان شہریاری واقع تھا۔ گرد کی تمام شاداب و سیر حاصل زمین چھوٹے چھوٹے کھیتوں میں بٹی ہوئی تھی۔ جس میں شہر روما یا روم والے کاشت کیا کرتے تھے۔

اگلے زمانے میں اس قوم کی وضع قطع یہ تھی کہ سنجیدہ، متین، مستعد اور سیدھے سادھے لوگ تھے۔ نہایت درجہ جنگ جو اور اس کے ساتھ اُن کے طبائع میں ایک خاص قسم کا روکھا پن تھا اور ہر کام میں گرمجوشی ظاہر ہوتی تھی۔ انھیں اپنے شہر روم پر فخر و ناز تھا اور اس سے ایسی محبت تھی جو ترقی کر کے وطن کی پرستش کرنے کے درجہ کو پہونچ گئی۔ نہ وہاں یونان کا فلسفہ تھا۔ اور نہ وہاں کی حُسن پرستی۔ رومیوں کی دُنیا میں درشت مزاجی اور جفاکشی تھی۔ انھیں آپ اپنے اوپر گھمنڈ تھا۔ اور

اپنے "ریس پوپ لی کا" (فلاح عامہ) کی عظمت کے دلدادہ تھے۔ اُن لوگوں کا طرز عمل تھا کہ اپنے شہر روم پر اور اپنے خیال مذاق کی بھلائی اور بُردباری پر اپنی ساری اُمیدوں۔ اپنی زندگی اور اپنی تمام عزیز اور پیاری چیزوں کو قربان کر دیتے اور دوسری قوموں کے ساتھ رحم وانصاف کا پورا پورا برتاؤ کرتے۔

اگلے رومیوں کے مذہب کے متعلق ہمیں بہت کم واقفیت ہے۔ مگر بعد کے زمانے میں انھوں نے یونانیوں کے دیوتاؤں اور اُن کے دیومالا کو اختیار کر لیا اور اس بات کی کوشش کی کہ اپنے اصلی دیوتاؤں کو انھیں کے دیوتا ثابت کریں۔ جس کی وجہ سے اُن کے مذہب کے متعلق ایک بڑا اُلجھاؤ پڑ گیا ہے۔ اس لئے کہ یونانیوں کے دیوتاؤں کو ہم نے رومی ناموں ہی سے پہچانا ہے اور رومی دیوتاؤں کے خصائص یونانی دیوتاؤں میں مل کے غائب ہو گئے ہیں۔ اس طریقہ سے جو پیٹر اور جونو آسمانوں کے بادشاہ اور ملکہ بتائے گئے۔ تی زڑا اسکول کے لڑکوں کی دیوی ہی رومیوں کی دیوی پلاس بنا دی گئی۔ ڈیانا یعنی چاند کی نسبت خیال کیا گیا کہ آرتی میس ہی کا دوسرا نام ہے۔ اور وی نوس (زہرہ) لنس، یعنی زہرہ کی جانب وہ تمام کہانیاں منسوب کر دی گئیں جو یونانیوں کی دیوی آفرودی طہ کے لئے مخصوص تھیں۔ فقط جانوس اور وستا خالص رومی دیوتا اور دیوی ہیں جن کے حالات خاص طور پر محفوظ رکھے گئے ہیں۔

جانوس دیوتا شہر کے پھاٹکوں کا محافظ مانا جاتا تھا۔ اور اسی خیال سے لڑائی کے زمانے میں اُس کے مندر کے دروازے شب و روز کھلے رکھے جاتے اور صُلح وامن کے زمانے میں بند کر دیے جاتے۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جنگ وپیکار کا سلسلہ روم میں مدتوں اس طرح مسلسل قائم رہا کہ ساری تاریخ روم کے عہد میں اس مندر کے دروازے ہمیشہ کھلے ہی رہے اور صرف تین بار اُن کے بند کرنے کا

موقع ملا۔ جانوس کی مورت دو چہروں کی ہوتی۔ انگریزی سال کے پہلے مہینے جنوری کا نام اسی دیوتا کے نام سے ماخوذ ہے۔ اس کا اصلی مادہ "جانی تور" ہے جس کے معنی دربان کے ہیں۔

وسٹا مقدس آگ کی دیوی تھی۔ جس پر شہر روم کی سلامتی منحصر سمجھی جاتی تھی۔ ایک مدور شوالہ تھا اس میں یہ آگ روشن رہا کرتی اور چھ کنواری لڑکیاں اس آگ کی محافظ رہا کرتیں جن کی زندگی پاک دامنی کی نذر کر دی جاتی۔ یعنی مرتے دم تک کنواری اور عفیفہ رہتیں۔ اور رومیوں میں اُن کی بڑی ہی تعظیم و تکریم کی جاتی اور انھیں اس بات کا حق حاصل تھا کہ چاہے کیسے ہی اور کتنے ہی بڑے مجرم کو قتل گاہ میں لئے جاتے وہ چاہتیں تو اس کی جان بچا دیتیں۔

رومیوں کا بھی یہ عام خیال تھا کہ ہر شخص کا ایک جینیوس (جی نی اکس) یعنی محافظ دیوتا ہے اور ہر گھر میں مکانوں کی ڈیوڑھی اور چولھے کی دہلیز پر ہر کھانے کے وقت شراب یا شربت یا اور کوئی پینے کی چیز نیاز یا قربانی کے طور پر ضرور ڈال دی جاتی۔ غالباً سارے اہلِ روم خصوصاً اطروس کا والوں کو اُمید تھی کہ مرنے کے بعد اپنے دنیوی اعمال کا بدلہ پائیں گے۔ یہ مذہب اپنی اسی اگلی سادی وضع میں جب کہ اس میں سچائی کی بھی اکثر باتیں موجود تھیں ان کے اعمال و کردار پر بڑا اثر رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ عروج حاصل کرنے کے بعد انھوں نے خود اپنے ہاتھ سے اپنی عزت اور اپنے اعتبار کو کھو دیا۔ اور یونان کے آخر عہد کے پیچیدہ فلسفہ میں اُن کی پریشاں خیالیں لغو، بیہودہ اور وحشیانہ کہانیوں کے مل جانے سے اُن کے عقائد زیادہ بگڑ گئے۔ ان کا وہ پرانا دیانتداری اور راست بازی کا مذہب تشریف لے گیا۔ اور اس انقلاب کے ساتھ اُن میں سیہ کاری اور خونریزی کی جو روک تھام تھی وہ بھی اُٹھ گئی

فصل دوم

شہر روم کی بنیاد (سنہ ۱۳۲۶ قبل محمدؐ سے سنہ ۱۲۱۳ قبل محمدؐ تک)

روم کی پرانی تاریخ کے متعلق سوا اُن چند باتوں کے جو زبانی روایتوں کے ذریعہ نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی چلی آئی ہیں اور جن کا غالب حصّہ بے سروپا کہانیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور کچھ نہیں معلوم ہو سکتا۔

ان روایات کے مطابق یہ ہے کہ جب شہر ٹرائے جلا کے تباہ و برباد کیا گیا اُس وقت وہاں کا ایک شاہزادہ جس کا نام اے نیاس تھا۔ وہاں سے بھاگ کے اپنے بوڑھے باپ آن چی سیس کو پیٹھ پر لادے۔ اپنے خانگی دیوتاؤں کو بغل میں دبائے اور اپنے کم سن بچے آس کا نیوس یا آیولوس کی اُنگلی پکڑے ہوئے یہاں پہونچا۔ مدتوں مارے مارے پھرنے کے بعد وے نوس (وینس) دیوی نے جو اس کی ماں بتائی جاتی ہے اپنی حمایت میں لے کے اسے صحیح وسالم ایطالیہ میں پہونچایا۔ یہاں آکے اس نے لاطیوم (لاطینی قوم) کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کی اور اس کے بیٹے آس کا نیوس نے شہر آلبا کی بنیاد ڈالی۔

اس کے کئی صدیوں بعد دو توام بھائی رومولوس اور رموس پیدا ہوئے۔ ان کی ماں کا نام ریا سلویا تھا جو آگ کی دیوی وِسْتا کی کنواری پجارن، اور آمولیوس شاہ آلبا کی بھتیجی تھی۔ شاہ امولیوس خود کبد آے نیاس کی نسل سے تھا۔ اور مارس دیوتا یعنی مریخ تارہ ان دونوں توام بھائیوں کا باپ بتایا جاتا تھا چونکہ انکی ماں سے ایک بے وفائی کی حرکت صادر ہو گئی تھی۔ اس لئے امولوس نے حکم دیا کہ وہ زندہ دفن کر دی جائے اور اس کے یہ دونوں بچے ایک ٹوکری میں رکھ کر دریائے

طبیر میں بہا دیے جائیں۔ دریا اُن دنوں طغیانی پر تھا اس لئے ٹوکری کنارے کنارے بہتی چلی گئی یہاں تک کہ پانی کا اُترنا شروع ہوا اور ٹوکری مع دونوں زندہ بچوں کے کنارے زمین پر رکھی رہ گئی۔ اتفاقاً ایک بھیڑنی کا اُدھر گذر ہوا۔ اور بجائے اس کے کہ وہ ان کو پھاڑ کے کھا جائے خدا نے کچھ ایسی محبت اس کے دل میں پیدا کر دی کہ اُنھیں اپنے بھٹ میں لے گئی۔ دُودھ پلایا۔ انکی نگہبانی کرنے لگی۔ چند روز بعد ایک چرواہے کو اس کی خبر لگی وہ انھیں بھیڑیوں کے بھٹ سے اُٹھا لایا اور دونوں کو بیٹا بنا کے پالا۔ چنانچہ اِسی وجہ سے یہ دونوں بچے اور اُن کو دودھ پلانے والی بھیڑنی عظمت روم کے عام پسند شعار اور مار کے بن گئے۔ اور مارس یعنی مریخ اس شہر کا محافظ دیوتا قرار پایا۔ جس کے نام پر سال کے تیسرے مہینہ (مارچ) کا نام رکھا گیا۔

رومولوس اور رموس جب پل پلا کے بڑے ہوئے تو اُنھیں پتہ چل گیا کہ ہم شاہی نسل سے ہیں۔ اور سلطنت حاصل کرنے کی فکر کرنے لگے۔ آخر انھوں نے اپنی ماں کے قاتل شاہ امولیوس کو شکست دی۔ اور اس کے بعد قصد کیا کہ عین اُسی مقام پر جہاں پہلے پہل وہ ٹوکرے میں پڑے ملے تھے اپنے لئے ایک شہر بسائیں

اب یہ مسئلہ پیش آیا کہ یہ نیا شہر دونوں بھائیوں میں سے کس کے نام سے نامزد کیا جائے جس کا تصفیہ کرنے کے لئے ہر بھائی ایک پہاڑی پر جا کے کھڑا ہوا اور انتظار کرنے لگا کہ دیکھوں دیوتا کون سا شگون دکھاتے ہیں۔ رومولوس کو غور کرتے کرتے بارہ گدھ نظر آئے اور رموس کو صرف چھ گدھ، بس اسی ترجیح کی بنا پر رومولوس کے نام پر شہر کا نام روما رکھ دیا گیا۔ اور رومولوس ہی بادشاہ منتخب ہوا۔ اور اس نے اپنی عمارت پالاطینہ (پلے لے ٹائن) پہاڑی پر تعمیر کرنا شروع کی۔ رموس کا دل اپنی ناکامی کے خیال سے تھوڑا ہو گیا اور ایسا برخاستہ خاطر

ہو اگہ عمارت کے کام میں شریک نہ ہوا۔ اور آخرکار رومولوس کو اپنے مقابل ہیچ ثابت کرنے کے لئے اس مٹی کی دیوار کو پھاند گیا جسے رومولوس اپنے نئے شہر کے گرد شہر پناہ کی حیثیت سے تعمیر کرا رہا تھا۔ اس پر رومولوس کو جو غصہ آیا تو طیش میں آ کے بھائی کو اسی جگہ قتل کر ڈالا اور جوش و خروش کے ساتھ چلّا کے کہا "یوں ہی ہر شخص جو میری دیوار پھاندنے کی جرأت کرے مر جائے گا"

روم کی تعمیر کا زمانہ ۱۳۲۴ء قبل محمدؐ قرار دیا گیا ہے۔ اور یہی تاریخ تھی جس سے اہلِ روم برسوں کا حساب لگایا کرتے تھے جو سہ حروف اے۔ یو۔ سی سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ جن سے مُراد یہ الفاظ ہیں "آنو اربیس کون دی تے" یعنی سال تعمیر شہر اُن دنوں قرب و جوار کی دیگر اقوام کی نظر میں رومولوس اور اس کے پیرو چوروں اور ڈاکوؤں سے کچھ یوں ہی سی زیادہ فوقیت رکھتے تھے اور اسی وجہ سے اُن کے نکاح میں کوئی قوم اپنی بیٹیاں نہ دیتی تھی۔ قرب و جوار والوں کی اس بے اعتنائی سے تنگ آ کے رومہ کے بادشاہ نے ایک دن دعوت کا اعلان کیا۔ اور اس میں اپنی پڑوسی قوم سابی نس کے تمام لوگوں کو خاص طور پر مدعو کیا اور تاکید کر دی کہ اپنے بال بچوں اور سارے خاندان والوں کو ساتھ لائیں۔ دعوت بڑے دھوم دھام کی تھی۔ اور سب لوگ اکل و شرب میں مصروف تھے کہ یکایک ایک اشارہ کیا گیا جو پہلے سے مقرر کر دیا گیا تھا۔ اور اس اشارے کے ساتھ ہی ہر رومی نے سابی نس قوم کی ایک کنواری لڑکی کو پکڑ لیا۔ اور اسے زبردستی اپنے گھر لے بھاگا۔ لڑکیوں کے ماں باپ چونکہ نہتے تھے اس لئے انکا زور نہ چلا۔ اور بہت آسانی سے مغلوب ہو گئے۔ مگر اتنی بڑی شرمناک لوٹ اور کہیں ہی اوپر نہ جا سکتی تھی۔ فوراً رومیوں اور سابی نس والوں میں لڑائی چھڑ گئی اس لڑائی کے اثنا میں فرماں روائے روم کی بیٹی تار پیا کی دغابازی سے سابی نس،

لوگوں کو روم کی شہر پناہ کے اندر داخل ہونے کا راستہ معلوم ہو گیا۔ باپ اور قوم سے جو دغا بازی کی تھی اُس کے صلہ میں تارپیا نے سابی نس والوں سے کہا کہ جو زیور تم سب اپنے بائیں بازوؤں پر پہنتے ہو مجھے دے دو۔" اس سے اس کا مقصد تو یہ تھا کہ سونے کے بازو بند جو سابی نس لوگوں کے بائیں ڈنڈوں پر بندھے ہوئے تھے اُسے مل جائیں۔ لیکن اُن لوگوں نے عمداً غلط فہمی ظاہر کر کے طلائی بازو بندوں کے عوض اپنی ڈھالیں کھینچ کھینچ ماریں۔ اس لئے کہ انھیں بھی بازوؤں پر لگائے رہتے تھے۔ صدہا ڈھالیں جو آ کے گریں تو تارپیا انھیں کے نیچے دب کے رہ گئی اور کچل کے مر گئی۔ بلندی شہر کا وہ ٹلہ جہاں تارپیا ماری گئی آج تک تارپین راک کہلاتا ہے اور مدتوں رومیوں میں مجرموں کے قتل کرنے کا یہی طریقہ مروج رہا کہ اسی چوٹی پر لے جا کے اُنھیں نیچے پھینک دیا کرتے۔

آخر مدت تک لڑتے رہنے کے بعد خود عورتیں ہی درمیان میں پڑیں جو باعث نزاع تھیں اور لڑائی ختم ہو گئی۔ کیونکہ سابی نس عورتیں اپنے رومی شوہروں سے اب ایسی خوش اور راضی تھیں اور ان کی اس قدر دلدادہ ہو گئی تھیں کہ وہی اپنے میکے اور سسرال والوں کے ملا دینے کی باعث ہوئیں اور ان دونوں قوموں میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ بادشاہوں کا انتخاب یکے بعد دیگرے دونوں قوموں میں سے ہوا کرے۔ یعنی ایک بادشاہ اس قوم کا ہو۔ دوسرا اس کا، تیسرا اُس کا، اور چوتھا اس کا۔

رومولس کا انجام یہ ہوا کہ اپنی فوج کے ایک مجمع میں سے یکایک غائب ہو گیا اور لوگوں میں مشہور ہوا کہ اس کا باپ مریخ اسے آسمان پر اُٹھا لے گیا ہے اس خیال کے پھیلتے ہی کوئی رِی نوس کے نام سے اس کی پرستش ہونے لگی اور یہی نام اُن سات پہاڑیوں میں سے ایک کا رکھ دیا گیا۔ اُس کے بعد سابی نس لوگوں

میں سے بادشاہ منتخب ہوا جس کا نام "نوماپوم پی لی اوس تھا۔ یہ ایک صلح جو شخص تھا جس نے نئے قوانین جاری کیے۔ اور یقین کیا جاتا تھا کہ جنگل کی پری آے جے ریا الہام کے ذریعہ سے اس کی مدد کیا کرتی ہے۔

اس کے بعد طولوس ہوس ٹی لیوس نام ایک جنگجو رومی بادشاہ منتخب ہوا اس نے تخت شاہی پہ قدم رکھتے ہی البالون گا والوں سے لڑائی چھیڑ دی۔ اثنائے جنگ میں یہ تجویز قرار پائی کہ لڑائی کا جھگڑا یوں چکا دیا جائے کہ دونوں جانب کے تین تین بہادر آپس میں لڑ کے یہ فیصلہ کر لیں۔ رومیوں کی طرف سے ہوراطیوس خاندان کے تین بھائی منتخب ہوے اور آلبا والوں کی طرف سے کیوریاطیوس خاندان کے تین بھائی۔ مگر یہ دونوں حریف باہم ایک دوسرے کے خالہ زاد بھائی تھے۔ ان میں مقابلہ ہوا جو دیر تک لڑتے اور خوب لڑے۔ دیر کی نبرد آزمائی کے بعد تینوں کیوریا کی طرح جو البا کی طرف سے منتخب ہوے تھے زخمی ہوے لیکن رومیوں کی طرف سے ہوراطی پہلوانوں میں سے دو تو جان سے مارے گئے۔ اکیلا ایک پیوپ لیوس ہوراطیوس تلوہ بچ رہا جس کے کہیں چپٹ بھی نہیں آئی تھی۔ پیوپ لیوس نے اپنے تینوں حریفوں کو زخمی دیکھ کے یہ چالاکی کی آہستہ آہستہ ذرا پیچھے ہٹا اور مقابل چچازاد بھائیوں سے کہا۔ اب مردانگی تو یہ ہے کہ تم ایک ایک کر کے مجھ سے لڑو۔ آلبا کے زخمی پہلوانوں نے یہ درخواست قبول کی کہ ایک ایک کر کے بڑھے اور تینوں مارے گئے اور میدان پیوپ لوس کے ہاتھ رہا جو روم والوں کی طرف سے تھا۔

کامیاب ہونے کے بعد اس نے اپنے مقتول حریفوں کے کپڑے اور ہتھیار اُتار لئے اور انھیں لے کے روم میں داخل ہوا کہ اسلحہ کو وہاں کے بتخانے میں دیوتاؤں کی نذر کر دے۔ راستہ میں اتفاقاً اس کی بہن ملی جس کی نسبت اُن مقتول پہلوانوں میں سے ایک کے ساتھ ٹھہر چکی تھی۔ اس نے اپنے عاشق کے کپڑے دیکھتے ہی پہچان لیے

جنھیں اس نے بڑی محنت سے خود اپنے ہاتھ سے تیار کیا تھا۔ اُن کپڑوں پر نظر پڑتے ہی اس نے ایک چیخ ماری اور چلا چلا کے رونے لگی۔ بہن کو آہ وزاری کرتے دیکھ کے پُرجوش بھائی نہایت برہم ہوا۔ اور ایسا طیش آیا کہ جھپٹ کے اس غریب کا بھی کام تمام کر دیا۔ اور چلا کے کہا" یہ بے وقت کا اندوہ غم اُدھر ہی! نہ اپنے مُردہ بھائیوں کا غم! نہ زندہ بھائی کا خیال! اور نہ اپنے ملک سے تعلق! بس یوں ہی ہر وہ رومی عورت ہلاک ہو جو اپنے دشمن کی موت پر کھڑی ہو کے بین کرے"!

لیکن بہن کے قتل کا جُرم خالی نہ گیا۔ ہیوپ لوس کو عدالت نے قتل کی سزا دی۔ مگر اس کی خدمات کا لحاظ کر کے اور نیز اس خیال سے کہ اپنے ان باپ کی اولاد میں اکیلا وہی ایک زندہ بچا ہے۔ اس کی جان بخشی کی گئی۔ تاہم سزا کے طریقہ سے وہ اس بات پر مجبور کیا گیا کہ ایک ایسے جوے کے نیچے سے گزرے جو تین نیزوں کو جوڑ کے ایک محراب کی قطع کا بنا دیا گیا تھا۔ یہ محراب اس کے بعد مدتوں قائم رہی اور اسی کے نام سے مشہور تھی۔ اس کارروائی کے بعد رومیوں نے شہر آلبا پر قبضہ کر کے اسے مسمار و تباہ کر دیا۔

فصل سوم

تارکوئیں لوگ (سنہ ۱۲۱۳ قبل محمدؐ سے سنہ ۱۰۸۰ قبل محمدؐ تک)

روم کا چوتھا بادشاہ آنقوس مارطیوس تھا۔ پھر اس کے بعد لوتیوس تارکوئی نیوس کی حکومت شروع ہوئی جو عموماً پرس قوس یعنی اعظم کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ اطروس کا والوں کی نسل سے تھا۔ اس نے رومتہ الکبریٰ کی شہر پناہ کو جو اس عہد تک کچی دیواروں کی تھی پتھر کی بڑی بڑی سلوں سے از سر نو تعمیر کرایا اور پہاڑیوں کے درمیان میں جو گھاٹیاں واقع ہوئی تھیں اور بارش میں، پانی سے لبریز

ہو جاتی تھیں اُن کے پانی کو اُس نے نہریاں بنوا کے شہر سے باہر نکالا۔ نہریاں ایسی
مضبوط بنائی گئی تھیں کہ آجتک موجود ہیں۔ اور لوگ انھیں دیکھ کے حیرت کرتے
ہیں جو گھاٹی پالاطینہ اور اَس کوئی کی پہاڑیوں کے درمیان تھی فورم یعنی چوک
کہلاتی تھی۔ یہاں اس بادشاہ نے لوگوں کے بیٹھنے کے لئے نشست گاہیں بنوائیں
اور علیٰ ہٰذا القیاس اس نے دار القضا اور ٹون ہال تعمیر کرائے۔

تارکوئی نیوس نے مرنے کے بعد اگرچہ دو بیٹے چھوڑے تھے لیکن تخت شاہی
کا وارث سَر دیوس طبولیوس ہوا جو اس کے گھر کا ایک نوکر تھا۔ اس نے اپنی دو
بہنیں جو خاندانی نام کی مناسبت سے دونوں طولیا کے نام سے یاد کی جاتیں تارکوئی
نیوس کے دونوں نوعمر بیٹوں کو نکاح میں دے دی تھیں۔ اس فرمانروا سر دیوس
کو اس کے بڑھاپے میں لوقیوس تارکوئیں نے نہایت ہی بے رحمی کے ساتھ مار ڈالا
اس کی لاش بجائے دفن کرنے کے بیچ سڑک پر پڑی ہوئی تھی اور اس کی نااہل
بیٹی نے جو اب ملکہ بنی تھی کمال سنگدلی سے اپنے غلام کو حکم دیا کہ میری رتھ کو
باپ کی لاش کو روندتے ہوئے زور سے ہنکا لے جاؤ۔ چنانچہ رتھ لاش کو کچلتی
ہوئی گذری۔ اور باپ کے خون کی چھینٹیں بے درد بیٹی کے کپڑوں پر پڑیں

لوقیوس تارکوئی نوس مغرور کے لقب سے مشہور تھا۔ وہ نہایت ہی شریر النفس
تھا اور لوگوں کو اس سے سخت نفرت تھی اور جیسا تنک مزاج اور ظالم تھا۔ ویسے ہی
اس کے بیٹے بھی تھے۔ خصوصاً بڑا بھائی سکس طوس سب سے بدتر تھا۔ اسے اس کا
چچازاد بھائی کولاتی نوس ایک بار اپنے دیہات کے مکان کولاتیہ میں لے گیا، جہاں
اس کی حسین دیری جمال بی بی لُقریتیہ اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ میں بیٹھی ہوئی تھی
رات زیادہ آ چکی تھی۔ اور لُقریتیہ روم کے مذاق کے موافق بیٹھی اون کاتتی اور
بٹ رہی تھی۔ سکس طوس اُس کی صورت دیکھتے ہی فریفتہ ہو گیا۔ اپنے جذبات دلی کو اس نے

اس وقت تو سینہ کے اندر مخفی رکھا۔ لیکن دوسرے وقت تنہا مکان میں گھس گیا۔
بے تکلف لق ریسیہ پر جھپٹا اور اس کی آبرو لے ڈالی۔ بے آبرو ہونے کے بعد
لق ریسیہ چلاتی اور روتی پیٹتی ہوئی اپنے شوہر اور باپ کے پاس گئی۔ انھیں اس
واقعہ سے آگاہ کر کے بدلہ لینے کی تاکید کی اور خود اُخودکشی کر لی۔ اب اس کے شوہر
اور باپ بدلہ لینے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ لوتیوس جونیوس بروطوس جو کہ تارکوئی
کا سگا بھتیجا تھا اُن دونوں سے آملا۔ اور اہل روم میں اس نے بادشاہ کے خلاف
ایسا جوش پیدا کر دیا کہ تارکوئیں اور اُس کے سارے خاندان سے سوا بھاگ
کھڑے ہونے کے اور کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ الغرض اس طریقہ سے ۱۰۸۳ سنہ قبل محمدؐ
میں روم کے پُرانے شاہی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اسی سال اُدھر یونان میں یہ
واقعہ پیش آیا کہ پی سی طراطوس کی اولاد شہر ایتینیہ سے جلاوطن کی گئی۔

تارکوئیں لوگوں نے اس کے بعد پھر تخت و تاج حاصل کرنے کی بارہا کوششیں
کیں۔ اور ایک بار روم کے اُمرا کے ساتھ خفیہ سازش بھی کی جن میں بروطوس کے
دو بیٹے بھی شریک تھے۔ مگر وہ سازش کُھل گئی اور مستقل مزاج بروطوس نے اپنے
اُن دونوں نوجوان بیٹوں کو اسی جُرم میں قتل کی سزا دی۔ اُس کے استقلال کا اندازہ
اس سے ہوتا ہے کہ اس کی آنکھوں کے سامنے دونوں بیٹوں کو پہلے کوڑے مارے
گئے۔ پھر اُن کے سر کاٹے گئے مگر اُس نے اُف نہ کی اور نہ اس کے چہرے سے
کسی قسم کے حزن و ملال کے آثار ظاہر ہوئے صرف اتنا ہوا کہ اُن کے قتل ہوتے
وقت بروطوس جس کرسی پر بیٹھا تھا اس کے دونوں ہتھوں کو اس نے اس طرح کھینچ
کے پکڑ لیا کہ دلی بیتابی کا راز کسی قدر فاش ہوا جاتا تھا۔ اس واقعہ کے چند روز بعد
بروطوس اور اس کا چچازاد بھائی آرنس جو تارکوئیں کا بیٹا تھا۔ باہم دست بدست
لڑے اور ایسے جان پر کھیل کے لڑے کہ دونوں نے ایک دوسرے کو مار ڈالا۔

اب آطرُوس کا کے ایک شاہزادے لارس پورسِنا نے تارکوین خاندان کی طرفداری شروع کی۔ کوچ کر کے اچانک رومتہ الکبریٰ پر آپہونچا اور شہر کے اُس پھاٹک پر قابض ہوگیا جو باپ جانے کولم کے نام سے مشہور تھا۔ یہی ایک پھاٹک تھا جو دریائے طی بیر کے انتہائی پہلو پر واقع تھا۔ دریا پر یہاں ایک لکڑی کا پُل بندھا ہوا تھا۔ اور ہوراطیوس کوک لس پہرے پر تھا۔ ناگہاں ہیبت زدہ اہلِ شہر کا ایک غول آیا کہ جلدی سے شہر کے اندر بھاگ جائیں۔ ہوراطیوس نے انھیں روک کے کہا "روم کے بچانے کی اب یہی ایک تدبیر ہے کہ یہ پُل توڑ دیا جائے۔ میں اکیلا اُس پار جا کے دُشمنوں کو روکتا ہوں اور تم پُل کو توڑنا شروع کرو۔ جتنی دیر میں تم اس پُل کو توڑ دیں دُشمنوں کو لڑائی میں اُلجھائے رکھوں گا" اس کے یہ کلمات سُن کے اُن لوگوں میں سے دو کو ایسا جوش آیا کہ وہ بھی اسکے ساتھ ہو لیے اور پُل کے پار جا کے دُشمنوں سے لڑنے لگے۔ ادھر باقی ماندہ لوگوں نے پُل توڑنا شروع کیا۔ اب یہ تین بہادر جانباز پُل کے قریب قدم جمائے آطرُوس کا والوں کے سارے لشکر کو روکے ہوئے تھے اور کسی کو پُل کی طرف قدم بڑھانے نہ دیتے تھے کہ رومیوں نے جلا جلا کے اور توڑ توڑ کے پُل کی بنیاد قریب الانہدام کر دی اور اُن تینوں بہادروں کو آواز دی کہ "اب تم واپس چلے آؤ۔ پُل میں بس اتنا ہی دم رہ گیا ہے کہ اکیلے تم ہی تین آدمی نکل آسکتے ہو" یہ سُن کے وہ تینوں پلٹے۔ جن آدمیوں نے ہوراطیوس کی رفاقت کی تھی وہ تو سبقت کر کے نکل آئے اور خود ہوراطیوس ان کے بچانے کے خیال سے ابھی دُشمنوں ہی میں مصروف تھا کہ پچھلا شہتیر جو باقی رہ گیا تھا وہ بھی گرا۔ اور ساتھ ہی پُل دھم دھما کے نیچے جا رہا۔ اب ہوراطیوس کے سامنے دُشمن تھے اور پیچھے دریا تھا۔ یہ حالت دیکھ کے دُشمن ایک لحظہ کے لیے لڑائی سے رُک گئے اور ہوراطیوس کو موقع مل گیا۔

جب جان بچانے کی اور کوئی تدبیر نہ بنی تو اس نے دریائے طی بیر کی طرف مخاطب ہو کے یہ الفاظ زبان سے نکالے "بادا طی بیر مجھے لے! تیرا سپاہی تیرے رحم دل دھارے میں آتا ہے" اور بلا تامل دریا میں پھاند پڑا۔ دونوں طرف کے سپاہی اُس کے ہاتھ پاؤں مارنے کو مختلف نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن وہ ایسا ہمّت والا تھا کہ گو سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا تھا۔ مگر ڈوبتا اور اُبھرتا ہوا صحیح و سالم اُس پار نکل ہی آیا۔ جس کے پہونچتے ہی اُن تمام ہم وطنوں نے جنھیں اس نے بچایا تھا جوش و خروش سے نعرۂ مسرت بلند کیا۔ اور سب لوگ بڑی دیر تک خوشی کے نعرے مارتے رہے۔

اب پورسنا نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور فیوس میوطوس نام ایک نوعمر رومی نے ارادہ کیا کہ اپنے شہر کو مصیبت سے نجات دلائے۔ کسی نہ کسی تدبیر سے وہ پورسنا کے خیمہ کے اندر پہونچ گیا لیکن چونکہ اسے پہچانتا نہ تھا اس لئے دھوکے میں وہاں اس کے ایک نوکر کے دل میں چھری بھونک دی۔ لوگوں نے گھیر کے اُسے پکڑ لیا اور ہتھیار چھین لیے۔ مگر اس نے بھی آزادی سے صاف صاف کہہ دیا کہ "میں تو یہ ارادہ کر کے آیا تھا کہ پورسنا کو مار ڈالوں مگر اس کی زندگی تھی بچ گیا"۔ پورسنا کو خیال گزرا کہ اس شخص سے دشمنوں کی اور بہت سی تجویزیں معلوم ہو جائیں گی، اس لئے حکم دیا کہ اُسے طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں دی جائیں تاکہ اُسے رومیوں کے جو کچھ حالات اور منصوبے معلوم ہوں بتا دے۔ یہ دیکھ کے میوطیوس نے اپنا داہنا ہاتھ آگ میں ڈال دیا جو سامنے قربان گاہ میں جل رہی تھی اور بغیر اس کے کہ چہرے سے کسی قسم کی تکلیف کے آثار ذرا بھی ظاہر ہوں دیر تک ہاتھ کو شعلوں کے اندر ڈالے رہا اور اسی حالت میں اُس نے پورسنا کی طرف دیکھ کے کہا "خوب جان لو کہ جو لوگ سچی عظمت کے خواستگار ہیں وہ اپنے جسم کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے"۔

اُس کا یہ ضبط و تحمل دیکھ کے پورسنا کے حواس جاتے رہے اور اسے بلا تامل چھوڑ دیا۔ آزادی کے بعد میوتوس بولا "اب تم نے یہ فیاضی کی ہے تو لو تمھیں میں بھی وہ بات بتائے دیتا ہوں جو میرے اذیت دینے سے ہرگز نہ معلوم ہوتی۔ سُنو ہم تین سو جوان ہیں اور سب نے قسمیں کھائی ہیں کہ جس طرح بنے گا پورسنا کو مار ڈالیں گے چونکہ قرعہ پہلے میرے ہی نام پڑا اس لئے پہلے میں آیا۔ یہ خبر سنتے ہی آطرس کا کے اس حملہ آور بادشاہ نے فوراً دل میں فیصلہ کر لیا کہ اب رومیوں سے صلح ہی کر لینی چاہیئے اور جس قدر جلد ممکن ہو مجھے اپنی فوج لے کے گھر واپس جانا چاہیئے۔ میوطیوس کے اس ضبط کی رومیوں میں بڑی تعریف ہوئی اور چونکہ آگ میں جل جانے سے اُس کا داہنا ہاتھ بیکار ہو گیا تھا اس وجہ سے اس کا لقب آس گے وولا (بائیں ہاتھ والا) پڑ گیا جو کہ اس کے واسطے ایک نہایت ہی معزز و ممتاز خطاب تھا۔

سنہ ۱۰۶۸ قبل محمدؐ میں تارکوئین نے پھر حکومت حاصل کرنے کی کوشش کی جو کہ آخری کوشش تھی۔ اس موقع پر اُسے گونہ قوت حاصل ہو گئی۔ کیوں کہ لاطینی لوگوں کی ایک جماعت اس سے آملی تھی۔ اور آرے جل نوس نام جھیل کے کنارے ایک بھاری لڑائی ہوئی جس میں تارکوئین کی ساری اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔ اب اس نے سلطنت حاصل کرنے کا خیال ہی بالکل چھوڑ دیا اور اپنے بڑھاپے کی زندگی شہر کیوما میں بیٹھ کے صرف کر دی۔

فصل چہارم

جمہوریت

اب اس کے بعد روم میں جو نیا طرز حکمرانی جاری ہوا۔ وہ اگر حقیقت میں نہیں

تو برائے نام ہی سہی چار سو برس تک جاری رہا۔ اس حکومت میں سارے اقتدارات رومی مجلس حکام اور لوگوں کے ہاتھ میں تھے۔ یہ نظام حکومت چار حرفوں کے اشاروں سے ظاہر کیا جاتا تھا وہ حرف ایس پی کیو آر تھے۔ یہ حروف مارکے کے طور پر اُن کی تمام چیزوں اور کل پبلک عمارتوں پر بنے رہا کرتے تھے۔

رومی لوگوں کے دو طبقے تھے ایک پاٹری تی (بطارقہ) یعنی شرفا اور یہی لوگ سلطنت کے اعلیٰ عہدوں پر مقرر ہونے کے مستحق تھے۔ دوسرے پلے بی یعنی وہ لوگ جو اگرچہ آزاد و خود مختار تھے اور مجسٹریٹوں کے انتخاب میں ایک ووٹ دینے کا حق بھی رکھتے تھے۔ مگر اس قدیم عہد میں وہ کسی اعلیٰ عہدے پر مقرر نہ ہو سکتے تھے۔ ان دونوں گروہوں کا امتیاز بہ لحاظ نسل و خاندان کے تھا۔ نہ اعتبار دولت و قابلیت کے ایک بطریق چاہے کیسا ہی مفلس ہو اُس کا رتبہ وہی قائم رہتا تھا اور اُس کے مقابل پلے بی چاہے کیسا ہی دولت مند ہو بطریق کا مرتبہ ہرگز نہ حاصل کر سکتا تھا۔

مگر باوجود اس تفریق کے پلے بی لوگوں میں ایک خاص گروہ تھا جو لوگ میدان جنگ میں گھوڑوں پر سوار ہو کے نبرد آزمائی کرتے اور اسی وجہ سے اِکوٹ یعنی سوار کہلاتے اور اسی لفظ کا ترجمہ انگریزی میں بعض اوقات "نائٹ" کے لفظ سے کیا جاتا ہے۔ اِن کو بعض حقوق اسی قسم کے حاصل تھے جیسے کہ بطارقہ کے لئے مخصوص تھے۔ روم میں لوگوں کا ایک اور طبقہ بھی تھا جو اگرچہ بالذات آزاد تھے۔ مگر انکو ووٹ دینے کا حق حاصل تھا اور نہ کوئی پولیٹکل قوت رکھتے تھے۔ یہ لوگ بطریقوں کے ماتحت تھے اور اس بات پر مجبور تھے کہ جس بطریق کی خدمت میں ہوں اسکی مدد و اعانت کریں۔ اس کے مقابل بطریقوں کا بھی فرض تھا کہ اُن کی کفالت کریں اور انھیں دوسروں کے جور و تشدد یا دست و برد سے بچائیں، ان سب

طبقوں کے علاوہ وہاں غلام تھے جن کے کوئی حقوق نہ تھے اور جن کی زندگی اُن کے مالکوں کی مرضی سے وابستہ تھی۔ کبھی وہ آزاد بھی کر دیے جاتے تھے۔ آزاد ہونے کے بعد یہ لوگ فریڈمین (آزاد شدہ) کہلاتے اور بطریقوں کی اطاعت کرنے والوں کی طرح یہ بھی اپنے مالکوں کی خدمت کیا کرتے۔

رومیوں کی سینٹ (مجلس حکام) ایک کونسل تھی جس کے لئے ارکان پہلے تو صرف بطریقون اور اسے کوٹ لوگوں میں سے منتخب کئے جاتے تھے۔ لیکن زمانہ مابعد میں دیگر طبقات کے لوگ بھی اُس کے رکن منتخب ہونے لگے۔ اس مجلس کی منظوری کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جاتا۔ اور نہ سلطنت میں اور کسی کو اُس سے زیادہ وقعت حاصل تھی۔

اعلیٰ حکام فوجداری دو کونسل ہوا کرتے تھے جو ہر سال لوگوں میں سے منتخب کر لیے جاتے اور پہلی جنوری کو اُن کے اجلاس کا پہلا دن ہوتا۔ ان کا لباس وہی ہوتا جو بادشاہ کا ہوتا۔ بجز اس کے کہ سروں پر تاج نہ ہوتا تھا۔ ایک تخت پر بیٹھ کے اجلاس کرتے جو ان کی زبان میں "کیوریول چیر" کہلاتا، اس اجلاس کے وقت اُن کے ہاتھوں میں ہاتھی دانت کے عصے ہوا کرتے جن کے اوپر کے سرے پر سنہرے عقاب بنے ہوے تھے۔ لک تور یعنی جلاد ہمیشہ ان کے ساتھ رہا کرتے جو قتل کرنے کے آلات یعنی ایک کلھاڑی اور لکڑیوں کا ایک مٹھا ہر وقت اپنے پاس رکھتے۔

سب سے پہلے کونسل (حاکم فوجداری) لوقیوس، جونیس، بروطس اور لوقیوس کار، کوتی یوس کولاٹی نوس تھے۔ اور اس کے بعد سے معمول ہو گیا تھا کہ رومی ہر برس کو اُن دونوں کونسلوں کے نام سے یاد کیا کرتے جو اس سال مقرر رہے تھے، روم کے قاضی پریٹر طور کہلاتے تھے۔ اور انھیں بھی کیوریول چیر پر بیٹھ کے اجلاس

کرنے کا حق حاصل تھا۔ ان کے علاوہ قق سور (سنسر) لوگ تھے جن کا یہ کام تھا کہ فاضل مالگذاری کو مشخص کریں اور ہر باشندۂ شہر کے مرتبہ اس کے پولیٹکل حقوق کو معین کریں۔ ایک عام وکیل سرکار ہوتا جو کونس طور کہلاتا۔ ان تمام عہدوں پر بطریق لوگ مامور کیے جاتے۔ سخت جھگڑوں اور نزاعوں کے بعد پلے بی لوگوں کو بمشکل اتنی کامیابی حاصل ہوئی کہ اپنے گروہ میں سے دس حاکم فوجداری اپنے انتخاب سے مقرر کرائے، یہ لوگ ٹری بیون کہلاتے تھے اور ان کو اقتدار حاصل تھا کہ مجلس حکام کی جس کارروائی کو چاہیں مخالفت کر کے روک دیں۔

جس زمانے میں جمہوریت کے لئے کوئی بڑا خطرہ نظر آتا اور بہادری اور جوش و خروش کی ضرورت پیش آجاتی فوراً ایک ڈکٹیٹر منتخب کر لیا جاتا جسے شہر میں بھی اور لشکر گاہ میں بھی کل حکام اور عہدہ داروں سے زیادہ اختیارات حاصل ہوتے لیکن خطرے کے دور ہونے ہی وہ معزول کر دیا جاتا۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ انگریزی زبان میں لفظ سٹی زن کے معنی باشندۂ شہر کے ہیں لیکن رومیوں میں اُن دنوں یہ لفظ اِن معنوں میں نہیں استعمال کیا جاتا تھا بلکہ وہاں سٹی زن سے ایک ایسا آزاد شخص مراد لیا جاتا جو معمولی طور پر خوشحال ہوتا۔ یہ اگلے زمانے کے رومی سٹی زن اُس علاقہ میں آباد تھے جو فی الحال "کانپیا دیلو ی روما" (حوالی روم) کہلاتا ہے جب جنگ و پیکار کے ملکی خدمات بجالانے کی ضرورت نہ ہوتی اُس وقت یہ لوگ اپنی زندگی اپنے چھوٹے چھوٹے کھیتوں میں کاشت کرنے میں بسر کرتے۔

رومی لی جین (پلٹن) کا لفظ "لے گو" سے ماخوذ ہے جس کے معنی انتخاب کے ہیں۔ اور اس کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ ان پلٹنوں کے لئے سپاہیوں کو کونسل اور دیگر عہدہ داران سلطنت منتخب کیا کرتے تھے اس پلٹن میں چھ ہزار جوان ہونے اور

سب کے سب پہلے ہی ہوتے ان کے قبضہ میں کوئی خاص قطعۂ زمین ہوتا جو ان کا ذریعہ معیشت تھا۔ یہ سب پاپیادہ لڑتے اور بطریق اور آسودہ لوگ میدان میں گھوڑوں کی پیٹھ پر آتے۔ ساری لیجیئن کا جھنڈا مشہور رومی عقاب ہوتا۔ جو یا تو چاندی کا ہوتا یا پیتل کا اور ایک نیزہ کے اوپر نصب ہوتا۔ ان کے اندرونی فریق اپنی جدا جدا علامتیں رکھتے اور ہر سیکڑہ یعنی سو آدمیوں کی کمپنی پر جو افسر حکومت کرتا وہ سن طورین (یک صدی) کہلاتا اُس کا خود ماتحتوں کے خودوں سے زیادہ اونچا ہوتا اور اس کے افسری کے امتیاز کے لئے اس کے لباس میں چند بلّے لگے ہوتے جن کو دیکھ کے ہر شخص پہچان جاتا کہ فوج میں اس کا کیا مرتبہ ہے۔ رومیوں کا فوجی انتظام نہایت عمدہ تھا اور رومی سپاہی اپنے شہر کے اندر چاہے کیسے ہی سرکش ہوں مگر میدانِ جنگ میں اپنے افسروں کی پوری اطاعت کرتے۔

جو سردار فتح و نصرت کے پھریرے اُڑاتے واپس آتا ہے اُسے اِمپراطور کا خطاب ملتا جس کے معنی حکمرانِ فوج کے ہیں اور جب وہ غانم و سالم واپس آتا تو ایک رتھ میں بیٹھ کے شہر میں داخل ہوتا۔ پھولوں کا تاج اس کے سر پر ہوتا۔ اور اس کی فوج جلوس کے طریقہ سے ہمراہ رکاب ہوتی۔ مالِ غنیمت بھی نمایاں طور پر جلوس کے ساتھ نکالا جاتا۔ قیدی اور مفتوح ملکوں کے اسیر طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے اس کے ہمراہ نکالے جاتے۔ جس وقت یہ جلوس شہر میں داخل ہوتا مندروں کے دروازے کھول دیے جاتے۔ سڑکوں پر برابر سلسلہ وار ہار اور بندھن وار لٹکتے ہوتے۔ عام لوگ عید مناتے اور ارکانِ مجلس و حکام فتحیاب افسر کو جوبٹر کے مندر میں لے جاتے، جہاں جاتے ہی ایک سفید بیل بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔ اس قسم کا باشان و شکوہ داخلہ رومیوں میں ٹرائمف کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا اور انسان کے لئے سب سے بڑی عزت تصور کیا جاتا، لیکن اکثر اوقات اس کا

خاتمہ اس پر ہوتا کہ جو نا شاد و بد نصیب قیدی لائے جاتے۔ دار السلطنت رومۃ الکبریٰ میں آپ اپنی بد نصیبی کا تماشا بننے کے بعد قتل کر ڈالے جاتے اور یہ ایک ایسی توہین تھی کہ اکثر شاہی خاندان کے اسیروں نے بعوض اس کے کہ اس جلوس میں نکلیں، اور رومی ٹرائف کی اس ذلت کو برداشت کریں۔ جان دے دینا گوارا کر لیا اور خود کشی کر لی

رومیوں کا وہ خاص لباس جسے سوا شرفائے شہر کے اور کوئی نہ پہن سکتا۔ یہ تھا کہ ایک لمبی ڈھیلی ڈھالی اور چنٹ دار گون جو طوغہ کہلاتی۔ یہ عموماً سفید رنگ کی ہوتی مگر اس پر ارغوانی رنگ کی گوٹ لگی رہتی۔ نوعمر لڑکے ایک لمبا ڈھیلا کوٹ پہنتے اور ایک سنہرا لٹو جو بُل لا کہلاتا اُن کی گردن میں لٹکتا ہوتا۔ جب وہ اپنی عمر کے سترھویں برس کو پہونچتے تو ایک خاص تقریب کی جاتی جس میں اُن کی گردن سے وہ بُل لا دور کیا جاتا اور اُنھیں بڑوں کا لباس یعنی طوغہ پہنایا جاتا۔ اس تقریب میں بڑی دھوم دھام کی جاتی تھی۔ جن لوگوں کی خواہش ہوتی کہ کسی عہدے کے لئے منتخب ہوں اپنے طوغہ پر کھریا مل لیتے اور اس وضع سے عام لوگوں کے مجمعوں میں جا کے ان کے ووٹ طلب کرتے اور اسی کھریا ملنے کی وجہ سے وہ لوگ کان ڈی ڈاٹس (کینڈی ڈیٹ) کہلاتے جو لفظ کان ڈی ڈس سے نکلا ہے۔ جس کے معنی سفید کے ہیں۔ مجلس حکام کے ممبروں میں طوغہ میں ایک ارغوانی رنگ کی چوڑی دھاری ہوتی۔ اور وہ طوغہ جسے کانسل لوگ بڑے ہمتم بالشان موقعوں پر پہنتے وہ بالکل ارغوانی رنگ کا ہوتا اور اُس پر پُرستن کار چوبی کام بنا ہوتا۔

ہر رومی شخص کے دو نام ہوا کرتے۔ پہلا اُس کا ذاتی و شخصی نام اور دوسرا سرنیم یعنی وہ نام جس سے اُس کا خاندان اور گھرانا مراد ہوتا۔ اور اس نام سے تمام زن و مرد، بیٹیاں بیٹے یاد کیے جاتے، لیکن عورتوں کے لئے اُس نام میں علامت تانیث لگا دی جاتی۔ جیسے کارنی لیوس مردانہ نام ہے اور کارنے لیا، زنانہ نام۔

بعض خاندانوں میں اسی قسم کا ایک تیسرا نام ہوتا جو کسی ایک مورث کے نام سے ماخوذ ہوتا

فصل پنجم

روم کی اگلی لڑائیاں (سنہ ۱۰۸۱ قبل محمدؐ سے سنہ ۱۰۲۰ قبل محمدؐ تک)

بطریقوں اور پلے بی لوگوں میں جو جھگڑے پیش آئے اور روم اور ایطالیہ کی دوسری ریاستوں کے مابین جو لڑائیاں ہوئیں ان کا تفصیلی بیان دشوار ہے۔ لہذا اس موقع پر صرف چند کہانیوں کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جو رومیوں میں نہایت مشہور تھیں اور اسی کے ساتھ ان چند ناموں کو بھی ہم بتائے دیتے ہیں جو شرفائے روم میں دل یا شعار کا کام دیتے تھے۔

رومیوں کی سب سے بڑی دشمن ان کی پڑوس کی دو قومیں تھیں۔ ایک ودلس تی اور دوسری ودے ین طس۔ ہر سال گرمیوں کے موسم میں یا تو وہی قومیں رومیوں کی قلمرو پر چڑھائی کر دیتیں اور یا رومی لشکر اُن کے علاقہ پر چڑھ جاتا۔ اور جس زمانہ میں یہ لڑائی چھڑی ہوتی کسان لوگ جان بچانے کے لئے اپنے مویشیوں کو پہاڑوں پر ہنکا لے جاتے۔ دونوں کے لشکر مرتب ہوتے اور لڑائی چھڑ جاتی۔ حملہ کرنے والوں کو اگر شکست ہو جاتی تو ٹھنڈے ٹھنڈے اپنے گھر کا راستہ لیتے اور اگر فتحیاب ہوتے تو حریف کے دار السلطنت کا محاصرہ کر لیتے اور چونکہ قلعہ شکنی کے آلات و اسلحہ کسی کے پاس نہ تھے اس لئے موسم سرما شروع ہوتے ہی محاصرہ اُٹھا لیا جاتا۔ اور لوگ اپنے شہر میں واپس چلے آتے۔

ایک لڑائی میں جو ودلس تی لوگوں سے ہوئی تھی۔ رومیوں نے اُن کے شہر کوریولی پر قبضہ کر لیا اور یہ کامیابی ایک بہادر نوعمر بطریق کی شجاعت کا نتیجہ تھی۔ جس کا نام قایوس مارقیوس تھا اس بہادری کے صلہ میں اُسے کوریولانوس یعنی

"بہادر کوریولی" کا خطاب دیا گیا۔ یہ افتخار حاصل ہوتے ہی مارے غرور کے اس کا
دماغ ایسا اُلٹ گیا کہ چند ہی روز بعد اُس سے اور مجسٹریٹوں سے جھگڑا ہوا۔ جنھوں نے
اپنے اقتدارات سے کام لے کے اُسے جلاوطن کر دیا۔ اس کے حق میں روم والوں
نے ناانصافی کی تو اسے ایسا طیش آیا کہ وطن و قوم کو خیرباد کہہ کے وولسی قی لوگوں
سے مل گیا۔ اور ان کا سپہ سالار بن کے رومیوں پر چڑھ آیا۔ رومۃ الکبریٰ میں اسکی
اس قدر ہیبت چھا گئی کہ رومیوں کو جب سب طرف سے مایوسی ہوئی تو فابیوس کی
ماں اور جورو کے سامنے جا کے التجا کی جنھیں فابیوس فلاکت ذلت اور نہایت
کس مپرسی کے حالت میں چھوڑ گیا تھا۔ وہ دونوں عورتیں رومیوں کی التجا سے متاثر
ہو کے لشکرگاہ میں آئیں اور ماں نے جس کا نام ڈوربہ تھا بیٹے کے سامنے ایسے
پُرجوش و پُرزور الفاظ میں گفتگو کی کہ بیٹے نے ماں کا کہنا مان لیا۔ اپنا انتقام لینے
کے ارادے سے باز آگیا اور وولسی قی لوگوں کو چھوڑ کے چلا گیا۔ پھر اُس کے
بعد اس کی نسبت نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ وولسی قی لوگوں
ہی نے اُسے مار ڈالا۔ کیونکہ اُنھیں بیچ ادھڑ میں چھوڑ کے چلا گیا تھا۔ اور بعض
کا خیال ہے کہ اُس نے باقی ماندہ زندگی جلاوطنی اور خموشی میں بسر کی۔

دوسری دشمن قوم ذے مین طیس لوگوں کی دست برد سے بچنے کے لئے رومیوں
نے اپنی سرحد پر کرے مے را قلعہ تعمیر کیا تھا۔ اور قے سو فیابیوس جو ایک خاندان
بطارقہ کا سرغنہ تھا۔ اپنے کونسل ہونے کا زمانہ پورا کر کے وہاں کا قلعہ دار مقرر ہوا۔
اور پرو کونسل کا اسے خطاب دیا گیا۔ اس کے سارے جتھے والوں نے اس کی
پوری مدد کی اور اپنی خدمت کو وہ بڑی بہادری و نام وری سے بجا لایا۔ لیکن
۵۰۱ قبل محمدؐ میں دشمنوں نے اس طرح اچانک اس پر یورش کہ اس کا کچھ زور نہ
چل سکا۔ اور تمام فابیی خاندان والوں کے ساتھ جن کی تعداد ۳۰۶ آدمیوں کی تھی۔

قتل کر ڈالا گیا۔ اس ہنگامہ میں فابئی نسل کا بالکل خاتمہ ہو گیا تھا۔ صرف ایک ننھا بچہ اتفاقاً بچ گیا۔ اس لیے کہ وہ ان دنوں روم میں تھا۔ اور اکیلا وہی تھا جو فابیوس نام کا وارث ہوا۔

پلے بی لوگ پولٹیکل قوت حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ جھگڑے پیدا کیا کرتے تھے اور بطریق ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ انھیں دبائیں اور ابھرنے نہ دیں۔ اتفاقاً ایک معمر و سن رسیدہ بطریق لیوقوس کے بڑے بیٹے نے سونے کسی پلے بی شخص کو مار ڈالا۔ اور اپنی جان لے کے ملک سے بھاگ گیا۔ اس جرم کی پاداش میں اس کے خاندان پر جرمانہ کیا گیا۔ جس کی مقدار اس قدر زیادہ تھی کہ اس کے ادا کرنے کے بعد اس معمر بطریق کے پاس سوا چار ایکڑ زمین کے ایک کھیت کے کچھ باقی نہ رہا۔ انھیں دنوں آطروس کا والوں نے رومیوں پر حملہ کر کے ان کی حالت ایسی نازک کر دی تھی کہ انھیں مجبوراً ایک ڈکٹیٹر مقرر کرنا پڑا۔ اور اس خدمت پر وہی بوڑھا بطریق مامور ہوا۔ اس لئے کہ اس سے پہلے بھی وہ ایک بار اس خدمت کو بڑی قابلیت کے ساتھ انجام دے چکا تھا۔ سرکاری لوگ جو اس تقرر کی خبر دینے کے لئے بھیجے گئے تھے جب اس کے سامنے پہونچے ہیں تو اسے اس حال میں پایا کہ اپنے کھیت میں ہل چلا رہا تھا۔ اپنے تقرر کی خبر سنتے ہی بی بی سے چلا کے کہا "میرا طوغہ تو لانا"۔ پھر ہاتھوں سے مٹی دھوئی۔ اور طوغہ پہن کے سرکاری آدمیوں کے ہمراہ شہر رومتہ الکبریٰ کی راہ لی جہاں مجلس حکام سرکاری طور پر اس کا استقبال کرنے کے لئے تیار تھی۔ اور ۲۴ لک ٹور (سزا دینے والے) اس کی فرمانبرداری کے لئے ادب سے کھڑے ہوئے تھے۔ آکیوس یہاں پہونچتے ہی فوج کا سردار بن گیا اور آک غی داس کی پہاڑی پر دشمنوں سے مقابلہ کر کے انھیں پوری شکست دے دی۔ ۱۶ دن تک ڈکٹیٹر کی خدمت بجا لانے کے بعد اس نے اس معزز عہدے

سے استعفا دے دیا اور اپنے غریبانہ جھوپڑے میں واپس جا کے پھر اسی طرح ہل جوتنے لگا
اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد اُس کے بیٹے نے چند سرکش نوعمروں کو ملا کے
روم پر حملہ کیا، لیکن گرفتار ہو گیا اور بغاوت کے جرم میں اس قدر پیٹا گیا کہ پیٹتے پیٹتے
مر گیا۔ مگر لوتیوس نے پلےبی لوگوں کی یہ زیادتی ہرگز نہ معاف کی۔ کیونکہ اس کا بیٹا
انھیں لوگوں کی وجہ سے جلاوطن ہوا تھا۔ اور اس کے بعد جب تیسری بار ڈکٹیٹر
مقرر ہوا تو لوگ کہتے ہیں کہ اپنی حکومت سے اس نے یہ ناجائز فائدہ اٹھایا کہ
تین سو کے دشمنوں کو سزا دینے کا حکم دیا۔

بطریقوں اور پلےبی لوگوں کا جھگڑا بڑھتے بڑھتے یہاں تک ترقی کر گیا کہ
آخر تمام لوگوں کو مجبوراً اس بات پر اتفاق کرنا پڑا کہ قانون مروّجہ میں کچھ ردّ و بدل
کیا جائے۔ چنانچہ دَقم دیر نام ایک نیا عہدہ قائم کیا گیا۔ اور اس عہدہ کے دس
آدمی شہر میں مامور ہوئے جن کے ہاتھوں میں سلطنت کے بہت وسیع اقتدارات
دے دئے گئے۔ لیکن تھوڑے زمانہ کے بعد آپیوس قلادیوس نام ایک دَقم دیر کی
شریر النفسی اس عہدے کے توڑ دئے جانے کے باعث ہوئی۔

یہ شخص ایک دن فورم (چوک) کے اجلاس میں بیٹھا مقدمات فیصل کر رہا تھا
کہ سامنے سے ایک نہایت حسین و پری جمال، نازک اندام و گلبدن لڑکی گذری
جس کا سن پندرہ برس کا تھا اور جی نیا کے نام سے مشہور تھی۔ فورم کے پہلو ہی میں
ایک معمولی حیثیت کا مکان تھا جو مدرسہ کا کام دیتا تھا۔ اسی میں لکھنے پڑھنے کی
تعلیم پانے کے لئے یہ لڑکی روز جاتی اور ڈسم دیر دن کے اجلاس کے سامنے
سے گذرا کرتی تھی۔ آپیوس اس لڑکی کی صورت دیکھتے ہی فریفتہ ہو گیا، اور اس پر
قابو پانے کے لئے یہ تدبیر نکالی کہ اپنے ایک ماتحت سے دعویٰ کرا دیا کہ ورجینیا
میری لونڈی کی بیٹی ہے اور بچپن میں پالنے کے لئے ورجی نیوس (ورجی نیا کے

باپ) کی بی بی کے حوالہ کردی گئی تھی۔ اس بدمعاشی کے دعوے کی بنار پر غریب ورجی نیا مدرسہ کو جا رہی تھی کہ راستہ میں پکڑ لی گئی۔ بکیس لڑکی نے گرفتار ہوتے ہی رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ اتفاقاً اس کی چیخوں کی آواز اس کے منگیتر افیلیوس اور اس کے چچا نیومیطریوس کے کانوں تک پہونچی جو اس کی مدد کو دوڑے آئے۔ اسے غاصبوں کے ہاتھ سے چھین لیا اور اس کے باپ ورجی نیوس کو خبر کی جو سنٹورین یعنی ایک سو سپاہیوں کا افسر تھا۔ اور شہر سے باہر لشکر گاہ میں رہتا تھا اس مقدمہ کی پیشی کے لئے ایک دن مقرر ہوا اور اس تاریخ اگرچہ اس بات کی بہت ہی صاف اور کافی شہادت گذری کہ ورجی نیا ورجی نیوس ہی کی بیٹی ہے لیکن آپیوس اور اس کے ساتھی ایک دوسرے ڈسمویر نے یہی فیصلہ کیا کہ یہ لڑکی اس جھوٹے مدعی کی ہی ملکیت ہے۔ ورجی نیوس جب بالکل مایوس ہوا اور اسے یقین ہو گیا کہ اب میری پیاری بیٹی مجھ سے چھنی ہی جاتی ہے تو عدالت سے التجا کی کہ "اچھا مجھے اتنی اجازت دی جائے کہ جدا ہوتے وقت اپنی نور نظر کو ایک بار گلے سے لگا لوں۔ یوں اجازت حاصل کر کے بیٹی کے گلے میں پیار سے باہیں ڈال دیں اور گلے لگائے ہی لگائے اسے ایک طرف بڑھا لے گیا جہاں ایک قصائی کی دکان تھی۔ یہاں پہونچ کے اس نے ورجی نیا کی اشکبار آنکھیں پونچھیں پھر اس کا ایک بوسہ لیا اور کہا "میری پیاری بچی اب تجھے کوئی تدبیر بے عزتی سے نہیں بچا سکتی۔ بس اب یہی رہ گیا ہے کہ" اتنا کہتے ہی جھپٹ کے دکان سے چھری اٹھالی اور ایک چشم زدن میں اسکے نازک سینہ میں بھونک دی۔ ورجی نیا تو یہ کاری زخم کھا کے اسی جگہ ڈھیر ہو گئی مگر اس کے دم توڑتے ہی ہنگامہ اور بلوہ ہو گیا اور عوام کی برہمی و برافروختگی یہاں تک بڑھی کہ آپیوس نے بڑی مشکل سے بھاگ کے اپنی جان بچائی اور

سینٹ یعنی مجلس حکومت نے مجبور ہو کے ڈسمویردن کے تقرر کا سلسلہ ہی موقوف کر دیا۔ پرانا نظام سلطنت پھر جاری ہوا۔ جس میں پلے بی لوگوں کو زیادہ حقوق دئے گئے۔ یہ واقعہ سنہ ۱۰۳۰ قبل محمدؐ کا ہے۔

فصل ششم

گالیا والے ایطالیہ میں (سنہ ۱۰۲۲ قبل محمدؐ سے سنہ ۹۴۰ قبل محمدؐ تک)

ایطالیہ کے شمال جانب سلسلۂ کوہ الپائن کے حوالی میں جو سرزمین واقع ہے، اس میں قدیم الایام میں کلٹک قوم آباد تھی۔ مگر ٹیوٹن قوم اس سے بھی زیادہ زبردست ثابت ہوئی، کیونکہ ٹیوٹن لوگوں کے دبانے سے کلٹ لوگ رفتہ رفتہ پیچھے ہٹتے اور بحر خزر کے اطراف کو چھوڑ چھوڑ کے مغربی یورپ کی جانب کھسکتے جاتے تھے۔

ان کلٹ لوگوں کے خط و خال ایک ہی طرح کے تھے۔ سب ایک ہی زبان بولتے تھے۔ ایک ہی قسم کے اسلحہ استعمال کرتے تھے اور ایک ہی وضع کے کپڑے پہنتے تھے اور بحر اٹلانٹک کے پہاڑوں اور اس کی دلدلوں میں آج بھی ان کی نسل اپنی بہت سی پرانی باتوں پر قائم ہے۔ گائل ہوں یا گاک گیلے شین ہوں یا ڈکش یلچی ہوں یا سمری۔ سماری ہوں یا کیمرین اور سر برٹن (برطانی) سب وہی کلٹ لوگ ہیں، جنھوں نے مختلف مقامات میں رہ کے مختلف نام حاصل کر لئے ہیں۔ یہ سب ایک ہی جڑ کی شاخیں ہیں اور ایک ہی سرچشمہ سے نکلے ہیں۔ کالی آنکھیں، سیاہ یا سرخ بال، بے باک اور جلد باز، مزاج کے جنگجو، طبیعت پر قابو رکھنے میں بیتاب و بے صبر، اور صلح جوئی کے معاملات کے لئے ناموزوں ان کے عام خصائص ہیں۔ اور یہ ایسی باتیں ہیں جن میں یہ لوگ ابتدا ہی سے متمائز چلے آتے ہیں۔ ان دنوں وہ

دلتش یا گالی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ مختلف رنگوں میں بنی ہوئی گدڑی جو جبّہ کی وضع کی ہوتی اُن کا قومی لباس تھی اور وحشیانہ قطع کی دودھاری تلوار ان کا ہتھیار تھی۔ ایک مجہول الکنہ خدا پر ان کا ایمان تھا جس کی پرستش کے لئے وہ بُت خانے بناتے اور اُن میں بڑے بڑے پتھروں کو عجیب پُر اسرار طریقوں سے مرتب کرکے رکھتے۔ اس کی مرضی انھیں اس طریقہ سے معلوم ہوتی کہ اُن کے مقتداؤں کو جو ڈروئڈ کہلاتے تھے الہام ہوا کرتا۔

یہ گال لوگ جنھیں اس لقب سے پہلے پہل رومیوں نے یاد کرنا شروع کیا کوہستان آلپس سے نکل کے آئے۔ علاقہ اٹرسکہ پر یورشیں کرنے لگے۔ اور وہاں کی قوموں سے لڑائی ٹھان دی۔ انھیں کے کمزور کرنے سے اٹرسکہ والے اس قدر کمزور ہو گئے کہ دوسری طرف سے اُن پر رومیوں نے یورش کی۔ اور انھیں دبا کے اتنی بڑی نمایاں فتح حاصل کرلی کہ ویسی فتح اس سے پہلے رومیوں کو کبھی نہیں حاصل ہوئی تھی، چنانچہ ۹۶۸ قبل محمدؐ میں رومیوں کے قابل سپہ سالار لوقیوس فیوریوس کامل لوس نے حملہ کرکے شہر وائی پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد لوقیوس کا داخلہ روم میں نہایت ہی شان و شوکت اور دھوم دھام سے ہوا۔ اس کی رتھ کو نقرئی گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ اور سرخروئی کے اظہار کے لئے اس کے منھ پر ارغوانی رنگ پھیر دیا گیا تھا۔ کیونکہ دیوتاؤں کا جلوس نکالتے وقت دیوتاؤں کے چہرے بھی ارغوانی ہوا کرتے تھے۔ اُس کے اس ٹرائمف (داخلۂ روم) کے وقت تو سب لوگوں نے خوشیاں منائیں مگر وہ بذات خود نہایت ہی آشفتہ مزاج افسر تھا۔ چنانچہ چند ہی روز میں اس نے پکے پن لوگوں کو ستانا شروع کر دیا۔ عوام روم نے برہم ہو کے اُس سے وائی کی مہم اور فتح کا حساب طلب کیا۔ اور مُلزم ٹھہرا کے اُسے جلاوطنی کی سزا دلوادی۔ وطن چھوڑتے وقت اس نے رقت قلب

سے دعا کی کہ "خدایا میرے ناشکر گزار ہم وطنوں کو میری قدر بہت جلد معلوم ہو جائے"
اور واقعی اس کی یہ آرزو بہت جلد پوری ہوئی۔

۳۹۰ سنہ قبل محمدؐ میں گال لوگوں نے اپنے سردار برن نوس کے زیر علم مملکت ایطالیہ پر چڑھائی کر دی۔ برن نوس نامی رومیوں کا لکھا ہوا ہے۔ کلٹک زبان میں "بران" بادشاہ کو کہتے تھے اور چونکہ یہ سردار رومیوں کے نزدیک ان کا بادشاہ تھا۔ اس لئے انھیں کی زبان کے لفظ بران میں تصرف کر کے اسے برن نوس کہنے لگے۔ ایطالیہ پر چڑھائی کرتے ہی گال لوگ سارے علاقہ اتروریہ میں پھیل گئے۔ رومی اپنا لشکر مرتب کر کے اُن کے مقابلہ کو روانہ ہوئے مگر دریائے آلیہ کے کنارے ایسی سخت شکست کھائی کہ فقط چند گنتی کے رومی زندہ بچ کے گھر آئے اور شکست کی خبر ہموطنوں کو پہونچائی۔ لیکن دشمن بھی بڑی تیزی سے ان کا تعاقب کرتے چلے آتے تھے۔ اپنے شہر کی پوری شہر پناہ کی حفاظت کرنا رومیوں کو غیر ممکن نظر آیا اور سوا اس کے کچھ نہ ہو سکا کہ جو لوگ توانا و تندرست اور دل کے مضبوط تھے وہ کپٹیل یعنی روم کے قلعہ میں پھاٹک بند کر کے بیٹھ رہے اور جلدی میں جو کچھ رسد فراہم ہو سکی جمع کر لی۔ ان لوگوں کے سوا جتنے رومی شہر میں رہ گئے تھے وہ یا تو جان بچانے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے یا زندگی سے ہاتھ دھو کے گھروں میں بیٹھ رہے اور موت کا انتظار کرنے لگے۔

ان انتظامات کے لئے اُنھیں تھوڑا ہی موقع ملنے پایا تھا کہ دوسرے دن دشمن آ پہونچے۔ بے روک شہر والوں میں گھسے، گلی کوچوں میں پھیل گئے اور ہر طرف لوٹ مار شروع کر دی، لوٹتے مارتے ہوئے جب وہ فورَم میں پہنچے جہاں رومیوں کے سینٹ کا اجلاس ہوا کرتا تھا اور جہاں حکام مقدمات فیصل کیا کرتے تھے تو انھیں عدالت کے مکان میں یہ تماشا نظر آیا کہ اسّی بڈھے (ارکان سینٹ) اپنی حکمرانی کی

کرسیوں پر بیٹھے ہوے ہیں۔ سفید اور ارغوانی کپڑے ان کے بدن میں ہیں۔ لمبی ڈاڑھیاں ناف تک لٹک رہی ہیں اور ہاتھی دانت کے عصائے حکمرانی سب کے ہاتھوں میں ہیں۔ وحشی گال انھیں دیکھ کے سکتے میں آ گئے۔ ایک لمحہ تک خاموش کھڑے ہوئے حیرت کے ساتھ ان کا تماشا دیکھتے رہے۔ ان بوڑھے لوگوں کا وقار و رعب اور ان کی وضع قطع دیکھ کے دم بخود رہ گئے۔ اور آخر ان میں سے ایک نے قدم بڑھا کے اپنے قریب والے بڈھے (رکن سینٹ) کی ڈاڑھی کو ہاتھ لگایا گویا اس امر کو معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ زندہ آدمی ہے یا بے جان مورت۔ اس وحشی گال کی یہ گستاخی دیکھتے ہی اس بڈھے نے اپنی عصائے سلطنت سے اسے مارا جس کے حرکت کرتے ہی گویا ایک طلسم ٹوٹ گیا اور گال کے وحشیوں نے چاروں طرف سے زغہ کر کے قتل کرنا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر میں یہ سب بڈھے مار ڈالے گئے۔

اب روم بالکل لوٹ لیا گیا۔ مکانات اور شوالوں میں آگ لگا دی گئی۔ وہی کھنڈر جن سے دھواں اُٹھ رہا تھا اُن کے درمیان میں گال لوگوں نے اپنا کیمپ قائم کیا۔ اور انھیں کھنڈروں کے دھوئیں سے وہ راستہ پہچاننے کا کام لیتے تھے۔ لیکن ابھی تک وہ چھوٹا رومی لشکر جو قلعہ بند ہو کے بیٹھ رہا تھا اپنی جگہ پر استقلال سے قائم تھا۔ مگر مقابلہ کرنے یا باہر نکلنے کی ان کو بھی جرارت نہ ہو سکتی تھی۔ اب قحط و فاقہ زدگی نے اُن کے حوصلے پست کر دیے تھے۔ اور کوئی صورت فلاح نہ نظر آتی تھی کہ کلیتہً نا اُمید ہو جانے کے بعد انھیں ایک صورت اُمید نظر آئی۔

ایک رات کو یکایک اُن کے پاس ایک نوعمر رومی آیا جس کا نام پان طیوس کومی نوس تھا۔ یہ دریائے طی بیر کو پیر کے گالیا والوں کے لشکر گاہ میں سے گذر کے

اور تارپیہ کی پہاڑی پر چڑھ کے (جو امر کہ اس وقت غیر ممکن تصور کیا جاتا تھا) قلعہ والوں کے پاس پہونچا تھا اور یہ خبر لایا تھا کہ کامل لوس جو جلا وطن کیا گیا تھا۔ اس بات کا منتظر ہے کہ روم کی سینٹ اسے فرار شدہ رومیوں کا سردار تسلیم کرے۔ اگر اس کے ساتھ اتنی رعایت کی گئی تو وہ اُن سب لوگوں کو ساتھ لے کے آپ کے بچانے کی تدبیر کرے گا۔ یہ مژدہ سنتے ہی بقیۃ السیف ارکان سینٹ نے جھٹ پٹ جمع ہو کے کامل لوس کی شہریت کے حقوق پھر عطا کئے یعنی اُس کی جلا وطنی کا حکم منسوخ کیا اور اسے ڈکٹیٹر کی خدمت پر مامور کر دیا۔ یہ فیصلہ کرا کے پان طیوس نے شہر دائی میں جا کے کامل لوس کو خوش خبری سُنائی اور وہ حمایت وطن کی تدبیروں میں مشغول رہا۔

اس محب وطن قاصد کے واپس جانے کے بعد گالیا والیوں نے دیکھا کہ قلعۂ کوہ تارپین کی جھاڑیاں جا بجا سے پھٹی ہوئی ہیں گھانس روندی ہوئی ہے جس سے پتہ چلتا تھا کہ ادھر سے چڑھ کے کوئی اوپر گیا ہے اور انھیں خیال ہوا کہ اس طرف سے چڑھ کے قلعہ پر قبضہ کیا جا سکتا ہے اور برن نوس نے کوہ آکیس کے پہاڑی لوگوں کی ایک زبردست جماعت کو اس کام پر مامور کیا کہ رات کے اندھیرے میں اوپر چڑھ جائیں اور روم کے قلعہ پر اچانک جا پڑیں۔ یہ لوگ بڑی مشکلوں سے چڑھ کے اوپر پہونچ گئے اور قلۂ کوہ کے قریب تھے کہ قازوں اور بطخوں نے جو رومیوں کی دیوی جونو کے مندر پر چڑھی ہوئی تھیں بھڑک کے شور کرنا شروع کیا اور اُن کے غل مچانے سے مرقس میں لیوس جو ایک سال پہلے کانسل کی خدمت پر مامور تھا جاگ پڑا۔ آدمی ان قازوں کو کھا کے کب کے فراغت کر چکے ہوتے۔ مگر ایک دیوی کی نذر ہونے کے باعث یہ بچ رہی تھیں۔ مرقس فوراً لپک کے اس مقام پر آیا اور عین وقت پر پہونچ گیا۔ کیونکہ ایک گالیا والا خطرناک چڑھائی ختم کر کے اوپر آ پہونچا تھا جس نے اُسے اُلٹا ڈھکیل دیا۔ اب قلعہ کے اور سپاہی بھی اس کی

مدد کو آ گئے اور قلعہ گاکیا والوں کی دست برد سے بچ گیا۔

اب گاکیا والے محاصرہ میں پڑے پڑے اکتا گئے اور آخرکار انھیں گوارا کرنا پڑا کہ رومی لوگ تاوان کی رقم ادا کر کے اپنے شہر پر قابض رہیں۔ مطلوبہ رقم تاوان تو لی جا رہی تھی کہ کسی رومی نے یہ شکایت کی کہ گاکیا والوں نے ہم پر ناانصافی سے یہ بوجھ ڈال دیا ہے۔ یہ سنتے ہی گال لوگوں کے سردار برن نوس نے طیش میں آ کے اپنی تلوار جو بہت وزنی تھی ترازو کے پلڑے میں ڈال دی اور کہا "کم بخت و بدنصیب ہے وہ جو مغلوب و پامال ہو گیا ہو!" مگر اس کے غرور کا بہت جلد خاتمہ ہو گیا۔ کیونکہ اب کامل لوس اپنے لشکروں کو جمع کر کے آ پہونچا تھا۔ اس نے آتے ہی دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ اور انھیں ایسی پوری شکست دے دی اور وہ رقم بھی چھین لی جو تاوان میں دی گئی تھی۔ اور برن نوس ناکام و نامراد اپنی پہاڑیوں میں واپس چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد اہلِ شہر نے اپنی پوری لیاقت و قابلیت صرف کر کے شہر روم کو از سر نو تعمیر کیا۔ لیکن اُس کے گرد کی نئی شہر پناہ اس کے بہت دنوں بعد قائم کی جا سکی۔ اب اس نئی تعمیر کے وقت سڑکیں پہلی سڑکوں سے تنگ، بے قاعدہ اور تکلیف دہ رکھی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے دریا کے گھاٹوں اور پانی کے فراہم کرنے کے مقاموں کا بھی لحاظ نہیں رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر روم کی صحت بمقابل سابق کے بگڑ گئی۔

اب ایک بڑی بھاری رقابت و عداوت کامل لوس اور مرقس مین لی نوس کے درمیان میں پیدا ہو گئی۔ کامل لوس کو تو یہ دعویٰ تھا کہ اُسی نے گاکیا والوں کو شکست دی تھی۔ اور مین لی نوس کو یہ زعم تھا کہ اُس نے قلعۂ روم کو بچایا تھا اور اس بہادرانہ خدمت کے صلہ میں کیپی ٹولینوس کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہ دونوں اپنے آپ کو اعلیٰ درجہ کا معزز تصور کرتے تھے۔ اور دونوں میں سے ہر ایک سمجھتا تھا کہ

گاگیا والوں سے روم کو ہم نے ہی بچایا ہے۔ اور اس کا روادار نہ تھا کہ یہ نام وری اس کے حریف کی جانب منسوب کی جائے۔ کامل نوس ہمیشہ سے سارے بطارقہ میں زیادہ مغرور و متکبر سمجھا جاتا تھا اور امارت کا حامی تھا۔ اس کے خلاف مین لی نوس نے اپنے تعلقات پلے بی لوگوں سے بڑھائے اس کی ابتدا تو اس نے رحمدلی و عام ہمدردی کے طریقہ سے کی۔ لیکن چند ہی روز میں جوش رقابت سے اپنے اغراض حاصل کرنے کے لئے وہ پھوٹ ڈالنے پر آمادہ ہو گیا۔ بلکہ اپنے مقصد سے بھی کسی قدر آگے بڑھ گیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کے سارا گروہ بطارقہ اس سے نفرت کرنے لگا۔ کیونکہ وہ سمجھے کہ مین لی نوس اب ہمارے گروہ سے نکل گیا ہے۔ بطارقہ کے دشمن ہو جانے کا یہ نتیجہ ہوا کہ مین لی نوس یعنی وہی شخص جس نے قلعۂ روم کو زبردست دشمنوں سے بچایا تھا۔ جس نے آٹھ مرتبہ اہل شہر کو موت کے چنگل سے رہائی دلائی تھی۔ دو بار ایک محصور شہر کی دیواروں پر سب سے پہلی سیڑھی لگا کے چڑھ گیا تھا اور جس کی فیاضی کا یہ حال تھا کہ چار سو قرضداروں کو اپنے پاس سے روپیہ دے کے قرض خواہوں کی غلامی سے آزادی دلائی تھی۔ اسی شخص کی یہ نسبت حکم جاری کیا گیا کہ کوہ تار مین کی چوٹی پر لے جا کے وہاں سے نیچے پھینک دیا جائے اور اسی شہر میں جہاں کبھی اسے سب سے زیادہ عزت و عظمت حاصل تھی اس کا نام اس قدر حقارت کے ساتھ یاد کیا جانے لگا کہ حکم تھا خاندان مین لی نوس کے کسی لڑکے کا نام مرقس نہ رکھا جائے۔

روم میں معمول تھا کہ ایک گروہ کو جب کوئی نمایاں فتح حاصل ہوتی تو فوراً ویسی ہی ایک فتح دوسرے گروہ کو بھی حاصل ہو جاتی۔ ۳۷۵ء قبل محمدؐ میں لیوس لی تی نیوس نے جو کہ برسر حکومت تھا اہل روم میں خاص قوانین جاری کئے جن کے بعد کے سلسلۂ واقعات پر بڑا اثر پڑا یہ قوانین جو لی تی نی ان قوانین کہلاتے تھے ان میں

ایک خاص بات یہ تھی کہ ان کی رو سے روم کے دو کانسلوں میں سے ایک کے لئے جائز تھا کہ پلے بی لوگوں میں سے منتخب کیا جائے اور دوسرا یہ قانون تھا کہ کسی رومی کے لئے چاہے کوئی ہو یہ ناجائز تھا کہ پانچسو ایکڑ سے زیادہ زمین اپنے قبضہ میں رکھے۔ تاکہ کسی شخص کی قوتِ اعتدال سے زیادہ نہ بڑھنے پائے۔

فصل ہفتم

پائرموس کی چڑھائی (۸۹۸ قبل محمدؐ سے ۸۴۱ قبل محمدؐ تک)

گالیا والوں کے حملوں نے اٹرس کا والوں کو اس قدر حقیر و پامال کر دیا تھا کہ رومیوں نے بڑی آسانی کے ساتھ انھیں مغلوب و مقہور کر کے اپنا مطیع فرمان بنا لیا۔ لیکن اُن کے جنوب کی طرف جنگجو اور بہادر قومیں آباد تھیں جن میں سامنی لوگوں کو سب پر فوقیت حاصل تھی ان سے رومیوں سے مدت دراز تک لڑائیاں ہوتی رہیں، جن میں بڑے بڑے سخت معرکے پیش آئے۔

ایک بار اُن کے ہاتھ سے رومیوں نے بڑی بھاری زک اُٹھائی، خود ہی چڑھ کے گئے تھے مگر وہاں دشمنوں کے نرغے میں پھنس گئے۔ کوہ ایپ نائن میں ایک تنگ گھاٹی تھی جو کہ "کوڈن فورکس" کہلاتی تھی اور اس کی کچھ ایسی حالت تھی کہ وہاں سے نہ آگے بڑھنا ممکن تھا اور نہ پیچھے ہٹنا اس گھاٹی کے جال میں رومی پھنس گئے اور کوئی تدبیر بنائے نہ بنی، الغرض انھیں مجبور ہونا پڑا کہ سامنی لوگ جو شرطیں پیش کریں انھیں چار و ناچار قبول کریں۔ انھیں مجبور و بے دست و پا دیکھ کے سامنی لوگوں نے بوڑھے عقلمند سپہ سالار پانطیوس۔ ہرنیوس سے پوچھ بھیجا کہ اب کیا شرائط پیش کئے جائیں؟ اس نے پہلے تو یہ صلاح دی کہ سارے رومیوں کو چھوڑ دو۔ تاکہ آزادی سے اپنے گھر چلے جائیں۔ سامنی لوگوں نے اس مشورہ

کے قبول کرنے میں عذر کیا۔ اور پھر اُس کی رائے پوچھی تو اس نے کہلا بھیجا" اگر میری پہلی رائے تمھیں پسند نہیں ہے تو پھر سب کو قتل کر ڈالو۔ اور خیال رکھو کہ ایک بھی بچ کے گھر نہ جانے پائے"! ان دو متضاد راؤں پر سامنی لوگوں کو حیرت ہوگئی اور انھوں نے اس سے اختلاف رائے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا" میری پہلی رائے اس بنا پر تھی کہ بغیر کوئی تاوان یا نذرانہ لئے ہوئے تم اُن کو چھوڑ دو گے تو ان کو اپنا احسان مند بنا لو گے۔ ایک زبردست قوم تمھاری دوست ہو جائے گی۔ اور ہمیشہ کے لئے تم میں اس میں رابطۂ اتحاد قائم ہو جائے گا لیکن جب تم نے اس رائے کو نہیں قبول کیا اُن سے نفرت ہی کرنے کا ارادہ رکھتے ہو اور لڑائی پر آمادہ ہو تو پھر تمھارے مقاصد کے لئے یہی مناسب ہے کہ دشمنوں کی جو بڑی اور زبردست جماعت، تمھارے بس میں آگئی ہے اس میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑو۔ کیونکہ ان میں ان کے بڑے بڑے بہادر ہیں جو موقع ملنے پر تمھاری دشمنی میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھیں گے"۔ بے وقوف سامنی لوگوں نے ان دونوں راؤں میں سے ایک بھی قبول نہ کی۔ اور جو تجویز قرار دی، وہ نہایت ہی ناعاقبت اندیشی اور لغویت کی تھی۔ انھوں نے رومیوں کو قتل تو نہیں کیا لیکن انھیں ایسی ذلت میں مبتلا کیا جو ان کی نظر میں موت سے بدتر تھی بےبس رومی مجبور کئے گئے کہ ہاتھ ٹیک کے چوپائے بنیں۔ اس کے بعد وہ سب ایک گاڑی میں بیلوں کی طرح جوتے گئے اور یوں ذلیل کر لینے کے بعد انھیں اجازت دی گئی کہ اپنی پوری قوت کے ساتھ واپس چلے جائیں اور جب تک زندہ رہیں اپنی اس توہین کا انتقام لینے کی فکر میں لگے رہیں۔

آخر ۳۲۰ء قبل محمدؐ میں رومیوں نے سامنی لوگوں کو بالکل مغلوب کر دیا۔ جسکے بعد رومی لوگ سارے وسط ایطالیہ کے مالک تسلیم کر لئے گئے۔ ان قوموں سے

فراغت کرنے کے بعد رومی جنوب کی طرف اور بڑھے اور جزیرہ نمائے ایطالیہ کے جنوب میں یونانیوں کی جو نوآبادیاں قائم ہو گئی تھیں اُن سے آ بھڑے۔ انھیں جب رومیوں کی قوت زبردست نظر آئی تو انھوں نے روم کے جنگلی لیٹروں سے مقابلہ کرنے کے لئے اپنے آبائی ملک یعنی ریاستہائے یونان سے مدد مانگی۔ رومیوں کو وہ اپنی قدیم تہذیب و نام وری کے زعم میں جنگلی ڈاکوؤں اور لیٹروں سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ اور انھیں انھیں الفاظ میں یاد کیا کرتے تھے۔ جنوبی ایطالیہ میں خلیج ٹارنٹم کا نام آج کے جغرافیہ میں بھی لوگوں کو نظر آتا ہے۔ اس خلیج کے سرے پر ٹارنٹم نام ایک شہر تھا جو کہ یہاں اسپارٹا والوں کی ایک آبادی تھی۔ یہ لوگ اسپارٹا کے مذاق، جفاکشی و سپہ گری کو تو مدت ہوئی بھول چکے تھے۔ مگر اپنی قدامت پر فخر و ناز اب بھی ان میں باقی تھا۔ جب اُن لوگوں سے رومیوں سے نزاع شروع ہوئی تو انھوں نے آپیارس کے یونانی تاجدار پرہوس سے کمک مانگی۔

سکندر اعظم کی ماں اُلم پیا کے ہم نسب ہونے کے باعث یہ پرہوس سکندر کا قریبی رشتہ دار تھا۔ اس کا باپ مار ڈالا گیا تھا۔ اور آبائی تخت کے بچپن ہی میں ہاتھ سے نکل جانے کے باعث اس کی زندگی کا ابتدائی حصہ اور اس کی جوانی سکندر کے سپہ سالاروں کے درباروں اور یونانی لشکرگاہوں میں بسر ہوئی تھی جہاں رہتے رہتے اس کے دل میں فقط اس بات کا شوق ہی نہیں پیدا ہوا تھا کہ اپنے عزیز سکندر کی سی شہرت و نام وری حاصل کرے بلکہ نبرد آزمائی کے فنون میں اس نے کمال بھی پیدا کر لیا تھا۔ پھر جب بطلیوس لاغوس کی مدد سے اپنا اپیائی رس کا آبائی تخت و تاج حاصل ہو گیا تو اس نے بحر اڈریاٹک کے ساحل پر ایک پہاڑی کنج کو آباد کر کے آدمیوں اور دولت کے حاصل کرنے کا ذریعہ

قرار دیا۔ تاکہ ان کے ذریعہ سے نتیجیں حاصل کرے۔ مگر باوجود ایسی اولوالعزمیوں کے وہ اتنا مستقل مزاج نہ تھا کہ اپنے کسی مقصد میں کامیاب بھی ہو سکتا۔ چنانچہ اس کی ساری زندگی بڑی بڑی ناتمام مہموں کے ایک سلسلہ سے بھری ہوئی ہے۔

الغرض ٹارن ٹین لوگوں کی درخواست اس نے خوشی کے ساتھ قبول کر لی سواروں اور پیدلوں کے ایک زبردست لشکر اور بیس ہاتھیوں کے ساتھ ۲۸۱ قبل محمدؐ کے موسم گرما میں ایطالیہ کے جنوبی ساحل پر اُترا۔ سکندر کے بعد سے یونانی ہاتھیوں سے لڑائی میں کام لینے لگے تھے جن سے پیشتر وہ بالکل ناآشنا تھے۔ دریائے سی رلیس کے کنارے اس سے اور رومیوں سے ایک بڑی بھاری لڑائی ہوئی جس میں رومیوں کے گھوڑے کوہ پیکر ہاتھیوں کو دیکھ کے ایسے بھڑکے کہ میدان پر ہوس ہی کے ہاتھ رہا۔ لیکن فتح کے ساتھ اسکا نقصان بھی اس قدر ہوا تھا کہ اُس نے دل میں خیال کیا کہ اگر ایسی ہی ایک بھی اور ہوئی تو میں بالکل تباہ و برباد ہو جاؤں گا۔ چنانچہ اُس نے اپنی ہی طرف سے صلح کی تحریک کی۔ معاہدۂ صلح کی گفتگو کے لئے رومیوں کی طرف سے جو سفیر اسکی لشکر گاہ میں آئے اُن میں سب سے زیادہ معزز و باثر قیوس فبری قیوس تھا۔ جو ایک سیدھا سادہ شخص اور پُرانے رومیوں کی مستقل مزاجی کا ایک مکمل نمونہ تھا پرہوس جو ایک مُہذب و شایستہ یونانی تھا اور وحشی قوموں کو ذلت وحقارت کی نظر سے دیکھتا تھا یہ دیکھ کے جو اعلیٰ روحانی کمالات اگلے زمانے کے یونانیوں میں تھے وہی ایک غیر تعلیم یافتہ رومی سپاہی میں نظر آرہے ہیں متحیر ہو گیا۔ اسی حیرت کے باعث کئی بار اسے آزمایا بھی۔ ایک مرتبہ تو یہ کیا کہ سونے کا ایک بڑا بھاری خزانہ جلیسا کہ کبھی رومیوں کی نظر سے نہیں گذرا تھا قیوس کے سامنے رکھ دیا اور خواہش کی کہ تم میری ملازمت اختیار کر لو۔ اس کے جواب میں قیوس نے

"جس افلاس و دیانتداری و پاکبازی کی شہرت کا لطف میں اپنے وطن میں اُٹھایا کرتا ہوں اس کی قدر و قیمت میری نظر میں دُنیا کی تمام دولتوں سے بڑھی ہوئی ہے۔" ایک بار پرہوس نے اپنے خیال کے مطابق اُسے رومی سردار کے مبہوت و متحیر بنا دینے کے لئے یہ کارروائی کی کہ اپنے خیمہ کا پردہ جو اُٹھایا تو کیا نظر آتا ہے کہ ایک قوی ہیکل ہاتھی اُس کے پاس کھڑا سونڈ ہلا رہا ہے۔ اور اپنی سونڈ سے بگل بھی بجاتا ہے۔ یہ دیکھتے ہی فیوس بجائے بھونچکا یا مرعوب ہونے کے ہنس پڑا۔ اور بولا: "جس طرح باوجود بڑے بڑے خزانوں کے میں بادشاہ کی پروا نہیں کرتا۔ اسی طرح اس عظیم الجثہ جانور کو اُس کے پاس دیکھ کے بھی میں پروا نہیں کرتا۔" ان دونوں باتوں میں ہار کے اور نادم ہو کے پرہوس نے دل میں کہا: "اچھا دیکھوں فلسفۂ یونان کے متعلق مسائل سُن کے بھی یہ گھبراتا اور مرعوب ہوتا ہے یا نہیں۔" اور ایک عالم کو جو اُس کی ملازمت میں تھا اپنے دربار میں بلوا کے حکم دیا کہ "اپی قوروس (اپی کیورس) کے اصول فلسفہ کو بیان کرو۔" یعنی اس مسئلہ پر بحث کرو، کہ انسان کی ہستی صرف اس مقصد کے لئے ہے کہ جس طرح ممکن ہو اپنے آپ کو خوش کرے۔ یہ مسئلہ سنتے ہی فیوس چلّا اُٹھا: "اور ہرقیولس دیوتا پرہوس کو یہی چیز عطا کر اور ٹارنٹا والے جب تک ہم سے لڑتے رہیں اس وقت تک انھیں بھی اسی عقیدے کا دل سے معتقد بنا دے۔"

الغرض ان باتوں کے بعد بادشاہ پرہوس اور فیوس دونوں ایک دوسرے کی بہت تعظیم و تکریم کر کے جدا ہوئے۔ اور فیوس اس کا اس قدر دوست بن کے اس صحبت سے گیا تھا کہ چند ہی روز بعد جب پرہوس کے طبیب نے رومی سینٹ (مجلس حکومت) سے اس بات کا وعدہ کیا کہ میں زہر دے کے اپنے آقا کا کام تمام کر دوں گا تو فیوس نے پرہوس کو ایک پرائیوٹ خط لکھ کے متنبہ کر دیا۔ اور

بتادیا کہ "آپ اپنے دوستوں اور دشمنوں کا انتخاب نہایت بے احتیاطی سے کرتے ہیں"۔ اس کی شکر گزاری میں پرہوس نے اُن تمام رومی اسیروں کو چھوڑ دیا جو اسکے ہاتھ میں گرفتار تھے۔ اس کے معاوضہ میں رومیوں نے بھی یہ کیا کہ پرہوس کی رعایا اور اس کے دوستوں میں سے جتنے لوگ ان کے پاس گرفتار تھے انکو آزادی دی۔ جس فلسفی کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ اتفاقاً وہ روم کی سیر کو گیا تھا جہاں سے اس نے اپنے بادشاہ کو لکھ بھیجا کہ "یہ شہر نہیں ایک مندر ہے اور یہاں کا سینٹ نہیں بلکہ بادشاہوں کا ایک دربار ہے"۔

اس کے بعد پرہوس نے میگنا گریشیا (جنوبی ایطالیہ کے یونانی مقبوضات) کو چھوڑ دیا۔ اور جزیرۂ صقلیہ پر چڑھائی کی مگر جیسی اُمید تھی ویسی کامیابی نہ نصیب ہوئی اور ایطالیہ میں واپس آیا۔ یہاں آتے ہی مقام لے لے دن طوم میں اسے رومی افسر مرقس قوریوس کے مقابلہ میں سخت شکست ہوئی، مرقس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ جلتی ہوئی مشعلیں لے کے ہاتھیوں پر یورش کردیں۔ ان مشعلوں کو دیکھ کے ہاتھی اس قدر سہم گئے کہ اختیار سے باہر ہو گئے اور انھوں نے بدحواس ہو ہو کے بھاگنے میں اپائرس والوں کو بھی ویسا ہی نقصان پہونچا دیا جیسا کہ ان کے دشمنوں کو پہونچایا تھا۔ آخر لڑ بھڑ کے رومیوں نے یونانیوں کی لشکرگاہ پر قبضہ کر لیا۔ اور اس تجربہ سے رومیوں کو اس کا حال معلوم ہو گیا کہ یونانی لوگ کس قسم کی لشکرگاہ قائم کرتے ہیں۔ جو بمقابل اُن کی لشکرگاہوں کی نہایت مہذب و شایستہ اور اعلیٰ درجہ کی تھی۔

اس شکست نے پرہوس کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ اپنی اس مہم کی پانچ سال کی مشقت پر خاک ڈال کے ایطالیہ سے چلا جائے۔ مگر دل میں امید تھی کہ مقدونیہ میں پہونچ کے دیگر علاقہ ہائے یونان کو فتح کروں گا، چنانچہ اسی خیال سے اُس نے

یونان میں پہونچتے ہی انٹی گونوس گوناطاس سے لڑائی چھیڑ دی۔ ۲۷۲ قبل مسیح میں ایک زبردست لڑائی ہوئی جس میں مقدونیہ والے اور پرہوس کے طرفدار شہر ارغوس کی سڑکوں پر باہم لڑ رہے تھے۔ اور دست بدست لڑائی ہو رہی تھی۔ اسی اثنا میں ایک عورت نے اپنے مکان کے کوٹھے پر سے دیکھا کہ اس کا بیٹا خود بادشاہ پرہوس سے لڑ رہا ہے۔ اس پر جھنجھلا کے اس نے بادشاہ پر ایک کھپرا اس زور سے کھینچ مارا کہ پرہوس غش کھا کے گھوڑے سے گر پڑا۔ اسے گرتے دیکھتے ہی کسی مقدونیہ کے سپاہی نے جھپٹ کے ایک ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ اسی وقت اس کا کام تمام ہو گیا۔

رومی کانسل مرقس پرہوس کو شکست دے کے روم میں گیا تو شہر میں اسکا داخلہ نہایت ہی دھوم دھام اور بڑے تزک و احتشام سے ہوا۔ پرہوس کی لشکرگاہ کا مالِ غنیمت اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ ہاتھی جو اسے مالِ غنیمت میں ملے تھے اُس کے جلوس میں تھے اور ان کی پیٹھوں پر عالیشان عماریاں تھیں۔ یہ ایک ایسا شاندار جلوس تھا جو آجتک کبھی رومیوں کی نظر سے نہیں گزرا تھا۔ سینٹ نے خواہش کی کہ اس نام وری کے صلہ میں مرقس کو ایک قطعۂ اراضی بھی دیا جائے۔ لیکن اس نے اس انعام کے لینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا "میری سات ایکڑ زمین جو میرے قبضہ میں موجود ہے بہ حیثیت ایک باشندۂ شہر کے میری ضرورتوں کے لئے بخوبی کافی ہے۔

پرہوس کی واپسی اور موت کے ساتھ ہی اٹلی کی یونانی نوآبادیوں کی ساری اُمیدیں بھی خاک میں مل گئیں۔ اور سب نے بہ مجبوری رومیوں کے آگے سرِ اطاعت جھکا دیا۔ ٹارنٹم میں اس افراط سے چاندی رومیوں کے ہاتھ آئی تھی کہ اسے گلا کے سکّے بنائے گئے ورنہ رومیوں میں اس سے پہلے سوا پیتل کے اور کسی قسم کے

سکوں کا رواج نہ تھا۔ الغرض اس طریقہ سے تقریباً ۱۴۱ شہ قبل محمدؐ میں رومی لوگ سارے جزیرۂ ایطالیہ کے مالک ہو گئے۔

دسواں باب

قرطاجنہ کی لڑائیوں کا زمانہ (۸۳۵ شہ قبل محمدؐ سے ۷۰۳ شہ قبل محمدؐ تک)

فصل اوّل

قرطاجنہ اور سراقوس (۱۴۴۹ شہ قبل محمدؐ سے ۹۲۷ شہ قبل محمدؐ تک)

ارض شام کے فنیقی لوگوں کا حال بیان ہو چکا ہے جو دنیا میں سب سے پہلے اولالعزم تاجر تھے اُن کی ایک جماعت قدیم الایام ہی میں وطن چھوڑ کے افریقہ پہونچی اور صقلیہ کے بالکل مقابل ساحل افریقہ پر آباد ہو گئی تھی اور شہر قرطاجنہ (کارتھیج) ان کا مستقر قرار پایا تھا۔ قرطاجنہ والوں کی کہانیوں میں مذکور ہے کہ وہی دو لیعنی اٹے لی سہ جو جزبیل کی بھتیجی بتائی جاتی ہے اپنے شریر بھائی پگ مالیون کے مظالم سے بھاگ کے وہاں چلی گئی تھی۔ وہاں کے رہنے والوں نے اسے اتنی زمین دی جو ایک بیل کی کھال کی پتلی پتلی دھجیوں کے اندر آ سکے۔ اسی قطعۂ زمین پر اس نے اپنا شہر قرطاجنہ بسایا اُس کے بعد رومی شاعر ورجل نے اتنی داستان اور بڑھا دی کہ آے نیاس جب مارا مارا پھرتا تھا تو انھیں آوارہ گردیوں میں اس اٹے لی سہ سے جا کے ملا۔ پھر اس کے بعد جب وہ اسے چھوڑ کے چلا آیا تو اٹے لی سہ نے ایک چتا بنوائی۔ خود اُس پر چڑھ کے بیٹھی اور جب اس میں آگ لگا دی گئی تو اپنے سینہ میں چھری مار لی۔

کہتے ہیں کہ کوئی ایسا کتبہ بھی ملا تھا۔ جس میں لکھا ہوا تھا کہ قرطاجنہ ان کنعانیوں

کی اقامت گاہ تھا جنھیں یوشع نے جلاوطن کر دیا تھا۔ بہرحال چاہے جس عنوان سے مانا جائے اس بات کے بہت سے قرائن موجود ہیں کہ قرطاجنہ والے پرانے کنعانی تھے ان میں وہی فنیقیوں کی سی ملوخ کی مورت کی ظالمانہ طریقوں کی پرستش تھی۔ وہی سرکش طبیعتیں تھیں، وہیں نفع اُٹھانے کا شوق تھا۔ اور وہی تجارت کی قابلیت وصلاحیت تھی جو باتیں کہ اُن کے شامی بھائیوں میں نظر آتی تھیں۔ قرطاجنہ فنیقی لوگوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ ایک باشان وشوکت شہر تھا۔ اور اس کی تجارت اس عہد کی ساری معلومہ دُنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ ہرقیوس کے ستون جو بحیرۂ روم کے نکاس (ابنائے جبرالٹر) پر ایک سنتری کی طرح کھڑے پہرا دے رہے تھے اُن سے گزر کے اُن کی تجارت دور دراز کے معاون برف اور کہرے کی سرزمینوں کے سواحل تک پہونچ گئی تھی۔ یہ جزیرے اُن دنوں جزائر القلین کے لقب سے مشہور تھے

قرطاجنہ والوں نے پھیل پھیل کے اپنی بہت سی نوآبادیاں سواحل افریقہ، ہسپانیہ اور مغربی جزائر بحیرۂ روم میں بھی قائم کر لی تھیں۔ اور گرد و نواح کے ملک کا ایک بڑا علاقہ اُن کے زیرِ حکومت تھا۔ ان کی سلطنت بھی ایسی نہ تھی کہ رومیوں کی دولت کے ہم پایہ نہ ہو۔ مگر ہاں یہ فرق البتہ تھا کہ قرطاجنہ میں روم کی سی سپہ گرانہ جمہوریت نہ تھی بلکہ تاجرانہ جمہوریت تھی۔ وہ لوگ دولتمندی کو دھوم دھام اور شان وشوکت سے زیادہ پسند نہ کرتے تھے۔ لڑائیوں کے میدانوں میں بذاتِ خود شمشیرزنی کرنے اور جوہر شجاعت دکھانے کے عوض ماہوار یاب سپاہیوں کو لڑایا کرتے تھے جن کے پاس جاکے یونانی روپیہ کی آرزو میں نوکری کرتے۔ ان کے پاس مراکشی سواروں کے رسالہ تھے اور مختلف ملکوں اور قوموں کے غلام جن کو تاجر فرمان روایان قرطاجنہ ایسی مشتبہ نگاہوں سے دیکھتے جن سے خوف اور ناپسندیدگی

کی جھلک نمایاں ہوتی۔

قرطاجنہ کا اثر اور اس کی قوت اُن دنوں اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اس عہدِ قدیم میں وہ رومۃ الکبریٰ کا نہایت ہی خطرناک حریف ہو سکتا تھا۔ مگر ایطالیہ کی یونانی نو آبادیوں نے قرطاجنہ والوں کی روک تھام کی۔ جزیرہ صقلیہ کے قبضہ کو اُن سے بٹا لیا۔ اور اس طریقہ سے قرطاجنہ کی قوت گھٹ گئی۔

ایتھنیہ والوں کی اس مہم کے بعد جو کہ لوپونیشین لڑائی کے سلسلہ میں نہایت بدنصیبی پر ختم ہوئی تھی۔ ڈیونی سیوس نام ایک شخص نے شہر سرقوسہ میں بہت بڑی عظمت حاصل کر لی تھی۔ اور سنہ ۹۷۶ قبل محمدؐ سے سنہ ۹۳۸ قبل محمدؐ تک بادشاہ بن کے فرمانروائی کرتا رہا تھا۔ وہ ایک درشت مزاج آدمی تھا۔ اور اس کے ہاتھ سے اتنے مظالم ہوئے تھے کہ اُس کا نام ایک ظالم شخص کی مکمل تصویر لوگوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اس میں قابلیتیں بھی تھیں اور صقلیہ کے دوسرے یونانیوں اور سرقوسہ والوں میں ربط و ضبط پیدا کرا کے اس نے قرطاجنہ والوں کو کئی دفعہ شکستیں دیں اور قریب تھا کہ قرطاجنہ والوں کو صقلیہ سے مار کے نکال دے۔ اس کے متعلق جو کہانیاں بیان کی جاتی ہیں، اُن میں سب سے زیادہ مشہور اس کے کان اور اس کے دوست داموقلیز کی کہانیاں ہیں۔ اُس کے کان سے مراد ایک کمرہ ہے جسے اُس نے سلطنت کے قیدخانے کے اندر تعمیر کرایا تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ ایسے طریقہ سے بنایا گیا تھا کہ جب وہ اس میں جا کے بیٹھتا تو برگشتہ بخت قیدی آپس میں جو کچھ باتیں کرتے اس کے کانوں تک پہونچ جاتیں اور وہ بے احتیاطی سے جو کچھ کہہ جاتے اس سے علم حاصل کر کے وہ اُن کے خلاف احکام جاری کرتا۔ داموقلیز اس کا ایک درباری بیان کیا جاتا ہے جس نے کسی موقع پر اپنی یہ تمنا ظاہر کی تھی کہ میں ایک دن کے لئے

بادشاہ ہو جاتا۔ ڈیونی سیوس نے وعدہ کیا کہ تمھاری یہ آرزو پوری ہو گی۔ چنانچہ دوسرے ہی دن دامو قلیز تخت شاہی پر بٹھایا گیا اور اس کے خوش کرنے کے لئے نہایت ہی شان و شوکت اور دھوم دھام ظاہر کی گئی۔ اور وہ حد درجہ کی عیش پرستی میں مشغول تھا۔ انھیں رنگ رلیوں میں ایک دفعہ اس کی نظر اوپر جو اٹھی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک شمشیر برہنہ عین اس کے سر کے اوپر ایک کچے دھاگے میں بندھی ہوئی لٹک رہی ہے۔ اور ٹوٹ کے اس کے سر پر گرا ہی چاہتی ہے۔ یہ دیکھتے ہی دامو قلیز کے حواس جاتے رہے۔ اور سارا عیش منغص ہو گیا۔ ڈیونی سیوس کے خیال میں ایک بادشاہ کی زندگی کا یہی نمونہ تھا مگر یہ نمونہ سچ یہ ہے کہ اسی کے سے جلے اصول و ظالم بادشاہ کی فرمانروائی کا نمونہ تھا جو محض سطوت و جبروت کی بنا پر حکومت کر رہا تھا۔ مگر ایک حق پرست اور رعایا سے محبت کرنے والے بادشاہ کی یہ زندگی کا نمونہ ہرگز نہیں ہو سکتا

ڈیونی سیوس نے مرتے وقت کہا کہ اپنے بیٹے کے لئے میں ایک شہنشاہی چھوڑے جاتا ہوں جو فولادی دیوار سے محفوظ کی گئی ہے لیکن اس کا بیٹا چھوٹا ڈیونی سیوس ویسا ہی ناکارہ و نااہل تھا جیسا کہ اس کا باپ بہادر و ہوشیار تھا۔ وہ ایک ہی عبلۃ حکومت کرنے پایا تھا کہ سنہ ۹۲۷ قبل محمدؐ میں اس کے بھتیجے ڈیون نے اسے تخت سے اتار کے حکومت اپنے قبضہ میں کر لی۔ اور ڈیونی سیوس دوم نے تخت و تاج سے محروم ہونے کے بعد ایک مکتب کھول دیا۔ اور باقی ماندہ زندگی لڑکے پڑھانے میں صرف کر دی۔

سرقوسہ ہی پر موقوف نہیں، یونانیوں کی شجاعت و قابلیت اب ہر جگہ بہت جلد گھٹتی چلی جاتی تھی۔ یہ سرقوسہ کی قوت بھی جو قرطاجنہ کی ترقی کو روکے ہوئے تھی کمزور ہو گئی۔ اور سکندر اعظم کے مرنے کے ساٹھ برس بعد جبکہ ان چھوٹی

چھوٹی ریاستوں میں جو اس کی عالمگیر شاہنشاہی کے ٹوٹنے سے پیدا ہوئی تھیں ہنگامہ آرائیاں ہو رہی تھیں۔ رومیوں کے جو اپنے کوہستانی جزیرہ نما پر قابض و متصرف تھے اور قرطاجنہ کے بحری سرداروں کے درمیان پہلا جھگڑا یہ پیدا ہوا کہ دونوں میں سے کس کی قوت غالب اور کس کی مغلوب تسلیم کی جائے۔ شاید قرطاجنہ والے یافث کی عداوت لین کی اس پیشین گوئی سے ناواقف تھے کہ "کنعانی لوگوں کا خادم بن کے رہنا چاہیئے"۔

فصل دوم

(قرطاجنہ والوں کی پہلی لڑائی ۲۶۴ قبل مسیحؑ سے ۲۱۸ قبل مسیحؑ تک)

رومیوں اور قرطاجنہ والوں کے جھگڑے کی بنا یہ معلوم ہوتی ہے کہ صقلیہ میں اطالیہ والوں کی ایک نوآبادی تھی۔ جو میسینا کے نام سے مشہور تھی۔ اُن میں اور اہلِ قرطاجنہ میں نزاع ہوئی۔ اور رومیوں نے ان کی کمک کے لئے فوج بھیجی۔

یہ جھگڑا ابتدا میں تو صرف جزیرۂ صقلیہ تک محدود تھا۔ جس میں رومیوں کو اہل قرطاجنہ سے پیش پانا دشوار تھا۔ اس لئے کہ قرطاجنہ والوں کی بحری قوت بڑی زبردست تھی اور اُن کے پاس اُس زمانہ کے لحاظ سے اعلیٰ درجے کے جہاز تھے اور رومیوں کی بحری قوت اُن کے مقابل کچھ نہ تھی۔ آخر روم والوں نے بھی اپنی یہ کمزوری دیکھ کے اہل قرطاجنہ ہی کے نمونہ پر جہازوں کا ایک بیڑا تیار کیا۔ جس کے ذریعہ سے انھوں نے لڑائی کو صقلیہ کے علاوہ دیگر مقامات میں پھیلا دیا۔ کیونکہ یہ رومی بیڑا قرطاجنہ والوں کے سواحل پر جا جا کے لوٹ مار کرنے لگا۔ رومیوں نے اپنے جہازوں میں اتنی جدت بھی کہ ان میں اس قسم کی کلیں لگائیں جن کے ذریعہ سے دشمن کے جہازوں کو پھانس لیں یا ڈبو دیں۔ ان کلوں سے رومیوں کے بیڑے میں جو کمی تھی

یا ان کی جہازرانی میں جو خامی تھی اس کا معاوضہ ہو گیا اور کئی بحری لڑائیوں میں وہ
کامیاب بھی ہو گئے۔ اور آخر کار ان کا زبردست لشکر کا نسل مرقس آطلی لیوسس
رغولوس کے زیر علم افریقہ کے سواحل پر اور قرطاجنہ کے علاقہ میں جا کے اُتر پڑا
اس مہم میں رغولوس کو ابتداءً کئی بار کامیابی ہوئی۔ اور اگرچہ اس کا
کانسل رہنے کا سال ختم ہو گیا تھا روم میں کانسل کا انتخاب صرف ایک سال کے
لئے ہوا کرتا تھا۔ اور ہر سال نیا کانسل منتخب ہوتا۔ مگر روم کی مجلس الجبری کے سینٹ نے
اس کی سپہ سالاری بدستور قائم رکھی اور کانسل کی مدت میں توسیع کر دی اور خود
وطن واپس جانے کے لئے بیتاب تھا اور خوشامد و التجا کر رہا تھا کہ مجھے گھر آنے
کی اجازت دی جائے۔ کیونکہ میری کھیتی غارت ہوئی جاتی ہے۔ میرا غلام آلات
کاشتکاری کو چرا لے گیا ہے۔ اور وہاں کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں۔ اور
اگر کھیتی غارت ہو گئی تو میری غیبت میں میرے بیوی بچوں کو بڑی تکلیف ہو گی۔ مگر
سینٹ نے ان عذرات کی سماعت نہ کی۔ اور کہلا بھیجا کہ تمھارے بال بچوں کی
خبر گیری سلطنت کے ذمہ ہے تم مطمئن رہو، الغرض باوجود برخاستہ خاطری کے وہ
افریقہ ہی میں رکھا گیا۔ جہاں اس نے متواتر فتحیں حاصل کیں اور نام پیدا کیا۔ لیکن
ایک آخری میدان میں اسے شکست ہو گئی۔ اس لڑائی میں اس کا حریف مقابل
زان تپ پوس نام ایک اسپارٹا کا باشندہ تھا جو قرطاجنہ والوں کی ملازمت میں تھا
قرطاجنہ کے اس یونانی سپہ سالار نے رومیوں کو زک ہی نہیں دی بلکہ ان کے
سپہ سالار رغولوس کو حسن تدبیر سے گرفتار بھی کر لیا۔ لیکن فتح کے بعد جب اُسے
معلوم ہوا کہ قرطاجنہ والے اپنے ملازم سپاہیوں اور افسروں کے ساتھ نہایت
بُرا سلوک کرتے ہیں۔ خصوصاً اُس صورت میں جبکہ وہ کسی غیر قوم و ملک کا آدمی
ہو تو اپنے لشکر کو چھوڑ کے بھاگ کھڑا ہوا۔ اور اکثر لوگوں کا بیان ہے کہ وہ بھاگ گئے

بھی نہیں بچ سکا، کیونکہ جس جہاز میں سوار ہو کے اپنے وطن کو آرہا تھا اُس کے کپتان نے قرطاجنہ کی سینٹ کے حکم سے اُسے سمندر میں ڈبو دیا لیکن یہ رومی مورخین کا بیان ہے جو اس معاملہ میں زیادہ وقعت اور وثوق کی نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا۔

رغولوس ایک مدت تک قید رکھنے کے بعد قرطاجنہ والوں نے چند شرائط صلح دے کے روم میں بھیجا اور خیال کیا کہ یہ جاتے ہی اپنے اہل وطن کو مجبور کر کے اُن شرطوں پر راضی کر دے گا۔ چنانچہ اُس سے حلفیہ اقرار کرا لیا کہ اگر رومیوں نے ان شرطوں کو نہ مانا تو میں پھر اسی قیدخانہ میں واپس چلا آؤں گا۔“ اس قول و قسم کے بعد رغولوس رومۃ الکبریٰ کی شہر پناہ کے نیچے پہونچ کے شہر کے باہر ہی ٹھہر گیا اور اندر کہلا بھیجا کہ میں اب نہ سینٹ کا ممبر ہوں اور نہ رومیوں کا کانسل“ بلکہ قرطاجنہ والوں کا ایک غلام ہوں اس لئے شہر کے اندر نہ آؤں گا۔ رومی سینٹ نے اس کا بیان سننے کے لئے شہر کے باہر ہی اجلاس کیا اور اس کی بے انتہا قدر و منزلت کی۔ کیونکہ اس نے جو کچھ مشورہ دیا اُس کے ذاتی مقاصد و منافع کے بالکل خلاف تھا۔ اس نے کہا کہ ”آپ لوگ لڑائی پر استقلال سے قائم رہیں اور خوب کھول کے بتا دیا کہ اہل قرطاجنہ کن کن باتوں میں رومیوں کے مقابل کمزور ہیں، پھر سب سے التجا کی کہ ”آپ لوگ مجھ سے ایک بوڑھے شخص کی سلامتی کے لئے جو اب سلطنت کے بہت ہی کم کام آسکتا ہے۔ اپنے مصالح کو ہرگز نہ چھوڑیں“۔ پھر کہا کہ ”قیدیوں کے مبادلہ کی بھی کچھ ضرورت نہیں ہے“۔ یہی ایک صورت تھی جس میں اس کے لئے نجات و آزادی کی اُمید ہو سکتی تھی۔ مگر اس نے کہا کہ ”قیدیوں کا مبادلہ کرنے سے آپ ہی گھاٹے میں رہیں گے۔ اس لئے کہ قرطاجنہ کے جو فوجی افسر آپ لوگوں

کے ہاتھ میں گرفتار ہیں ان کا شمار تیرہ سے کم نہیں ہے اور اُن کے ہاتھ میں آپکا قیدی اکیلا ایک میں ہوں"۔

بہر تقدیر رومی سینٹ کو محض اُس کے اصرار سے اپنی مرضی کے خلاف سلسلۂ جنگ جاری رکھنا پڑا۔ اب سینٹ والوں نے اسے صلاح دی کہ "تم اس حلف کا لحاظ نہ کرو جو تم سے بہ جبر لیا گیا ہے اور بجائے وہاں جا کے پا بہ زنجیر ہونے اور جان سے مارے جانے کے اپنے گھر جاؤ، اور بیوی بچوں میں جاکے بیٹھو"۔ لیکن شریف النفس رِغولوس اپنی دُھن پر قائم رہا، ان کی خوشامدوں کا ذرا بھی پاس و لحاظ نہ کیا، بیوی بچوں کو زار و قطار روتے چھوڑا۔ شہر کے باہر ہی سے پلٹ کے قرطاجنہ والوں کے پاس چلا گیا اور ثابت کر دیا کہ اپنی بات پر قائم رہنا اور اپنے ملک کو فائدہ پہونچانا اُسے اپنی زندگی و آزادی سے زیادہ عزیز تھا۔ قرطاجنہ والوں میں کسی ایسے شریف النفس کی قدر جاننے کی حس نہ تھی۔ جیسے ہی اس کی صورت دیکھی اور معلوم ہوا کہ ناکام واپس آیا ہے سخت برہم ہوے اور طرح طرح کی تکلیفیں دے کے اُسے مار ڈالا، مگر چاہے وہ کیسی ہی اذیتوں سے مارا گیا ہو دُنیا کو اس کے نام کی عظمت نہیں بھول سکتی۔

لڑائی کے چند روز اور قائم رہنے سے ایسے شرائط پر صلح ہو گئی جو رومیوں کے حق میں پہلی شرطوں سے زیادہ مفید تھے۔ قرطاجنہ والوں کے جو تیئیس برس کی مسلسل لڑائی سے عاجز آ گئے تھے اور جس کی وجہ سے ان کی تجارت کو سخت ضرر پہونچ گیا تھا۔ جزائر سارڈی نیہ اور صقلیہ رومیوں کے حوالہ کر دیے۔ بجز سرقوسہ کے جو برائے نام آزاد و خود مختار رکھا گیا تھا۔ یہ صلح ۲۴۱ھ قبل محمدؐ میں ہوئی، جس پر پہلی جنگ قرطاجنہ کا خاتمہ ہو گیا۔

فصل سوم

ہنی بال ایطالیہ میں (۹۰ سنہ قبل محمدؐ سے ۴۲ سنہ قبل محمدؐ تک)

پہلی جنگ قرطاجنہ کے ختم ہوتے ہی روم میں امن وامان قائم ہوگیا اور ایسا امن کہ بنائے روم سے لے کے اس وقت تک یہ دوسرا مرتبہ تھا کہ یانوس دیوتا کے مندر کا دروازہ بند کیا گیا، جو جنگ وپیکار کے زمانے میں ہمیشہ کھلا رہا کرتا تھا۔ لیکن گذشتہ لڑائی سے جو نقصانات قرطاجنہ کو پہونچ گئے تھے انھیں قرطاجنہ والوں نے بہت محسوس کیا۔ حتی کہ اُن کے سب سے بڑے مدبر ہاملکار نے کہا کہ میں اپنے چار بیٹوں کو رومیوں کی مخالفت کے لئے چار شیر بنا کے تیار کروں گا۔ صقلیہ کے ہاتھ سے نکل جانے کی کمی اُس نے یوں پوری کی کہ اسپین پر قرطاجنہ کی حکومت قائم کردی جو ملک کہ اُن دنوں آیبریا کہلاتا تھا۔ اور جہاں سے چاندی کی کان ہونے کے باعث حکمرانوں کو بہت زیادہ دولت حاصل ہوا کرتی تھی لیکن کلٹ اور آیبریا والے جو اسپین میں آباد تھے بہادر اور جنگجو لوگ تھے۔ چنانچہ آخر کو ہاملکار انھیں لوگوں سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ اور فوج کی سپہ سالاری اپنے سب سے چھوٹے بیٹے ہنی بال کے ہاتھ میں چھوڑی جو نو برس کی عمر میں قربان گاہ پر بعل کی مورت کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اور وہاں دیوتا کے سامنے اس سے قسم لی گئی تھی کہ جبتک دم میں دم ہے رومیوں سے نفرت کرتا رہوں گا۔

ہنی بال جیسے ہی اپنی فوج کو اس بات کی تعلیم دے چکا کہ بے عذر اس کی فرمانبرداری کیا کریں۔ رومیوں سے چھیڑ پیدا کرنے کے درپے ہوا اور دل میں ٹھان لی کہ انھیں ایک ایسی پوری شکست دے دوں جو اُن کے حق میں ایک کاری حربہ ثابت ہو، چنانچہ اپنی طرف سے چھیڑ کرنے کے لئے ۹۰ سنہ قبل محمدؐ میں

اُس نے ساگنٹم نام ملک اسپین کے ایک شہر پر قبضہ کر لیا جو رومیوں سے اتحاد رکھتا تھا۔ اُس کی یہ زیادتی دیکھ کے رومیوں نے شکایت پیش کی کہ تم نے معاہدے کے خلاف کیا۔ رومیوں کی طرف سے یہ عذر پیش ہوتے ہی اس نے بلا تامل ایطالیہ پر چڑھائی کر دی

ہنی بال کی یہ تاخت دُنیا کی مشہور ترین تاختوں میں ہے جس لشکر کو وہ اپنے زیرِ علم لے کے چلا اُس میں کچھ تو قرطاجنہ والے تھے۔ کچھ گالیا والے، کچھ اسپین کے کلٹ لوگ تھے۔ مراکو یعنی نیومیڈیا کے سواروں کا ایک رسالہ تھا، اور اس کے ہمراہ رکاب بائیس ۲۲ ہاتھی بھی تھے۔ اس سب لشکر کو لے کے وہ کوہستان پی رینیز کے پار ہوا۔ خلیج لیوں کے گرد چکر کھاتا ہوا بڑھا۔ اور کوہستان آلپس کی گھاٹی پر جا پہونچا۔ جس میں گالیا والوں کے سوا آج تک کسی حملہ آور کو قدم رکھنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ اس مہم میں ہنی بال کو جن سختیوں اور دُشواریوں سے سابقہ پڑا۔ نہایت ہی خوفناک تھیں۔ اور وہی تھا جس کی پامردی میں کوئی دُشواری اور کوئی آفت فرق نہ ڈال سکی۔ یہاں اُسے پے در پے بد عہد گالیا والوں سے لڑ لڑ کے اپنا راستہ نکالنا تھا۔ پہاڑوں پر چڑھنا اور برف اور یخ کے سمندروں سے پار ہونا تھا لیکن انھیں باتوں پر اُس کی دُشواریوں کا خاتمہ نہیں ہوا، بلکہ ایک موقع پر اُسے کوہستانی چٹان کو کاٹ کے اپنے لئے راستہ نکالنا پڑا۔ آخر ان سب مصیبتوں کے جھیل لینے کے بعد صبر و تحمل کے دربار سے اسے یہ انعام ملا کہ ایطالیہ کے صاف میدان سامنے پھیلے ہوئے نظر آئے۔ اور وہ اُس خوشنما و خوش سواد سرزمین میں داخل ہوا جو دریائے آے ری داڈوس یعنی موجودہ دریائے "پو" کے کنارے واقع ہے۔

بیوپ لیوس کورنے لیوس اِسک پیو کو جو کونسل کے معزز عہدے پر ممتاز تھا سب سے پہلے فوج لے کے ہنی بال کے مقابلہ کو آیا۔ لیکن دریائے تِقی نِوس کے کنارے

اُسے کلیتہً شکست ہو گئی۔ خود اسک یپو ایسا تند بد زخمی ہوا کہ اُس کے بیٹے نے بڑی دشواری سے اُس کی جان بچائی۔ جان پر کھیل کے اور بڑی بہادری سے لڑ بھڑ کے دشمنوں کے حملوں کو روکا۔ اور آخرکار اسے جیتی جاگتی جنگ و پیکار کی آگ میں سے نکال لایا۔ اُس کے زخم ابھی اچھے نہیں ہونے پائے تھے کہ اس کے ہم رُتبہ وہم عہدہ آدمی سردار طریوس سم پر ونیوس کو اس ہوس نے گھیرا کہ فتحمندی کا سہرا میرے سر پر رہے۔ اور فوج لے کے ہنی بال کے مقابلہ کو چلا۔ مگر شہر طری بیہ کے قریب اس نے بھی شکست کھائی۔

اب موسم سرما شروع ہو چکا تھا۔ ہنی بال نے علاقۂ آرنو کے دلدل کا راستہ اختیار کیا۔ مگر یہاں کی زہریلی آب و ہوا کے اثر سے اس کے لشکر نے اور خود اس نے بڑی سخت مصیبتیں اُٹھائیں اس سفر میں اُس کی آنکھ بھی جاتی رہی اور کوچ کی دشواریاں ایسی سخت تھیں کہ کہتے ہیں صرف ایک ہاتھی جو بائیس میں سے بچ رہا تھا یہاں کی پولی زمین سے اُسے صحیح و سالم نکال لایا۔ مگر ان ناکامیوں پر بھی اسکی شجاعت و حوصلہ مندی میں فرق نہیں آنے پایا تھا۔ کیونکہ تھراسی مین نام جھیل کے پاس اس نے رومیوں کو تیسری شکست دی۔ اور بغیر اس کے کہ کوئی مزاحم ہونے کی جرأت کر سکے۔ وہ کیم پانیا کے میدانوں میں آپہونچا، اس کی یہ یورش دیکھ کے رومۃ الکبریٰ میں کوِن طوس فابیوس میکری موس ڈکٹیٹر مقرر ہوا۔ فابیوس تجربہ کار اور ہوشیار افسر تھا۔ اور ہنی بال کی شجاعت سے واقف تھا۔ اس نے کبھی دوبدو سامنے آکے مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کی۔ اور یہ طریقہ اختیار کیا کہ اپنے لشکر کو ہمیشہ ہنی بال کے قریب ہی رکھتا۔ اِدھر اُدھر چکر لگاتا رہتا اور سامنے نہ آتا۔ اس لڑائی میں دیر لگانے کی وجہ سے اُس کا لقب کنک طاطور (ڈھیل ڈالنے والا) پڑ گیا۔ وہ ہنی بال کے پاس رسد نہ پہونچنے دیتا۔ جس کی وجہ سے قرطاجنہ والوں کو سخت

مصیبت میں مبتلا ہونا پڑا۔ اور پھر اسد کے ساتھ آفت یہ تھی کہ دشمن کا لشکر مقابلہ کے لئے سامنے تو نہ آتا مگر ہمیشہ اس کے لشکر کے آس پاس لگا رہتا اور اندھیرے اُجالے جب ذرا بھی غفلت کا موقع پا جاتا۔ نقصان پہونچا دیتا۔ چند روز بعد جب فابیوس ڈکٹیٹری کی خدمت سے علیحدہ ہوا۔ اور لوقیوس آیمی لیوس پولوس اور قایوس ٹرنطیوس وارد کا نسل مقرر ہوئے تو سخت مزاج وارد کی درشت مزاجی ایسے ذی عقل ساتھی پولوس کی ہوشمندی پر غالب آگئی۔ غرض پولوس نے رومیوں کو اُبھا کا نیا کے میدان میں پھر ہنی بال سے لڑا دیا اور یہ لڑائی ان کے حق میں سب سے زیادہ تباہ کرنے والی ثابت ہوئی۔ پولوس سے جہاں تک بنا میدان میں قدم جمائے رہا اور فتح حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ساری کوششیں بے سود ہوئیں۔ رومی بہت کثرت سے مارے گئے۔ اور تھوڑے ہی تھے جو جان بچا کے گھر جا سکے ہوں۔ رومیوں میں سے ایک شخص لن طولوس جو ڑی بیون کی خدمت پر مامور تھا۔ بھاگتا ہوا جا رہا تھا کہ راستہ میں اس نے پولوس کو اس حالت سے ایک چٹان پر بیٹھے ہوئے دیکھا کہ پنڈے سے خون کے فوارے بہہ رہے ہیں۔ اس شخص نے اپنا گھوڑا پیش کیا کہ اس پر سوار ہو کے چلے چلیے مگر اس نے انکار کیا۔ اور کہا " بس اب تم ہی اپنی جان بچاؤ۔ مجھ سے تو یہ نہ بن پڑے گا کہ اس الزام سے اپنے کو بری کر سکوں۔ اور نہ یہ بنے گا کہ اپنے ہم عہدہ شخص (وارد) کو سینٹ کے سامنے ملزم ٹھہراؤں " اتنے میں تعاقب کرنے والے قریب آپہونچے۔ لن طولوس اسے چھوڑ کے بھاگا اور تھوڑی دیر جانے کے بعد اس نے پلٹ کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ پولوس کانسل دشمنوں کے برچھ میں چھدا پڑا ہے۔ اس لڑائی میں رومیوں کا بڑا بھاری نقصان ہوا۔ جس کا کسی قدر اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ انگوٹھیاں جنھیں ایکوٹ لوگ پہنا کرتے تھے انھیں قرطاجنہ والوں نے میدان جنگ سے چن چن کے اس کثرت کے ساتھ

جمع کیا تھا کہ ہنی بال نے ایک من انگوٹھیاں اپنی فتحمندی و کامیابی کا ثبوت دینے اور روم میں اپنی دست برد اور رومیوں کی بزدلی و پامالی کا حال ظاہر کرنے کے لئے قرطاجنہ میں بھیجی تھیں۔

ہنی بال کی خاص کامیابی کام کز کانیا کا میدان تھا اور اکثر لوگ اس پر متحیر ہوئے ہیں کہ ہنی بال نے یہ فتح پاتے ہی یہاں سے فوراً رومۃ الکبریٰ کی طرف کیوں نہ کوچ کر دیا۔ لیکن اس میدان میں اگرچہ اسے بہت بڑی فتح حاصل ہوئی مگر اس کا بھی تھوڑا نقصان نہیں ہوا تھا اور بہت سے نامی سپاہی کٹ گئے تھے۔ اس پر طرّہ یہ کہ قرطاجنہ والوں نے بھی اپنے جبلی بغض و حسد کی وجہ سے اُس کی کسی قسم کی کمک نہیں کی۔ حالانکہ اس موقع پر ضرورت تھی کہ قرطاجنہ سے تھوڑی سی تازہ دم فوج میدان جنگ میں آجاتی۔ قطع نظر اس کے جو فوج فی الحال ہنی بال کے زیر کمان تھی اُسے بھی علاقہ کمپانیہ کی دولتمندی اور وہاں کے سامان عیش نے عشرت پرستی میں مبتلا کر دیا تھا۔ اور چند ہی روز میں ایسا بنا دیا تھا کہ ان کا سارا شکوہ اور جوشیلاپن تشریف لے گیا۔

ہاں ہسپانیہ میں البتہ ہنی بال کا بھائی ہس دربال فوج جمع کر رہا تھا کہ اس کی مدد کو روانہ کرے گا۔ مگر وہاں رومیوں کی طرف سے اِس کی پیو اور اس کا بہادر اور اولوالعزم بھائی ہس دروبال کے سر پر موجود تھے۔ جو اس کی ہر کوشش میں مزاحم ہوتے اور جہاں تک بنتا اُس کی تدبیروں کو نہ چلنے دیتے۔ یہ دیکھ کے ہس دروبال کو نہایت غصہ آیا اور ایک میدان میں بہادری سے مقابلہ کر کے انھیں فاش شکست دی۔ اور ایسی شکست کہ اِس کی پیو اور اس کا بھائی دونوں مارے گئے اور میدان قرطاجنہ والوں کے ہاتھ رہا، ہس دروبال نے فتح حاصل کرتے ہی ارادہ کیا کہ اپنے بھائی کے نقشِ قدم پر چل کے خود ملک ایطالیہ میں

داخل ہوا۔ مگر اس سے زیادہ فتحمندی اُس کی قسمت میں نہیں لکھی تھی۔ دریائے مے طوروس کے کنارے رومیوں کی طرف سے کونسل فیوس نلوریوس نیرو اس کے مقابلہ کو آیا۔ اور دونوں میں میدان گیرودار گرم ہوا جس کا خاتمہ اس پر ہوا کہ ہس درو بال مارا گیا۔ نیرو نے اس کا سر کاٹ لیا اور اسے لے کے جنوب کی طرف سفر کیا اور ہنی بال کے قریب پہونچ کے حکم دیا کہ ہس درو بال کا سر ہنی بال کے لشکر کے سامنے ڈال دیا جائے اور قرطاجنہ کے دو اسیروں کو چھوڑ دیا کہ وہ ہنی بال کے پاس جا کے اسے اس شکست کی خبر پہونچائیں۔ بس اسی واقعہ پر گویا ہنی بال کی کامیابیاں ختم ہو گئیں۔ کیونکہ پھر اسے رومیوں کے مقابلہ میں کوئی نمایاں فتح نہیں حاصل ہوئی۔ مگر اس نے ایطالیہ کی سرزمین کو نہ چھوڑا۔ اپنے لشکر کے ساتھ مقام بروشیم میں پڑا رہا جو جزیرہ نمائے ایطالیہ کی انتہا پر واقع ہے اور اس کا انتظار کر رہا تھا کہ کوئی موقع ملے تو پھر رومیوں پر حملہ کر دوں۔ وہ اس بات کو جانتا تھا کہ قرطاجنہ کے لئے بچاؤ کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ روم کو خود اس کے قرب و جوار میں کمزور کر دے۔ مگر یہ آرزو ہنی بال کے دل ہی میں رہی، کبھی پوری ہونے کو نہ آئی۔ یہاں تک کہ بعد کے واقعات نے ایطالیہ سے نکال کے اس سے خدا جانے کہاں کہاں کی خاک چھنوائی۔

فصل چہارم

قرطاجنہ کی دوسری لڑائی کا نتیجہ (۵۸۵ء قبل محمد سے ۷۷۲ء قبل محمد تک)

اس پوری مدت میں اہل قرطاجنہ برابر اسی کوشش میں رہے کہ رومیوں کے مقابلہ میں نئے نئے دشمنوں کو اُبھار کے کھڑا کریں۔ انھوں نے فلپ شاہ مقدونیہ سے دوستی پیدا کی۔ یہ وہی فلپ تھا جس نے اراطوس کو زہر دیا تھا، چنانچہ

قرطاجنہ والوں کے اُبھارنے سے فلپ اس بات کی تدبیریں کرنے لگا کہ بحر ایڈریاٹک کے پار اُتر کے مملکت ایطالیہ پر چڑھائی کرے۔ لیکن رومیوں نے اہلِ قرطاجنہ کو جواب ترکی بہ ترکی یہ دیا کہ جزیرہ نمائے یونان میں ایطولیہ والوں کو اس بات پر اُبھار دیا کہ فلپ کے علاقہ پر حملہ کر دیں۔ جس کی وجہ سے فلپ بجائے ایطالیہ کی طرف رُخ کرنے کے گھر ہی کے جھگڑوں میں پھنسا رہ گیا۔

اس کے بعد قرطاجنہ والوں نے یونانی شہر سرقوسہ والوں کو رومیوں سے توڑ کے اپنا دوست بنا لیا۔ اس کی خبر روم میں پہونچی تو وہاں سرقوسہ والوں کو جو ایک چست و چالاک اور اولوالعزم جنرل تھا اور جسے ہنی بال کے مقابلہ میں بڑی نمود حاصل ہو چکی تھی سرقوسہ کے پامال کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ مگر یہاں پہنچ کے اسے بڑی دُشواریاں پیش آئیں۔ شہر کی خوب مضبوطی سے قلعہ بندی کی گئی تھی اور دُنیا کا مشہور مہندس ارشمیدس اس کے اندر موجود تھا۔ ارشمیدس نے ایسی ایسی کلیں ایجاد کی تھیں جن سے محاصرہ کرنے والے نہایت ہی ڈرتے اور خوف کھاتے تھے۔ آخر دو برس کے سخت محاصرہ کے بعد مرقس قلادیوس کو پتہ لگ گیا کہ شہر کی فصیل فلاں مقام پر کمزور ہے۔ ادھر سے ناگہاں یورش کر کے اس نے فصیل توڑی اور شہر میں قتل و خوں ریزی کا بازار گرم ہو گیا۔ رومی سپہ سالار نے شہر کو خوب لٹوایا۔ مسمار کرایا اور فوج والوں کے ہاتھوں رعایا پر بڑے بڑے ظلم کرائے۔ مرقس ارشمیدس کے کمالات کا معترف تھا۔ دل میں ڈرا کہ ایسا نہ ہو اس قتل عام میں، وہ بھی کسی جاہل رومی کے ہاتھ سے مارا جائے۔ لہٰذا حکم دیا کہ خبردار کوئی شخص ارشمیدس کو نہ قتل کرے۔ لیکن اس عام خونریزی میں کون کس کو پہچانتا تھا؟"

جس دن رومی شہر سرقوسہ میں داخل ہوئے ہیں ارشمیدس علم ہندسہ کے ایک مسئلہ کے حل کرنے میں اس قدر مستغرق تھا کہ اُسے خبر ہی نہ تھی کہ شہر میں کیا ہو رہا

ہے اور کیسی قیامت بپا ہے۔ اِتنے میں دیکھا کہ ایک رومی سپاہی تلوار کھینچے ہوئے میری طرف آرہا ہے چونک کے اُس نے صورت دیکھی اور پھر اُسی مسئلہ کی دھن میں لگ گیا۔ اب نظر آیا کہ اس کی تلوار بلند ہو چکی اور میرے سر پر پڑا ہی چاہتی ہے تو بے اختیار ہاتھ کو سپر بنا کے بولا "ذرا اتنا ٹھہر جاؤ کہ میں اس مسئلہ کو حل کر لوں"۔ رومی سپاہی یہ بھی نہ سمجھا کہ یہ یونانی شخص کیا بک رہا ہے۔ اور ایک ہی وار میں اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ یہ واقعہ ۲۱۲ء قبل محمدؐ کا ہے، اور اسی وقت سے سراقوسہ دولت روم کے تابع ہو کے رومیوں کے صوبۂ عقلیہ کا ایک جز بن گیا۔

نوعمر رومی سردار پوپ لیوس کارنے لیوس اِس کی پیو دسپیو، جس نے طِقِنیس کے میدان میں اپنے باپ کی جان بچائی تھی چوبیس برس کی عمر میں ہسپانیہ کا حکمران مقرر ہوا تھا۔ اس کا شمار رومیوں کے بہترین اور اعلیٰ ترین نام وروں میں تھا اس کو دیوتاؤں سے بے انتہا عقیدت تھی۔ ہمیشہ اُن کی حمایت کا خواستگار رہتا اور بے دُعا مانگے کوئی کام نہ کرتا تھا۔ اس کا دل الیازم اور اسکے اخلاق میں کچھ ایسی دل فریبی تھی کہ لشکر والوں کو اس سے بے انتہا محبت تھی۔ یہ ایسے اوصاف تھے جن کی بدولت اسے ہسپانیہ کی حکومت میں پوری کامیابی حاصل ہوئی۔ وہ تمام مقامات جو قرطاجنہ والوں کے قبضہ میں تھے ان کے ہاتھ سے نکل نکل کے اس کے قبضہ میں آ گئے۔ قوم کلٹ کے بہت سے لوگوں کو روم کا دوست بنا دیا۔ ایسے ایسے قومی خدمات بجالانے کے بعد رومۃ الکبریٰ میں واپس آیا اور سینٹ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ جس طرح بنے ہنی بال کو مملکت ایطالیہ سے نکلنے پر مجبور کیا جائے۔ اور اس کی سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ خود افریقیہ میں لڑائی چھیڑ دی جائے۔ کیونکہ اس صورت میں اسے خواہ مخواہ اپنے وطن کی

حمایت کے لئے واپس جانے پر مجبور ہونا پڑے گا۔

معمّر و تجربہ کار سردار فابیوس نے اس مُہم کو سخت خطرناک تصور کیا۔ اور بجائے اس کے کہ اِس کی پیو کو افریقہ پر چڑھائی کرنے کے لئے کوئی فوج دی جائے، فابیوس نے سینیٹ کو اس طرف متوجہ کر دیا کہ اِس کی پیو کو صقلیہ کا پرو کونسل مقرر کر دیا جائے اور اسے اجازت دی جائے کہ اگر مناسب سمجھے تو سمندر پار ہو کے افریقہ پر چڑھائی کر دے۔ اِس کی پیو کی اولوالعزمی نے اس کو بھی غنیمت سمجھا۔ اور صقلیہ میں پہونچ کے اہلِ ایطالیہ کی ایک بڑی بھاری جماعت جمع کر لی۔ انھیں اسلحہ کے استعمال اور قواعدِ جنگ کی تعلیم دی اور یوں تیار ہونے کے بعد جہازوں پر سوار ہو کے افریقہ کی جانب لنگر اُٹھا دیا۔ وہاں پہونچتے ہی اس نے نیومیڈیا کے بادشاہ ماسی نسا کو اپنا دوست بنا لیا جس کا یہ اثر پڑا کہ قرطاجنہ والے مراکش کے رسالہ سے محروم ہو گئے۔ جس سے اُن کی بہت بڑی قوت تھی۔

اپنی یہ کمزوری دیکھ کے قرطاجنہ والوں نے ہنی بال کو بلایا کہ آ کے اپنے وطن کو بچاؤ مگر اِس کی پیو اتنا بڑا زبردست رومی افسر تھا کہ خود ہنی بال بھی باوجود سابقہ تجربوں اور اولوالعزمیوں کے اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ مقام زاما کی لڑائی میں ہنی بال کو کلیتہً شکست ہو گئی۔ اس لڑائی سے اہلِ قرطاجنہ کو اتنا بڑا نقصان پہونچ گیا کہ اب سلسلۂ جنگ کا قائم رکھنا اُن کے امکان سے باہر تھا۔ مجبوراً سخت سے سخت شرائطِ صلح جو رومیوں کی طرف سے پیش کئے گئے اُن کو قبول کرنا پڑے۔ آخر صلح ہو گئی۔ اور جدید عہد نامہ کے شرائط کی رو سے انھیں اپنے تمام جنگی جہاز اور ہاتھی دولتِ روم کے حوالہ کر دینا پڑے۔ اور اس کے پابند کئے گئے تھے کہ بعد ازاں نہ کوئی نیا جنگی جہاز بنائیں۔ اور نہ نئے ہاتھیوں کو لڑائی کے لئے تیار کریں۔ اس کے علاوہ خراج کی حیثیت سے ایک بڑی بھاری رقم بھی اُن کو رومیوں کی نذر کرنا پڑی

اور اقرار کرنا پڑا کہ کسی ایسی سلطنت سے بھی کبھی نہ لڑیں گے جو رومیوں کی دوست ہو گی۔ الغرض اس دوسری جنگ قرطاجنہ میں جو ۷۷۲ء قبل محمدؐ میں ہوئی تھی قرطاجنہ والوں کی ساری قوت و عظمت خاک میں مل گئی۔

اس کی پیو ایک نہایت ہی شاندار ٹرائمف پر بڑے کر و فر اور تزک و احتشام کے ساتھ رومتہ الکبریٰ میں داخل ہوا۔ اس کی پیو ہی پہلا رومی شخص ہے جس نے پہلے پہل بے تعصبی کے ساتھ یونانی علوم و فنون کو حاصل کیا جنھیں اس وقت تک جاہل و درشت مزاج رومی نفرت و وحشت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

ہنی بال اس کے بعد بھی کچھ دنوں تک قرطاجنہ میں رہا۔ جہاں تک بنا اپنے ملک کی انتظامی حالت سنبھالی۔ اور سلطنت کو ترقی دینے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ اپنے اہل وطن ہی میں اس کے چند بے وقوف دشمنوں نے اُسے اس بات کا ملزم ٹھہرایا کہ وہ رومیوں کے خلاف سازش کرتا ہے اور آخر اس سے سوا اس کے اور کچھ نہ بن پڑا کہ سواد وطن کو خیرباد کہہ کے بھاگا۔ اور ارض شام میں پہونچ کے انٹیوکس اعظم تاجدار شام کے دربار میں پناہ لی۔

گیارھواں باب

(دولت روم کا عروج و اقبال ۷۷۲ء قبل محمدؐ سے ۷۱۸ء قبل محمدؐ تک)

فصل اوّل

(دولت و عظمت کی شانداریاں ۷۷۲ء قبل محمدؐ سے ۷۱۸ء قبل محمدؐ تک)

قرطاجنہ کی دوسری لڑائی کے ختم ہونے کے زمانے تک رومیوں میں جنگ و پیکار کا جو سلسلہ قائم رہا اس کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ اپنی آزادی برقرار رکھنے کے لئے تھا

کیونکہ اگر رومی آطرسکا والوں اور سامنی لوگوں اور نیز اہلِ قرطاجنہ سے مقابلہ کرکے اُن پر غالب نہ آتے تو یقیناً اپنے اُن حریفوں کے ہاتھ سے پامال بھی ہو جاتے، لیکن اب اس زمانہ کے بعد نظر آتا ہے کہ رومی کی لڑائیاں فتحیں حاصل کرکے اور اپنی عظمت بڑہانے کے لئے تھیں۔ اور علی العموم غیر ضروری اور ناانصافی کے اُصول پر مبنی تھیں۔ ارکان سلطنت تو اُن لڑائیوں کو محض اس لئے چھیڑتے اور سلسلۂ نبرد آزمائی کو بڑہاتے تھے کہ میدان جنگ میں فتحیں حاصل کرکے انھیں امتیاز و نام وری حاصل ہو اور ادنیٰ درجہ والے رومی بھی ان لڑائیوں کو اس لئے پسند کرتے تھے کہ مفتوح ملکوں سے سلطنت کو اس قدر دولت ہاتھ آجاتی کہ رعایا سے خراج حاصل کرنے کی ضرورت باقی نہ رہتی اور اہلِ شہر سے کوئی ٹیکس نہیں مانگا جاتا۔

رومیوں کی معمولی پالیسی یہ تھی کہ سرحدی علاقہ پر کسی چھوٹی قوم کو اپنی حمایت و پناہ میں لے کے اس کے دُشمن بڑی دولتوں اور حکومتوں سے لڑائی مول لیتے اور چھیڑ خانیوں کے بہانے پیدا کرتے، بلالحاظ اس کے کہ اُن چھوٹی قوموں کی شکایتیں واجبی اور منصفانہ ہوں یا غیر منصفانہ۔ اور قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی ایسی حمایت کرنے والا مل جاتا ہے تو شریروں کی جرات دبیبا کی بڑھ جایا کرتی ہے۔ الغرض اس طریقے سے بڑی بڑی سلطنتوں کے مقابلہ میں اشتہار جنگ دے کے وہ اُنکی قوت توڑ دیتے اور ان کی پامالی و تباہی کے درپے ہو جاتے۔ غالب آنے کے بعد وہ صلح ایسی شرطوں پر کرتے کہ وہ سلطنتیں شکست کا اثر کم ہونے کے بعد ذرا بھی پنپنے اور سنبھلنے کی کوشش کریں تو رومی انھیں بغاوت کا الزام دے کے اُن پر فوج کشی کر دیتے اور اپنے زبردست لشکر سے انھیں دم میں مٹا کے رکھ دیتے تھے اور ان کی قلمرو رومی قلمرو میں ملحق ہو کے دولت روم کا ایک صوبہ بن جاتی، اُن کی حرکتیں بالکل بلی کی سی تھیں جو اپنے شکار کے ساتھ کھیلتی ہے۔ پہلے اسے لنگڑا کر دیتی

ہے۔ پھر چند لمحوں کے لئے اُسے یہ خیال کرنے کا موقع دیتی ہے کہ میں آزاد ہوں مگر جب وہ بھاگنا چاہتا ہے تو جھپٹ کے مار ڈالتی اور اطمینان سے بیٹھ کے کھاتی ہے۔

جن قوموں نے دوستی پیدا کر کے اُن سے مدد مانگی تھی وہ بھی گھاٹے ہی میں رہیں۔ کیونکہ مدد دینے کے چند ہی روز بعد وہ کمزور کی گئیں۔ پھر اُن کی پامالی کیلئے کوئی نہ کوئی بہانہ پیدا کر لیا گیا اور وہ تباہ و برباد کر دی گئیں۔ رومیوں کو اپنے تمام اِن بے حمیتی و بد عہدی کے افعال پر کبھی شرم نہ آئی۔ اور اُن کی حکومت کا اصلی اُصول یہ تھا کہ "جو شخص قوی ہے وہی حق دار بھی ہے"۔ ہم چونکہ زبردست ہیں۔ لہذا جو چاہیں کریں اس کا حق رکھتے ہیں۔

جو معزز رومی کونسل کے عہدے پر مامور ہوتے وہ کونسل رہنے کا زمانہ تو عموماً روم میں بسر کرتے اور جیسے ہی کونسلی کی مدت پوری ہو چکتی بیرونی صوبجات کو اختیار کر لیتے جہاں پہونچ کے یا تو وہاں کے حاکم دوامی مقرر ہو جاتے۔ یا سرحد پر لڑائی چھیڑ دیتے۔ ان صوبوں میں وہ پرو کانسل کے لقب سے یاد کئے جاتے اور روم میں زمانہ کانسلی میں جو اقتدارات ملا کرتے تھے اُن سے بھی زیادہ اختیارات اُنھیں یہاں مل جاتے اور حکومت اُن کے ہاتھ میں ہوتی۔ اس خدمت پر وہ رومۃ الکبریٰ کی سینٹ کی مرضی کے مطابق یا حسب تقاضائے ضرورت کبھی تین، کبھی پانچ، اور کبھی آٹھ سال تک قائم رہتے۔

چھوٹے صوبوں کی حکومت اُن لوگوں کو دی جاتی جو روم میں ایک سال تک پرائٹر کی خدمت ادا کر چکے ہوتے۔ اور اپنے علاقوں میں پہونچ کے پرو پرائٹر کہلاتے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ رومۃ الکبریٰ کا ہر معزز آدمی اپنی باری میں ایک مدبر سلطنت یا ایک زبردست سپہ سالار بن جاتا۔ اور ترقی و نام وری کے لئے اسے وسیع میدان مل جاتا

یہ عہدہ داران روم اکثر اوقات اپنے اقتدارات کو شرمناک طریقوں سے کام میں لاتے۔ اور رعایا کے ساتھ ظلم و جور کا برتاؤ کرتے۔ اور سرکاری محاصل کے علاوہ بہت سی دولت خود اپنی جیبوں میں بھرنے کے لئے رعایا کو لوٹ لیا کرتے اب روم کا وہ عہد پیشین نہ تھا جبکہ ایک زبردست رومی بطریق اپنے دیانتدارانہ اخلاص پر فخر و ناز کرتا تھا اور یہ اُصول مدنظر تھا کہ بطریق ہو یا پلیبی دونوں یکساں راست بازی سے اُتنی ہی زمین اور اُتنے ہی غلام اپنے قبضہ میں رکھتے جتنوں کی اُنھیں ضرورت ہوتی اور اُتنا ہی کا اپنے آپ کو حقدار تصور کرتے اب تو لکنی نیوس کا وہ قانون جو ایک خاص مقدار سے زیادہ زمین پر کسی کے قابض ہونے کے خلاف تھا فنا ہو گیا تھا۔ لڑائی میں گرفتار ہو کے جو قیدی آتے سستے داموں بیچ ڈالے جاتے۔ فتحمندیوں نے دولتمندی کی مقدار بھی بڑھا دی تھی۔ لہذا ہر دولتمند کا گھر، اور اس کی زمینداری غلاموں کی ایک تعداد کثیر سے بھری ہوئی تھی۔ زمین کے بونے جوتنے کا کام مطلقاً انھیں غلاموں پر چھوڑ دیا گیا تھا اس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ روم کے آزاد غریب جو مزدوری دے کے زراعت کے کام پر لگائے جاتے بے کار ہو گئے تھے اور فقر و فاقہ میں مبتلا۔ اسی قدر نہیں یہی غلام اپنے آقاؤں کے گھر کی تمام ضرورتیں پوری کر دیتے۔ کپڑے سی کے وہ تیار کر دیتے، فرنیچر وہ بنا دیتے غرض ساری ضرورتیں انھیں سے رفع ہو جاتیں۔ اور روم کے صنّاعوں، دستکاروں اور تمام اہلِ حرفہ کی روزی یک قلم جاتی رہی انھیں غلاموں میں بعض یونانی بھی تھے جن میں دماغی قابلیت تھی اور اپنے آقاؤں سے زیادہ صاحبِ علم تھے وہ اُن کے سکریٹری اور معتمد قرار پاتے۔ چند روز میں آقا سے زیادہ مانوس ہو جاتے، اور اکثر اوقات انھیں غلامی سے آزادی مل جاتی۔ الغرض غربائے روم کے تمام ذرائع آمدنی موقوف ہو گئے تھے۔

بدترین کام جو رومی اپنے غلاموں سے لیتے یہ تھا کہ مالکوں کی دلچسپی اور تفریح کے لئے باہم لڑائے جاتے۔ یہ بدنصیب لڑنے والے غلام جو گرتے ڈی ایٹر (تلوریے) کہلاتے۔ شمشیر زنی کی تعلیم گاہوں میں رکھے جاتے۔ لڑائی کے مرغوں کی طرح خوب تیار کئے جاتے۔ مگر سب اس لئے تھے کہ فضول لڑ مرنے اور جان دینے کا تماشا اپنے آقا اور اُس کے احباب کو دکھائیں۔ اُن کی لڑائی کا دنگل قوس یا نعل کی وضع کا تعمیر کیا جاتا۔ اور ایمفی تھیٹر کے نام سے مشہور ہوتا تھا اس میں گرداگرد نشست گاہوں کی صفیں ہوتیں۔ اُن کے درمیان میں ایک کشادہ میدان رہتا جس پر بالو بچھا دی جاتی بالو پر ان غریب غلاموں کی جوڑیں آ کے لڑتیں اور کٹتی مرتی تھیں۔ کبھی آدمی درندوں سے اور کبھی درندوں سے درندے لڑائے جاتے آدمیوں پر شیر چھوڑے جاتے۔ غرض ہر تماشے میں بیسیوں انسانوں کی جانیں جاتیں اور سنگدل امرائے روم بیٹھ کے اُن کا تماشا دیکھتے۔ غلاموں کی باہمی لڑائی زیادہ لطف کی لڑائی سمجھی جاتی، جب کوئی تلوریہ دوسرے ہاتھ سے زخمی ہو کے گرتا تو غالب حریف جس نے غالباً اُسی صبح کو اپنے زخمی حریف کے ساتھ ایک ہی پیالہ میں بیٹھ کے کھایا پیا ہوتا۔ اُس کے خون میں تلوار رنگنے کے بعد تماشائیوں کی طرف دیکھتا کہ اب کیا حکم ہے، اگر لوگ اپنے انگوٹھے نیچے کی طرف جھکا دیتے تو چند روز کے لئے اس غریب کی جان بچ جاتی۔ اور اگر سب اپنے انگوٹھے اوپر اُٹھا دیتے تو غالب تلوریے کا فرض تھا کہ اسی وقت تلوار کا ایک اور ہاتھ مار کے اُس کا کام تمام کر دے۔ پھر اس کامیابی سے جیتنے اور سرخرو ہونے والے کی خوشی اسی وقت کے لئے تھی۔ کیونکہ اسے بھی اپنی زندگی میں اس کے سوا اور کسی بات کی اُمید نہ تھی کہ طاقت یا قسمت کا جواب دے دینے کے بعد خود بھی کسی حریف سے مغلوب ہو اور اسی طرح مارا جائے۔

یہ تلواریوں کی لڑائی رومیوں میں بڑی ہی دلچسپی کی چیز تھی۔ جب کوئی شخص کانسل کی خدمت پر مامور ہوتا تو اس سے یہ سیر دکھانے کی ضرور فرمائش کی جاتی۔ ہم آج اسکا خیال آنے سے بھی تھرا جاتے ہیں کہ رومیوں کی ہر عید اور اُن کے ہر جشن کے موقع پر اس ظالمانہ تماشہ کی بدولت کتنے ایک آدمی قتل ہو جاتے ہوں گے۔ اس بہیمیت کی سیر و تفریح کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ رومیوں کے دلوں میں قساوت پیدا ہوتی جاتی تھی اور انسانی مصائب کی طرف سے بے پروائی روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔

ان باتوں کے ساتھ رومیوں میں علم کا ذوق بھی اس قدر زیادہ بڑھ گیا تھا کہ اس سے پیشتر کبھی نہیں دیکھا گیا تھا مگر اس کے ساتھ اس کو بھی نہ بھولنا چاہیے کہ ان لوگوں میں علم سے مراد وہ علوم تھے جن سے نہ انسانی مشکلات میں کسی قسم کی کمی ہو سکتی تھی اور نہ اُن سے ہُنرمندی اور صنعت و حرفت کو ترقی ہو سکتی تھی۔ اُن میں کتابیں علم و فضل کی تصنیفیں اور نیز ہر قسم کے اُستاد سب یونان سے آئے تھے۔ لہٰذا ہر بات میں وہ یونانیوں کے نقشِ قدم پر چلتے اور اپنے بچّوں کو فلسفہ اور فصاحت و بلاغت کی تعلیم دیتے اور حصول کمال کے لئے زبان یونانی کی تعلیم لازمی تھی۔ خود رومیوں میں بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا مگر اُن کی تمام تصنیفیں یونانی تصانیف کی ناقص و غیر مکمل نقلیں تھیں۔ چند روز میں یونانیوں کی اتباع کا انہماک اس درجہ کو پہونچا کہ یونانیوں کی دیومالا اور اُن کے دیوتاؤں کی مزخرف کہانیاں پوری پوری رومی لٹریچر میں اخذ کر لی گئیں۔ جنھیں سُن کے بعض رومی تو اُن کے معتقد و معترف ہو جاتے اور بعض ہنس پڑتے۔ اوج و عروج اور دولت مندی کا ایک کرشمہ یہ بھی تھا کہ دنیا گرمجوشی بڑی سرعت کے ساتھ کم ہوتی جاتی تھی اور مابعد الموت کی طرف سے غافل

ہوتے جاتے تھے۔ اُن میں کا غالب گروہ اَپی کیورین فلسفہ کا دلدادہ تھا۔ جس کا منشا ریہ تھا کہ انسان سے جہاں تک بن پڑے بس اپنے عیش و آرام کا سامان فراہم کرنا چاہیئے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ تمام اعلیٰ اور بہترین اخلاقی اصول جو افعالِ انسانی کے اغراض و مقاصد بتائے جاتے ہیں، اُن میں مردہ ہوتے جاتے تھے۔

غرض جو جو دولت بڑھتی تھی اُن میں عیش پرستی اور تمکنت بھی بڑھتی جاتی تھی ہر دولت مند رومی کا ایک گھر شہر میں ہوتا اور ایک یا متعدد بنگلہ اس کی دیہات کی زمینداری میں ہوتے اور جہاں تک بنتا اس قسم کے دونوں مکان نہایت ہی لفاست و دولتمندی کی شان اور بڑے تکلّف سے آراستہ کئے جاتے۔ صحن میں چوکور اینٹوں کا فرش ہوتا جن میں بڑی خوب صورتی و نزاکت سے پچیکاری کا کام بنایا جاتا۔ باغ بڑی توجہ و سرگرمی سے اور بہت سا روپیہ صرف کر کے تیار کئے جاتے اُن میں جا بجا مورتیں نصب کی جاتیں، درختوں کی وضع سے عمدہ عمدہ خوبصورتیاں پیدا کی جاتیں۔ جا بجا خوشنما حوض قائم ہوتے اور اُن میں مچھلیاں چھوڑی جاتیں۔ مچھلیوں کا اُنھیں بہت ہی شوق تھا۔ اور اس کا شغف اس قدر بڑھ گیا تھا کہ رومۃ الکبریٰ کی سینٹ (مجلس حکومت) کے کسی رکن کو ایک بار مجمع عام میں یہ الزام دیا گیا تھا کہ اپنی ایک چاہیتی مچھلی کے مر جانے پر اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔ یہ الزام سُن کے اس ممبر سینٹ نے کہا: "ہاں میں ایسا ہی رقیق القلب ہوں۔ یہ صاحب جو مجھے الزام دے رہے ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ ایک چھوڑ تین تین بی بیاں مر گئیں۔ مگر ان کی آنکھیں نم نہ ہوئیں۔ ایسا مضبوط دل کوئی کہاں سے لا سکتا ہے؟" وہ پلنگ جن پر کھانے کے بعد رومی آ کے لیٹا کرتے تھے۔ اُن پر نرم و نازک گدّے بچھے ہوتے۔ اور اس ترتیب سے بچھائے جاتے کہ اُن پر برابر

برابر تین آدمی لیٹ سکیں۔ اُن کی دعوتیں نہایت شانداری کی ہوتیں۔ اعلیٰ درجے کے قیمتی گوشت، نفیس و لذیذ ترکاریاں۔ قسم قسم کی مچھلیاں بڑے بڑے اہتمام کے ساتھ دور دور سے لائی جاتیں۔ ایک خاص قسم کے چوہے، نفیس غذائیں کھلا کھلا کے خاص طور پر برسوں میں تیار کیے جاتے، اور اس کے بعد بڑے اہتمام سے پکائے جاتے۔ اُن کے دسترخوان نہایت ہی اعلیٰ ترین دولتمندی، تکلّف اور نفاست مزاجی کے نمونے ہوتے۔

جو لوگ پُرانی جفاکشی کی معاشرت کو پسند کرتے تھے اس نئے اسلوب زندگی اور ان تکلّفات کو بُرا سمجھتے اور جہاں تک بنتا احکام اور قوانین کے ذریعہ سے لوگوں اور ایسی فضول خرچیوں سے روکتے۔ کبھی حکم جاری ہوتا کہ ایک معیّنہ شمار سے زیادہ تعداد مہمانوں کی نہ ہوا کرے۔ کبھی یہ فرمان نافذ ہوتا کہ کسی دسترخوان پر تین قسم کے گوشتوں کے علاوہ چوتھی قسم کا گوشت نہ ہونے پائے اور کبھی اس بات کی تاکید کی جاتی کہ ایک بوڑھی اور دُبلی مرغی کے سوا کسی اور طائر کا گوشت دسترخوان پر نہ آنے پائے مگر یہ سب قابل مضحکہ احکام تھے جو فقط نام کے لئے جاری ہو جاتے، کبھی اُن پر عمل درآمد نہ ہونے پاتا۔ جب دعوتوں کا موقع آتا تو یہ سب احکام رکھے جاتے اور ہر قسم کے مسرفانہ تکلّفات اور شانداری و شوکت میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھی جاتی۔

کھانے کی طرح لباس میں بھی تبدیلی ہوتی جاتی تھی۔ طوغہ کے رنگ طرح طرح کے ہو گئے تھے اور آخر میں طوغہ بھی چھوٹ گیا۔ دوسری قسم کے لباس جو زیادہ موزوں و خوشنما نظر آتے اختیار کر لئے گئے اور طوغہ فقط اُس وقت کے لئے باقی رہ گیا۔ جب کہ اہلِ شہر کو کبھی درباری لباس میں آنا پڑتا۔ ایک مرتبہ ممانعت ہو گئی تھی کہ خاتونانِ روم نہ رتھوں پر سوار ہوں اور نہ طلائی دار ارغوانی رنگ کے کپڑے پہنیں۔ مگر عورتوں نے اس قانون کی ذرا بھی سماعت نہ کی اور اس کے منسوخ

کرانے کے لئے بڑا شور و ہنگامہ مچایا۔ مرقس پورقیوس کاٹو نے جو نسر یعنی مجسٹریٹ تھا اور ایک سادہ مزاج بوڑھا رومی افسر تھا جہاں تک بنا عورتوں کی شورش کا مقابلہ کیا۔ اس کا قول تھا کہ اگر یہ قانون منسوخ ہو گیا تو غریب گھرانوں کی عورتوں میں شوق پیدا ہوگا کہ دولت مند بیگموں کی پیروی کریں اور اُنھیں کی سی وضع اختیار کریں۔ یہ ایسا شوق ہے جو انھیں مفلس و مفلوک الحال بنا کے تباہ و برباد کر دے گا۔ اور آخر میں وہ اپنے کیے پر نادم ہوں گی۔ اسی سلسلہ میں اس نے یہ بڑی نازک و لطیف بات کہی تھی، جہاں کسی عورت کو کسی ایسے کام کے کرنے پر شرم آئی جو اس کے کرنے کا ہے تو اُس کے اُن کاموں کے کرنے پر جو نہیں کرنے کا ہے اس کا نادم ہونا موقوف ہو جائے گا۔" لیکن ان مجسٹریٹ صاحب کا کچھ زور نہ چلا اور وہی ہوا جو عورتیں چاہتی تھیں۔ قانون مذکور منسوخ ہو گیا۔ اور چند ہی روز میں وہ سونے کے مرصّع زیور، جواہرات اور بھاری کپڑوں سے لدی پھندی نظر آنے لگیں۔

مگر اتنا غنیمت تھا کہ ابھی تک رومی فوج کی شان اور اس کی جاں بازی و فتحمندی میں فرق نہیں آنے پایا تھا۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ اب وہ پہلے سے زیادہ باضابطہ تھی اور اس کے سپاہی اور افسر اعلیٰ ترین اُصول جنگ کے مطابق لڑا کرتے جہاں وہ اپنا مورچہ قائم کرتے، گرد ایک فصیل بنا لیتے اور لشکر گاہ کے گرد ایک گہری خندق کھود لیا کرتے جو ہمیشہ مربّع وضع کی ہوتی اور اس کے چاروں ضلع برابر ہوتے اس کے چار پھاٹک ہوتے جو اکثر ایسے مضبوط بنائے جاتے کہ رومیوں کے بنائے ہوئے ایسے بعض بعض پھاٹک آج تک موجود ہیں۔ رومی لشکر کی قاعدگی اس قدر مکمل تھی کہ رومی لشکر گاہ پر کسی حریف کا اچانک آ پڑنا غیر ممکن تھا لڑائی میں ہر رومی سپاہی کو بغیر اس کے کہ کوئی بتائے اپنے خدمات اور اپنے فرائض بخوبی معلوم ہوتے

ایسی تکمیل کے ساتھ کہ کبھی اتفاقی طور پر بھی کسی رومی سپاہی سے اپنے فرائض جنگی بجالانے میں غلطی یا فروگذاشت نہ ہوتی۔ جاڑوں کا موسم عموماً اپنی حفاظت کے سامان پیدا کرنے اور اپنے مورچوں اور قلعوں کو زیادہ مضبوط کرنے میں یا سڑکوں کے بنانے میں صرف کیا جاتا۔ تاکہ رومتہ الکبریٰ اور اس کے تمام صوبجات کے لشکر گاہوں اور پڑاؤ کے مقاموں میں آمد و رفت کا سلسلہ بہ آسانی قائم رہے انکی بنائی ہوئی سڑکیں اس قدر مضبوط تھیں کہ بہت سی آجتک موجود ہیں۔ سپاہیوں کو اپنی خدمات بجالانے کا صلہ و انعام اکثر اس طریقہ سے دیا جاتا کہ مفتوح ممالک میں سکونت اختیار کرنے اور بسنے کی اجازت دی جاتی۔ اور پھر رومتہ الکبریٰ میں شہری ہونے کے حقوق بھی انھیں حاصل ہوتے جو قدیم دولت روم کے عہد میں ایک نعمت عظمیٰ کی حیثیت رکھتے تھے۔ لہذا رومیوں کی جو نو آبادیاں دیگر مقامات میں قائم ہوئی تھیں وہ صوبجات روم کے دیگر بلاد کے مقابل زیادہ ممتاز تصور کی جاتیں اور اُن میں رہنے والے رومیوں کے حقوق بھی سب سے زیادہ اور بہت بڑھے چڑھے ہوتے۔

رومیوں کی یہ تبدیلیاں جن کا اوپر ذکر ہوا تدریجاً دولت روم کو اس عہد کی طرف بڑھالاتی تھیں جس کی تاریخ ہم اب شروع کرنے والے ہیں۔ اور چونکہ ہر واقعہ کی ابتدا کو جداگانہ اور ممتاز کر کے بتانا دشوار ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اُن سب کی ایک تمہید کی حیثیت سے ایک ساتھ بیان کر دیا جائے تاکہ جو واقعات بعد کی فصلوں میں بیان ہوں گے سب اُن کے نتائج تصور کئے جائیں اور واقعات مابعد کی توضیح ہوتی رہے۔

فصل دوم

اہلِ مقدونیہ سے لڑائی (۸۶ سنہ قبل محمدؐ سے ۸۱ سنہ قبل محمدؐ تک)

قرطاجنہ کی لڑائی کے ختم ہونے سے پہلے ہی رومیوں نے اپنی وضع اور اپنی پالیسی اہلِ یونان پر ظاہر کردی تھی۔ کیونکہ آے لی ریہ والوں کی بحری تاخت و تاراج اور ڈاکہ زنیوں کا انھوں نے خاتمہ کر دیا تھا۔ آے لی ریہ والوں کا ملک بحر ایڈریاٹک کے مشرقی کنارے پر یونانیوں کا پہلا مقبوضہ مقام تھا۔ علیٰ ہذالقیاس رومیوں نے ایٹولیہ والوں سے اتحاد پیدا کر لیا تھا۔ اور اُن کی مدد سے یہ فائدہ اُٹھایا کہ ہنی بال کی مدد پر جب فلپ شاہ مقدونیہ آنے کو تھا اے طولیہ والے گھر ہی میں اس کے مقابلہ کو اُٹھ کھڑے ہوے اور اسے کسی طرح گھر چھوڑتے نہیں بنی۔ اس کے بعد ایطالیہ والوں پر جب فلپ کا زیادہ دباؤ پڑا تو انھوں نے رومیوں سے مدد مانگی جن کے کہنے سے لڑنے کو تیار ہو گئے۔ مگر رومیوں نے انھیں مدد دینے سے انکار کیا۔ لیکن چند ہی روز بعد ۶۷ سنہ قبل محمدؐ میں رومی سپہ سالار طے طوس کوئن ٹیس فلامے نیوس نے مقام سنوسی خالہ کی چٹانوں پر فلپ کو فاش شکست دی اور مجبور کر دیا کہ رومی جن شرائط کو پیش کریں اُنھیں فلپ قبول کرے۔ رومیوں کی شرطوں میں اہم شرط یہ تھی کہ فلپ تمام یونانی شہروں پر سے عام ازیں کہ وہ یورپ میں ہوں یا ایشیا میں اپنا قبضہ اُٹھا لے۔ گویا رومیوں نے اہلِ یونان کو مقدونیہ والوں کی غلامی سے آزادی دلا دی۔ چنانچہ خود فلامے نیوس نے یونانی شہر کارنتھ میں جا کے عین اُس وقت جبکہ اس تھمی کھیلوں کی شرکت کے لئے یونانیوں کی ایک جماعت عظیم جمع تھی اس بات کا اعلان کر دیا کہ دولتِ روم نے یونان کو آزادی دلادی۔

یہ مژدہ سُن کے یونانی بے انتہا خوش ہوئے اور اس جوش و خروش سے بے تحاشا خوشی کے نعرے مارنے لگے کہ کہتے ہیں کہ بہت سے طیور جو اوپر ہوا میں اُڑ رہے تھے اس شور کے تھپیڑے کھا کھا کے زمین پر گر پڑے اور فلامے نیوس چونکہ اُن کی آزادی دلانے والا تھا، اُس کی جس قدر تعظیم و تکریم اور آؤ بھگت کی جاتی تھی وہ اس کے احسان سے کم سمجھی جاتی تھی، لیکن بہت ہی جلد کھل گیا کہ اس موعودہ آزادی کے معنی صرف یہ تھے کہ بجائے مقدونیہ کے بادشاہ کے انھیں رومیوں نے اپنا غلام بنا لیا ہے۔ ع چو دیدم عاقبت خود گرگ بودی" یونانیوں نے کسی قسم کی آزادی ظاہر کرنے کی ذرا بھی کوشش کی اور ان کے نئے مالکوں نے سخت مزاحمت سے پیش آ کے بتا دیا کہ ہم نے جو تمھیں آزادی دلائی ہے اُس کے کیا معنی ہیں۔

ایشیا کے جن شہروں پر فلپ کا قبضہ تھا اُن سے اُس کے دست بردار ہوتے ہی رومیوں کو موقع مل گیا کہ اُن مقامات کے معاملوں میں دخل دیں۔ علیٰ ہذا القیاس رومیوں کے دو اور نئے دوست تھے جن کے باہمی جھگڑوں میں رومیوں نے یہ پالیسی اختیار کی کہ ملک شام کے فرمانروا کے خلاف نوعمر نا تجربہ کار بادشاہ مصر بطلیوس اور یوسلینس شاہ پرگاموس کی تائید کریں۔ شام کے بادشاہ انطوگوس اعظم کو بھی اس بات کا خیال نہ آیا کہ جہاں تک بنے رومیوں سے لڑائی کو ٹالے اور اس کا سبب یہ تھا کہ اس کے دربار میں ہنی بال موجود تھا۔ جسے رومیوں سے دلی عناد تھا اور ہمیشہ ان کی دشمنی پر تُلا رہتا تھا۔ وہ انطوگوس کو پہلے ہی سے اُبھار رہا تھا کہ خود جا کے یونان پر چڑھائی کر دیجئے۔ اور ایک دوسرا لشکر مجھے دیجئے کہ میں دوبارہ جا کے خاص ایطالیہ پر حملہ کروں اور رومیوں کو اُن کی دست درازیوں پر سزا دوں۔

ہنی بال کے اس مشورہ پر انطیوگوس پہلے تو خوش ہوا۔ اور یونان کے علاقہ آے طولیا پر چڑھائی بھی کردی، مگر ہنی بال کو لشکر دے کر آیطولیا پر روانہ کرنے کے بجائے اُسے اس اولوالعزمی کے سفر سے روک دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ دل میں وہ ہنی بال کی ناموری و شجاعت پر حسد کرتا تھا اور یہ نہ چاہتا تھا کہ فتحمندی کا سہرا ہنی بال کے سر رہے۔ خود وہ لشکر لے کے جو یونان کی طرف چلا تو جزیرہ یوبوا میں پہونچ کے ٹھہر گیا۔ اور ایسا عیش پرستی اور رنگ رلیوں میں پڑا کہ لڑائی کی تیاری کا زمانہ نفس پروری میں صرف کر دیا یہاں تک کہ ناگہاں خبر آئی کہ رومی لشکر قریب آپہونچا۔ یہ سُن کے انطیوگوس ایشیائے کوچک میں واپس آیا۔

رومی لشکر کا سپہ سالار اس مُہم میں اِس کی پیو تھا۔ اور اس کا بھائی افریقانوس اعظم اسکے نائب کی حیثیت سے ساتھ آیا تھا۔ کوہ سپی لوس کے قریب دونوں لشکروں میں ایک بڑا بھاری میدان کارزار گرم ہوا جس میں انطیوگوس کو کلیۃً شکست ہوگئی۔ اور ہنی بال کی بتائی ہوئی تدبیریں خاک میں مل گئیں۔ اس عہد کے نامدار ترین اور اعظم ترین سپہ سالاروں افریقانوس اور ہنی بال میں سے ایک بھی اتفاقاً اس میدان میں موجود نہ تھا۔ افریقانوس تو بیماری اور ناسازیٔ طبع کی وجہ سے عرصہ گیر و دار میں شریک نہ ہو سکا اور ہنی بال شہر پام فیلیہ میں محصور ہو گیا تھا۔ لیکن لوگوں کا بیان ہے کہ اس زمانہ کے قریب ہی اُن دونوں سپہ سالاروں میں دوستی ہوگئی اور اس کی پیو نے ایک دن اثنائے گفتگو میں ہنی بال سے پوچھا "تمھارے نزدیک دُنیا میں سب سے بڑا سپہ سالار کون ہے؟" ہنی بال نے کہا "سکندر" پوچھا "اس کے بعد؟" جواب دیا "پرہوس" سوال کیا "اچھا پھر اُس کے بعد؟" بولا "میں" اس کی پیو نے پوچھا "اچھا اگر میرے مقابلہ میں تم کو فتح حاصل ہو جاتی تو کیا کہتے؟" اس کے جواب میں قرطاجنہ کے بوڑھے سپہ سالار نے

کہا "تو سکندر کے بعد دوسرا سپہ سالار میں اپنے آپ ہی کو قرار دیتا۔"

لڑائی کے بعد پھر جب صلح ہوئی تو رومیوں نے انطیوگوس کے ساتھ یہ شرط کی اور اس پر بہت اصرار کیا کہ وہ ہنی بال کو اپنے دربار سے نکال دے۔ اس کی بیوی نے ایک بہادر اور شریف دشمن کے ساتھ ایسے بے رحمی کے سلوک کو نہیں پسند کیا اور سخت مخالفت کی، لیکن اس کی کچھ نہ چلی اور ہنی بال کو مجبور ہونا پڑا کہ اپنی زندگی کے آخری بڑھاپے کے دن بتھنیہ میں جا کے بسر کرے۔ اور وہاں کے بادشاہ پروسیاس کی حمایت میں پناہ لے۔ جب رومیوں کو اس کی خبر ہوئی تو اسکے تعاقب میں وہاں بھی پہونچے اور شاہ پروسیاس سے بھی تقاضا شروع کیا کہ ہنی بال کو اپنی قلمرو سے نکالدے، رومیوں کی یہ حالت دیکھ کے آخر کار ہنی بال نے دل شکستگی اور ہر طرف سے ستائے جانے کے باعث یہ جملہ کہا کہ "میں خود ہی رومیوں کو ایک بوڈھے شخص کی دہشت سے آزادی دلادوں گا۔" اور جام زہر پی کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

لوقیوس آس کی بیوی کو اب ایشیاطیقوس کا خطاب دیا گیا۔ لیکن اس کے روم پہونچنے کے ایک سال بعد مارقیوس پورقیوس کاٹو نے اسے اپنے سامنے طلب کیا کہ ہم شام اور وہاں اپنے زمانہ حکمرانی کا حساب پیش کرے۔ آفریقانوس کو اپنے بھائی کے ساتھ ایسا سلوک ہونے اور اس کے خلاف اس قسم کا الزام قائم کئے جانے سے سخت صدمہ ہوا اور زبردستی اُسے عدالت کے قبضہ سے نکال لے گیا۔ اس پر برہم ہو کے کاٹو نے یہ کارروائی شروع کی کہ خود افریقانوس سے قرطاجنہ کے مال غنیمت کا حساب طلب کیا۔ آفریقانوس کا چال چلن ہمیشہ دیانتداری اور نہایت ہی راست بازی کا رہا تھا۔ جب اُس پر الزام عائد کیا گیا تو اس نے جواب دہی میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ مگر پیشی کے دوسرے دن عین اُس

وقت جبکہ لوگ اپنی اپنی کرسیوں پر آ کے بیٹھ چکے اور اجلاس کرنا شروع کیا، چلّا کے کہا " آج کا دن میری فتح زاما کا دن ہے جس دن ہر سال خوشی کی عید منائی جاتی ہے یہاں بیٹھ کے گپیں اُڑانے سے کیا حاصل؟ چلیے دیوتاؤں کا شکریہ ادا کریں "

اس تقریب کے یاد آتے ہی سینٹ نے اپنا اجلاس ملتوی کر دیا اور آس کی پیرو سب لوگوں کے کیپیٹل (قلعہ) میں گیا۔ وہاں قربانی کی رسم ادا کی۔ اور سیدھا شہر سے نکلا چلا گیا اور کسی کو اتنی جرات نہ ہوئی کہ اُسے روکے، شہر سے نکل کے وہ براہِ راست زمینداری میں گیا جو لی ٹرنوم میں تھی اور وہیں اپنی ماندہ زندگی صرف کر دی اور مرتے وقت وصیت کر دی کہ میں یہیں دفن بھی کیا جاؤں، تاکہ میرے ناشکر گزار ہم وطنوں کو میری ہڈیاں بھی نصیب نہ ہو سکیں۔

۱۸۳ سنہ قبل محمدؐ میں وہ پیوند زمین ہوا۔ اسی سال ہنی بال نے بھی اپنی زندگی ختم کی تھی اور اسی سال ایچیا والوں کے بہادر سپہ سالار فی لوپے مون کی زندگی کا چراغ بھی گُل ہوا جو یونانی عظمت و شان کی آخری یادگار کہلاتا تھا۔ اُس غریب کو مسّی نیا والوں نے گرفتار کر لیا تھا اور نہایت ہی شرمناک طریقے سے بے چارے کی جان لی۔

فصل سوم

یہود پر جور و ستم (۲۳۸ سنہ قبل محمدؐ سے ۶۶۸ سنہ قبل محمدؐ تک)

کتاب عہد قدیم یعنی توراۃ کی کتاب دانیال میں انطیوکوس اعظم کی لڑائیوں کے بارے میں پیشین گوئی کی گئی ہے۔ اُس کے زمانے میں بنی اسرائیل کو بڑے بڑے مظالم برداشت کرنا پڑے۔ اس لیے کہ ان دنوں فرماں روائے شام انطیوکوس اور تاجدار مصر بطلیموس کے فی مابین جو لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں اُن کا میدان جنگ

ارض یہود ا بنی ہوئی تھی انطیوگوس نے ملک فارس پر چڑہائی کی اور ایران کے شہر انی مائش کے معبد کو لوٹ رہا تھا کہ ۵۷ شہ قبل محمدؐ میں اس کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا اور اس کا بیٹا سلوقوس تخت پر بیٹھا۔ یہ سلوقوس کتاب دانیال میں "محصول بڑہانے والے" کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ اس نے اپنی زبردستی کی ہوس میں ہلیوڈ ورس نام اپنے ایک سردار کو روانہ کیا کہ بیت المقدس میں حرم ربانی یعنی ہیکل سلیمانی کے خزانے میں جو کچھ ملے اٹھا لے جائے۔ یہودا کے مقتدائے اعظم آونیاس کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اپنی قوم کے لوگوں کو جمع کیا اور نہایت ہی حضور قلب اور خضوع و خشوع سے دعا مانگی۔ اور خدا کی مدد و حمایت کا خواستگار ہوا۔ اگلے زمانے کی اکثر دعاؤں کی طرح یہ دعا بھی قبول ہوئی اور ہلیوڈورس نے جیسے ہی ارادہ کیا کہ مقدس و محترم خزانہ کے مکان میں قدم رکھے ناگہاں ایک نہایت ہی خوبصورت شان و شوکت اور رعب و دبدبے کا سوار زرق، برق اسلحہ لگائے اور اپنی ہی سی عظمت و جبروت کے دو اور سواروں کو اپنے ہمراہ لیے ہوئے نمودار ہوا۔ اور ہلیوڈورس کو ڈھکیل کے نیچے گرا دیا اور اتنے کوڑے مارے کہ نہ اُس کے ہوش و حواس بجا رہے۔ اور نہ اُس میں بات کرنے کی طاقت رہی۔ ہلیوڈورس کے ہمراہیوں نے گھبرا کے آونیاس کے سامنے التجا کی کہ خدا کے لئے ہمارے سردار کو بچائیے۔ اونیاس نے ترس کھا کے اس کے بچنے کی دعا کی۔ اور وہی فرشتہ نما صورتیں پھر نمودار ہوئیں۔ اور ہلیوڈورس سے کہا کہ "اس مقدس مقتدا کی سفارش و شفاعت سے تمھاری جان بخشی کی جاتی ہے لو جاؤ اور خدا کے ان نمایاں کاموں کی دنیا میں اشاعت کرو۔" اس طریقہ سے خدا کے ان منتخب و برگزیدہ لوگوں کو پھر ایک بار یقین دلایا گیا کہ خدا کا فرشتہ اُن کی حفاظت و حمایت کے لئے اُن کے حرم کے آس پاس موجود رہا کرتا ہے۔ جس کے

غصہ سے اُنھیں ہمیشہ خائف رہنا چاہیئے۔"

ہلیوڈورس نے یہاں سے جا کے اپنے مالک سلیوقس کو زہر دے دیا۔ اور انطیوگوس اعظم کے دوسرے بیٹے انطیوگوس آپے فانس نے تخت و تاج پر غصباً قبضہ کر لیا۔ اس نئے تاجدار شام کی شریر النفسی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ اور بے انتہا ظالم تھا۔ اُس کے ساتھ اس کی لغویت اور بے عقلی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ سلطنت کے تمام ارکان اور ساری رعایا کو اُس سے نفرت ہو گئی۔ اس کی یہ حالت تھی کہ شراب کے نشہ میں بدمست و مدہوش سفید کپڑے پہنے ہوئے انطاکیہ کی سڑکوں پر مارا مارا پھرتا اور راہ گیروں کو پتھر کھینچ کھینچ کے مارنا۔ میلوں اور مذہبی عیدوں میں خود اپنے دیوتاؤں کی پرستش کا اُس نے کچھ ایسا طریقہ اختیار کیا تھا کہ لوگوں کو اُس کی عبادت گذاری میں بجائے پرستش کرنے کے معبودوں کا مضحکہ اُڑانے کی شان نظر آتی اور مذہب کی اس توہین و تضحیک کے ساتھ ساری رعایا کو جبریہ تاکید تھی کہ دیوتاؤں کی پوجا میں کوئی کوتاہی نہ کریں چاہے اس مذہب کے پیرو ہوں یا نہ ہوں۔ یہود میں جب اُس کے یہ احکام پہونچے تو آونیاس کے بے دین بھائیوں نے اُسے مسند اقتدا سے نکال دیا اور خود مقتدائے قوم بن گئے۔ حالانکہ اونیاس نیک نفس و پاک باطن اور اچھا مقتدا تھا اور وہ بے دین تھے۔ چنانچہ مقتدائی کی مسند پر قبضہ پاتے ہی انھوں نے بادشاہ کی تجویزوں کی حمایت شروع کی اور یروشلم (بیت المقدس) کی آبادی کے اندر یونانیوں کی بُت پرستی کے لئے ایک رقبہ کھینچا۔ اور لوگوں کو اجازت دی کہ مشت زنی وغیرہ کی ورزشیں اور اس قسم کی اور کثرتیں جاری کریں۔ اُن کا تماشا جوش و خروش سے دیکھیں اور ان کے لئے بیت المقدس کی عبادت چھوڑ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اس کے بعد ہی یہ حکم جاری ہوا کہ ہیکل سلیمانی جو انبیائے موحدین کی یادگار اور توحید کا پُرانا سرچشمہ تھا۔ جیوپیٹر دیوتا کے نام پر نذر کر دیا جائے۔ خود انطیوگوس یروشلم میں آ کے خاص حرم کے اندر گھس پڑا۔ مقدس قربان گاہ پر سوروں کا گوشت چڑھایا۔ جس سے زیادہ ناپاک چیز کوئی یہودہ کے نزدیک نہ ہو سکتی تھی۔ اور ساری عمارت کے در و دیوار پر سور کے گوشت کا شوربا چھڑک چھڑک کے ناپاک کئے گئے۔ اور یہودیوں میں سے جس کسی نے سور کا گوشت کھانے یا جیوپیٹر کے نام پر بھینٹ چڑھانے یا بچوس دیوتا کی نذر کے لئے ایک خاص بوٹی کو جو "ایوی" کہلاتی تھی جلوس اور دھوم دھام کے ساتھ لے جانے سے انکار کیا۔ سخت بے رحمی اور ظالمانہ سختیوں کے ساتھ قتل کیا گیا۔ دو یہودیہ عورتوں کو جنھوں نے اپنے بچوں کا ختنہ کر دیا تھا یہ سزا دی گئی کہ اُن کے بچے اُن کے گلے میں باندھ کے لٹکائے گئے اور ان بچوں سمیت شہر پناہ کی بلندی سے نیچے پٹک کے مار ڈالی گئیں۔ محترم مفتی یہود آلینرر اور ایک ماں اور اس کے سات بیٹے اسی وقت کے مشہور ترین شہیدوں میں تھے۔ مگر بہت سے یہودیوں نے اطاعت قبول کر لی۔ خاص حرم الحرام کے اندر جیوپیٹر دیوتا کی ایک قربان گاہ تعمیر کی گئی اور اس سے پہلے کبھی کسی زمانہ میں سچی عبادت الٰہی ایسی خطرناک حالت میں نظر نہ آئی تھی جیسی کہ اِن دنوں نظر آ رہی تھی۔ کیوں کہ خانۂ خدا ناپاک کیا گیا۔ اور مقتدایانِ دین اور عام اسرائیلی لوگوں نے یکساں طور پر خواہ بہ جبر و اکراہ یا بہ رضا و رغبت بے دینی اختیار کر لی۔"

آخر کار ارض یہودا کے ایک چھوٹے شہر میں جس کا نام "سودن" تھا یکایک انتقام اور جوش مخالفت کی آواز بلند ہوئی۔ انطیوگوس کا ایک افسر دیوتاؤں کے سامنے نذریں چڑھانے کے لئے لوگوں کو جمع کر رہا تھا کہ کونسل ہارون کے ایک اسرائیلی کو جو "متھاتھیاس" کے نام سے مشہور تھا غصہ آ گیا۔ وہ بڑی جواں مردی کے ساتھ

بگڑ کھڑا ہوا۔ طیش میں آ کے ایک یہودی کو جو جیوپٹر کی قربان گاہ پر نذر چڑھا رہا تھا قتل کر ڈالا اور اس کے بعد اپنے بیٹوں اور چند یہودیوں کو لے کے مخالفت پر آمادہ ہو گیا اور اس کے سچے جوش نے کچھ ایسا کمال دکھایا کہ بہت سے اسرائیلی جمع ہو گئے۔ یونانیوں کو شکست دی اور وہ جہاں ملے قتل کئے گئے۔

یہ لوگ بہت سے یونانیوں اور بت پرستوں کو قتل کر کے اپنے خاندان والوں کو لے کے پہاڑوں پر بھاگ گئے۔ جہاں اور بہت سے دیندار یہودی اُن سے آملے اور زور و شور کے ساتھ دُشمنوں پر جہاد شروع کر دیا۔ خود متھاتھیاس زیادہ زمانہ تک زندہ نہیں رہا اور مرتے وقت اُس نے اپنے دینی مجاہدوں کی سرداری اپنے تیسرے بیٹے یہودا کو دی جو اپنی شجاعت کی وجہ سے مکابیوس یعنی ہتھوڑے والا کہلاتا۔ یہ یہودا ان لوگوں میں تھا جنھیں خدا کی مدد پر پورا بھروسہ تھا۔ اور اُس کی اُمید کے مطابق خدا نے اُس کی مدد بھی کی۔ چنانچہ بہت تھوڑی جماعت سے اُس نے تین دفعہ یونانیوں کے پورے لشکر کو شکستیں دے دیں اور ساری ارضِ یہودا کو اُن کے قبضہ سے نکال لیا۔ اب متواتر فتحیں حاصل کر کے اس نے بیت المقدس کی راہ لی۔ ادب و تعظیم سے شہر کے اندر داخل ہوا اور پورے تین سال بعد عین اُسی تاریخ جس دن کہ حرم ربانی جیوپٹر دیوتا کی نذر کیا گیا تھا وہ شرک کی نجاست سے پاک کیا گیا اور پھر توحید کی آواز بلند ہوئی لیکن صیہوں کی پہاڑیوں پر بے دین یہودیوں کی ایک جماعت قبضہ کئے ہوئے تھی۔ جنھوں نے اپنے موحد و خداپرست ہم وطنوں کو بہت ستایا۔

انطیوکوس اپی فانس نے ایران پر ایک چڑھائی کی تھی وہیں اسے یہودیوں کے غلبہ اور اپنے افسروں کی ناکامیوں کی خبر پہونچی۔ طیش میں آ کے نہایت ہی گھبراہٹ کے ساتھ وہ یہود کو سزا دینے کے لئے روانہ ہوا۔ مگر راستہ ہی میں تھا کہ ناگہاں

ایک ایسے تکلیف و مصیبت کے مرض میں مبتلا ہو گیا کہ کسی حال میں چین نہ آتا تھا
اس کے ساتھ اُس کے دل پر اپنے مظالم مقدس چیزوں کی بے حُرمتی اور سچے
موحدوں کی آزاررسانی کی روحانی تکلیف اس مرض کی تکلیف سے کچھ کم نہ تھی۔ بہرحال
جناب سرورکائنات سے ۷۳۴ء برس پہلے وہ مرگیا اور اس کا بیٹا انطیوکس یوپا
تور اُس کا جانشین ہوا۔ مکابیوس اور اس کے ہمراہیوں کے مقابلہ پر اُس نے
بھی لڑائی جاری رکھی اسی اثنا میں انطیوکوس کے چچازاد بھائی امیطریوس نے اسے
تخت سے اُتار دیا اور اُس کے ساتھ ہی یہود نے رومیوں سے دوستی و صُلح کی
درخواست کی۔ لیکن قبل اس کے کہ ان کے سفیر رومیوں کے پاس واپس آئیں
اِن دین دار یہودیوں اور اُن بے دین اسرائیلیوں سے جو رومیوں کے اثر سے
بُت پرست ہو گئے تھے ایک سخت لڑائی ہوئی جس میں دین داروں کو بڑی بھاری
شکست ہوئی۔ مگر یہودا کے بھائی جو نے ستھن کے جھنڈے کے نیچے دیندار
یہودیوں نے پھر جمع ہو کے بڑی بڑی بہادریاں دکھائیں۔ اور روز بروز اپنے
ہم قوم دُشمنوں سے زیادہ حقوق حاصل کرتے رہے یہاں تک کہ ۱۷۴ء قبل
محمدؐ میں اُنھوں نے ایک نئی سند حکمرانی و فرمان روائی حکومت شام اور دولت
روم دونوں سے حاصل کرلی اور تسلیم کرلیا گیا کہ وہ آزاد اور خود مختار ہیں۔

مگر ان خدا پرست یہودیوں میں بھی لوگوں کے دلوں پر خود غرضیاں طاری
تھیں۔ جو نے تھن کو اُس کے بھائی شمعون نے دغابازی کی راہ سے مار ڈالا اور
قومی حکومت اپنے ہاتھ میں لے کے یہودیوں کا فرماں روا بھی بن گیا اور مقتدائے
اعظم بھی قرار پایا۔ شمعون کے بعد اس کا بیٹا یہودیوں کا حکمران و مقتدا ہوا اور اسکے
بیٹے ارسطوبولوس کو کچھ ایسی عزت و عظمت حاصل ہو گئی کہ اُس نے بادشاہی کا
لقب بھی اختیار کرلیا۔

ان میں سے پہلے مقتدائے یہود کے بیٹے اونیاس کو انطیوکس آیے پی فانس نے جلاوطن کر دیا تھا۔ وہ بیت المقدس سے نکل کے مصر میں گیا اور وہاں یہود کی کی ایک بڑی نوآبادی قائم کرلی۔ اور اپنا ایک معبد بھی تعمیر کرلیا جو اس سے پیشتر کسی زمانہ میں آئی سس دیوتا کا مندر قرار دیا گیا تھا۔ اس طریقہ سے اشعیا پیغمبر کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی کہ "مصر کے پانچ شہر کنعانی زبان بولیں گے"

فصل چہارم

یونان کا کلیتہً مفتوح ہو جانا (سنہ ۱۶۷ قبل محمدؐ سے سنہ ۱۴۶ قبل محمدؐ تک)

اسی نوسفالہ کی شکست کے بعد سے مقدونیہ کا بادشاہ فلپ دولت روم کا مطیع و منقاد رہا لیکن دل ہی دل میں اُسے رومیوں سے سخت نفرت تھی اور ان کی جانب سے اس کے سینہ میں بُغض و عناد کے سوا کچھ نہ تھا اُس کے ان دلی جذبات و خیالات کا وارث اس کا بیٹا پرسیوس ہوا۔ اُس نے سنہ ۱۷۵ قبل محمدؐ میں مقدونیہ کے تخت پر قدم رکھا اور تخت نشین ہوتے ہی آزادی حاصل کرنے کی ایک آخری کوشش کی چنانچہ مقدونیہ اور روم میں لڑائی چھڑ گئی۔ جس نے یونانیوں کی بہادری سے طول کھینچا۔ جب اس جنگ و پیکار کو ایک معتدبہ زمانہ گزر گیا تو رومتہ الکبریٰ سے لوقیوس ایمی لیوس پولوس جس کا باپ کانیا میں مارا گیا تھا پرسیوس کے مقابلہ پر بھیجا گیا۔ اُس نے لڑائی میں بڑے بڑے کارنمایاں دکھائے اور آخر سنہ ۱۶۹ قبل محمدؐ میں پیڈوا کے میدان میں اس نے پرسیوس کو شکست دے دی۔ پرسیوس بے دست و پا ہو کے بھاگا اور شکستہ حالی سے اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا تھا کہ شہر سموطراقہ میں گرفتار کرلیا گیا۔ جب وہ گرفتار کر کے لوقیوس کے سامنے لایا گیا تو التجا کی کہ میرے ساتھ اور جو سلوک چاہے کیا جائے مگر میں ٹرائمف کے جلوس میں نہ نکالا جاؤں، اسکا

پیچیدہ اور گول گول جواب کوتیوس نے یہ دیا کہ "جس مہربانی کی تم مجھ سے درخواست کرتے ہو وہ تمھیں خود اپنی ذات سے حاصل ہو سکتی ہے"۔ مطلب یہ تھا کہ تمھیں اختیار ہے چاہو تو خودکشی کر کے اپنے آپ کو اس ذلت سے بچالو۔ رومیوں میں سچی خدا پرستی اور کسی سچی شریعت کے نہ ہونے کا ایک نمونہ یہ بھی تھا کہ خودکشی کو بہادری اور بلند حوصلگی تصوّر کرتے تھے۔ حالانکہ سچ یہ ہے کہ مصیبت سے بچنے کے لئے جان دے دینا ایک نہایت ہی ذلیل و بزدلانہ فعل ہے۔

لوقیوس علی العموم ایک شریف النفس آدمی خیال کیا جاتا تھا اور یونانیوں کے علم و ہنر کی نہایت ہی قدر کرتا تھا مگر باوجود اس کے جب رومی سینٹ کے پاس سے اس مضمون کا فرمان صادر ہوا کہ علاقۂ ایپائرس کے کم از کم ستّر شہروں میں رومی سپاہیوں کو لوٹنے اور تاراج کرنے کا موقع دیا جائے تو اُس نے نہ ایسی کوئی عذر کیا اور نہ ذرا تامّل بلکہ فوراً لوٹ مار کی اجازت دے دی۔ اور واپس آکے شہر روم میں ایک اعلیٰ درجہ کی ٹرائمف کا لطف اُٹھایا۔ دریائے ٹطی بیر کے دہانے سے رومتہ الکبریٰ تک خود پرسیوس کے شاہی بجرے میں بیٹھ کے سفر کیا اور وہاں پہونچتے ہی بڑے بھاری جلوس اور بڑے کرّوفر کے ساتھ کیپٹل یعنی قلعۂ روم میں اس شان سے داخل ہوا کہ آگے آگے وہ تھا اور اس کے پیچھے پیچھے یونان کا بدنصیب بادشاہ طوق و سلاسل پہنے ہوئے جا رہا تھا اور سر سے پاؤں تک حسرت و یاس اور ندامت و غیرت کا مجسّم پُتلا معلوم ہوتا تھا۔ اس تذلیل کے بعد پرسیوس شہر البا میں بھیج دیا گیا جہاں اس نے اپنی حسرت نصیب زندگی کے باقی ماندہ دن پورے کئے۔

سلطنت مقدونیہ کے استیصال کے بعد رومیوں نے اپنے اصلی اور حقدار دوست اہل ایطولیہ کے ساتھ کچھ ایسا برتاؤ کیا کہ وہ ان کی مخالفت پر اُٹھ کھڑے

ہوے مگر بیچاروں میں اِتنا دم کہاں تھا۔ دم بھر میں کچل کے رکھ دئیے گئے اور روم کی سینٹ نے صرف اتنے جرم پر کہ ایچیا والوں کی لیگ نے ایطالیہ والوں کے شریک کرنے کا فقط ارادہ کیا تھا اُن سے استدعا کی کہ اپنے ایک ہزار اہلِ شہر کو قیدیوں کی طرح اسیر کر کے روم میں بھیج دو۔ اس حکم کے بموجب جو یونانی قیدی روم میں گئے ان میں سب سے زیادہ ممتاز اور معزز پولی بیوس مورخ تھا جو شہر مگالو پولس کے ایک معزز شخص کا بیٹا تھا۔ روم میں آکے وہ ایمی لیوس کا بہت بڑا دوست ہو گیا اور ایمی لیوس نے اپنے دو بیٹے تعلیم و تربیت کے لئے اسکے حوالے کئے جن میں سے چھوٹے لڑکے کو افریقانوس کے بیٹے اَس کی پیو نے اپنا متبنیٰ بنا لیا۔ اور وہ ایمی لیانوس کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ جلاوطنانِ یونان سترہ سال تک رومتہ الکبریٰ میں رہے، اس مدت میں اُنھوں نے بارہا واپسی وطن کے لئے التجا کی اور درخواستیں پیش کیں مگر سماعت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ ایمی لیانوس نے مجسٹریٹ کاٹو سے سفارش کی کہ اس کے بارے میں آپ اپنے اثر سے کچھ کام لیجئے اور اس کے بعد جب سینٹ میں اس مسئلہ پر بحث ہوئی تو کاٹو نے اُٹھ کے کہا" اس موقع پر یہ سوال کرنا غالباً محض اوقات ہی ضائع کرنا ہو گا کہ آیا یہ بدنصیب یونانی بڈھے اپنی ہڈیاں سرزمین ایطالیہ کے سپرد کریں گے یا ایچیا میں لے جائیں گے۔ اس کی اس تقریر کا ایسا اثر ہوا کہ بعض لوگوں میں رحم کا جوش ہوا اور اُن کے برانگیختہ ہو جانے سے آخرکار غریب و مظلوم یونانیوں کو واپسیٔ وطن کی اجازت ملی۔

رومیوں نے فتح کرنے کے بعد یونان کی گردن پر حکومت کا جو بھاری جوا رکھ دیا تھا وہ اس قدر سخت اور غیر منصفانہ تھا کہ آخر تھک کے اور عاجز آکے ایچیا والوں نے پھر مخالفت میں ہاتھ پاؤں مارنا شروع کئے۔ اس بغاوت کا حال معلوم

ہوتے ہی رومیوں کی طرف سے لوقیوس مومیوس اُن کی سرکوبی کے لئے آیا۔ سرکش حامیانِ وطن سے لڑا، نہایت آسانی سے اُنھیں شکست دی اور کورنتھ میں داخل ہو کے شہر کو لوٹا۔ خوب تاخت و تاراج کیا اور اُس کے بعد کورنتھ میں آگ لگا دی۔ تاکہ اُٹے ہوئے مکانوں کا نام و نشان بھی نہ باقی رہے۔ مختلف قسم کی دھاتوں کا جو سامانِ آرائش اُمرا کے مکانوں اور بُت خانوں میں تھا آگ کے شعلوں میں پگھلا، اور ان سب کے میل سے ایک خاص قسم کی مرکب وزنی دھات بن گئی جو کورنتھی پیتل کے نام سے مشہور ہوئی اور بُت سازی کے لئے وہ بہترین دھات تصوّر کی جاتی تھی

اس لوٹ میں منتخب زمانہ تصویروں، مورتوں اور ہر قسم کی صنعتوں کا ایک بڑا بھاری ذخیرہ رومیوں کے ہاتھ آیا۔ مومیوس ایک خشک مزاج جاہل پلے پی یعنی عامی تھا۔ اس نے اِن چیزوں کی قدر صرف اس وجہ سے کی کہ اوروں کو اُن کی قدر کرتے دیکھا اور ان چیزوں کو جہاز پر لاد کے جہاز والوں کے سُپرد کرتے وقت جب اُس نے یہ فقرہ کہا کہ "دیکھو اگر ان میں سے کوئی چیز بھی تلف ہوئی یا کھوئی تو تم سے نئی بھر لی جائے گی" تو بہت سے متین اور مہذب لوگوں کو بے اختیار ہنسی آگئی۔ مگر باوجود اس جہالت اور بے تمیزی کے وہ بہت شائستہ و تعلیم یافتہ رومیوں سے زیادہ دیانتدار تھا۔ اس لئے کہ مالِ غنیمت میں سے کوئی چیز بھی اُس نے اپنے قبضہ میں نہیں کی، بلکہ جو کچھ ہاتھ آیا۔ اسے سلطنت کی جائداد تصور کر کے روم بھیجدیا۔ مالِ غنیمت کی اِن چیزوں میں سے کسی ایک کی قیمت بھی اُس نے نہیں لی۔ رومتہ الکبریٰ میں داخل ہوتے وقت ٹرائمف کے موقع پر تو اُن سب چیزوں کو اُس نے اپنے جلوس میں دکھایا لیکن ٹرائمف کے بعد ہی اس نے اس سارے ساز و سامان اور اُن قیمتی اشیا کو سلطنت کے حوالہ کر دیا کہ اُن سے دارالسلطنت کی پبلک عمارتوں کی آرائش میں کام لیا جائے۔

کارنتھ کی تاخت و تاراج اور اس کی تباہی و بربادی کا یہ واقعہ ۱۴۶ سنہ قبل محمدؐ میں پیش آیا۔ اور اسی پر یونان کی باقی ماندہ آزادی کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ اب ملک یونان و روم کا ایک صوبہ تھا جو ایچیا کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، اور اب چونکہ یونان مملکت روم کا ایک صوبہ تھا، لہٰذا اس کے بعد سے اس کے عروج و زوال کے واقعات اور اس کی پوری قسمت اپنے مالک رومیوں کے عروج و زوال اور ان کی قسمت سے وابستہ تھی۔ ایثینہ (ایتھینز) اب بھی علم و فضل اور حسن و جمال کے اعتبار سے روم کے تمام صوبجات میں شہرت و امتیاز رکھتا تھا اور نوعمر رومیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے وہ ایک قسم کا کالج قرار پا گیا تھا۔

فصل پنجم

قرطاجنہ کی تیسری لڑائی (۲۰۷ سنہ قبل محمدؐ سے ۱۴۷ سنہ قبل محمدؐ تک)

رومیوں نے ابھی جس گذشتہ فتح کے ذریعہ سے قرطاجنہ کی قوت توڑ دی تھی اُس پر انھیں اطمینان نہ تھا۔ لہٰذا اُن کے دل میں ٹھنی ہوئی تھی کہ جس طرح بنے اپنے پُرانے دُشمن اہلِ قرطاجنہ کو وہ پوری طرح تباہ و برباد کر دیں تاکہ اُنھیں پھر کبھی سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہو سکے اس خیال کے ذہن نشین ہونے کے باعث وہ قرطاجنہ سے لڑائی چھیڑنے کے لئے کوئی بہانہ ڈھونڈھ رہے تھے۔

ایسے موقع کے حاصل ہونے کے لئے انھیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا اور ایک بہانہ ہاتھ آ ہی گیا۔ نومیدیا یعنی مراکش کے پُرانے بادشاہ ماسی نسا سے رومیوں سے دوستی تھی اور اس کا معمول تھا کہ بار بار قرطاجنہ کی قلمرو میں گھُس کے لوٹ مار کرتا اور رعایا میں سے اکثر لوگوں کو پکڑ لے جاتا تھا اور قبل اس کے کہ

کوئی مزاحم ہو واپس چلا جاتا، کیا عجب کہ اس کی یہ بے باکیاں خود رومیوں کے اشارے سے ہوں۔ قرطاجنہ والوں نے جب دیکھا کہ نومیدیا والے اپنی ان کارروائیوں سے کسی طرح باز نہیں آتے تو ان کے مقابلہ کے لئے ہتھیار اُٹھائے، ادھر وہ نومیدیا والوں سے لڑنے کو تیار ہوئے اور ادھر دولت روم سے پیام گیا کہ تمہارا یہ فعل خلاف معاہدہ ہے کیونکہ تم اقرار کر چکے ہو کہ ہمارے کسی دوست سے نہ لڑو اور ماسینیسا ہمارا دوست ہے۔" یہ پیام ہی نہیں گیا بلکہ محض اسی بنیاد پر دولت روم نے قرطاجنہ کے مقابل اشتہار جنگ دے دیا۔

قرطاجنہ والے اپنی موجودہ کمزوری کو جانتے تھے جب اُن کے قبضہ میں لڑائی کے اعلیٰ درجہ کے جہاز، لڑائی کے ہاتھی۔ قواعد داں سپاہیوں کا لشکر اور ہنی بال ایسا زبردست سپہ سالار موجود تھا اس وقت تو رومیوں سے پیش نہ پاسکے۔ اب اس کمزوری اور بے دست و پائی کے زمانہ میں اُن کے لئے بھلا کیا اُمید ہو سکتی تھی؟ اسی خیال سے لڑائی سے بچنے اور رومیوں کی استمالت میں انھوں نے کوئی کوشش اُٹھا نہیں رکھی۔ انھوں نے صاف اقرار کر لیا کہ دولت روم کی ناراضی دور کرنے کے لئے ہم ہر کام کے لئے تیار ہیں اور جو شرطیں پیش کی جائیں چاہے وہ کیسی ہی سخت ہوں ہم قبول کر لیں گے۔ اسی قدر نہیں۔ انھوں نے ضمانت کے طور پر کفیل پیش کر دیے۔ اپنے اسلحہ حوالے کر دے۔ اپنے شہر کی قلعہ بندی بھی مسمار کر دی۔ مگر سب بیکار ہوا۔ رومیوں نے دل میں ٹھان لی تھی کہ قرطاجنہ کو تباہ ہی کر کے دم لیں گے۔ لہٰذا کچھ سماعت نہ کی۔ اور ان کی عاجزانہ درخواست کا جو جواب دیا گیا تھا یہ تھا کہ "رومتہ الکبریٰ کی سینٹ کو سوا اس کے کہ تمام اہل قرطاجنہ اپنے شہر کو چھوڑ کے سمندر سے دور کسی اندرونی حصۂ ملک میں چلے جائیں۔ اور وہاں اپنے لئے نیا شہر بسا لیں جو ساحل سے بہت دور واقع ہو، اور قرطاجنہ بالکل

مسمار کر دیا جائے اور کسی طرح سے اطمینان نہیں ہو سکتا۔" یہ ایسی بات تھی جس کو قرطاجنہ والے کسی طرح قبول نہ کر سکتے تھے۔ سب نے متفق اللفظ کہا" اس کارروائی سے تو مر جانا بہتر ہے۔" اور تیار ہو گئے کہ جب تک دم میں دم ہے لڑیں گے مگر وطن اور مکانوں کو اپنے جیتے جی پامال و مسمار نہ ہونے دیں گے، زن و مرد آور ننھے ننھے بچے تک جُٹ گئے کہ جس طرح بنے جلدی جلدی اپنے شہر کی دیواریں پھر بنا لیں۔ لوہا، پیتل، تانبہ یا جو کوئی دھات خانہ داری کی چیزوں اور برتنوں وغیرہ میں نظر آیا سب کو گلا کے ہتھیار بنا لئے گئے۔ یہاں تک کہ سونے اور چاندی کے زیور بھی اسی ضرورت کے لئے گلا ڈالے گئے اور عورتوں کو بجائے اس کے کہ ناک کان یا گلے میں کوئی زیور پہنیں یہ زیادہ اچھا معلوم ہوا کہ حامیانِ وطن کے ہاتھ میں کوئی حربہ ہو۔ قرطاجنہ کے زن و مرد میں اس وقت جو جوش و خروش تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ منجنیقوں کے لئے رسّیوں کی ضرورت ہوئی تو نازک بدن و نازنین خاتونانِ قوم نے اپنی لمبی گھونگھر دار زلفیں کاٹ دیں اور کہا جاؤ انھیں بٹ بٹ کے رسّیاں بناؤ۔

روس کی طرف سے اس کی پیو میلیانوس (جس کی سفارش سے یونانیوں کو غلامی و اسیری سے آزادی اور وطن کی اجازت ملی تھی) اُن لوگوں کے مغلوب و مقہور کرنے کی خدمت پر مامور ہوا۔ وہ ایک بڑا لشکرِ عظیم لے کے ساحلِ افریقہ پر اُترا اور قرطاجنہ کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن مسلسل ایک سال تک یہ حالت رہی کہ اس کی پیو کی تمام کوششیں یہاں کے بدنصیب اور جان پر کھیلنے والے باشندگانِ شہر کی جاں فشانیوں کے مقابل ناکام ثابت ہوتی رہیں۔ اہلِ قرطاجنہ بھوک پیاس اور ہر طرح کی بلاؤں میں مبتلا تھے اور اس کے ساتھ اُن میں باہمی پھوٹ بھی تھی۔ لیکن رومیوں کے سامنے لڑائی سے کسی طرح قدم

نہیں ہٹاتے تھے لیکن رومیوں سے پیش پانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ آس کی پیو نے جب لڑ بھڑ کے شہر پناہ پر قبضہ کر لیا تو قرطاجنہ کے ہر بلند اور مضبوط مکان کا دروازہ بند ہو گیا اور ان کا ہر گھر رومیوں کے مقابلہ میں ایک قلعہ بن گیا اور مدت تک یہی حالت رہی کہ اہلِ قرطاجنہ کا ہر مکان رومی سپاہیوں سے لڑنے والی ایک زبردست گڑھی تھی اور بغیر سخت لڑائی اور مار دھاڑ کے رومی اس پر قبضہ نہ کر سکتے تھے۔ ان لڑائیوں میں آس کی پیو کے بھی ہزاروں سپاہی کٹ گئے اور سڑکوں، گلیوں میں آتش زدگی اور خونریزی روز بروز بڑھتی ہی جاتی تھی۔ مگر قرطاجنہ ان کارروائیوں سے مسمار و تباہ بھی ہوتا جاتا تھا۔ اس عظیم الشان شہر کی تباہی و پامالی کا منظر ایسا عبرتناک اور جگر خراش تھا کہ باوجود اپنے سپاہیوں کے مارے جانے کے جوش اور غیظ و غضب کے خود آس کی پیو بھی تاب نہ لا سکا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وجہ یہ ہوئی کہ قرطاجنہ کے عظمت و جبروت کو اس بے رحمی سے خاک میں ملتے دیکھ کے اس کے دل میں خیال گزرا کہ ممکن ہے کبھی رومتہ الکبریٰ کو بھی ایسا ہی زوال نصیب ہو اور اس کی عالیشان عمارتوں سے بھی یوں ہی شعلے بلند ہوں۔

الغرض بدنصیب اہلِ قرطاجنہ کا کچھ زور نہ چلا اور رومی سینٹ کے حکم سے پرانا عظیم الشان شہر قرطاجنہ کلیتہً تباہ و برباد اور پوری طرح تباہ و مسمار و پامال کر دیا گیا۔ باشندوں میں سے جو جیتے بچے وہ گرفتار کر کے غلاموں کی طرح بیچ ڈالے گئے اور گرد کا ملک جو قرطاجنہ کی قلمرو میں شامل تھا روم کا ایک پامال حوادث صوبہ بنا لیا۔ یہ عبرت خیز واقعہ ۱۴۷ سنہ قبل محمدؐ کا ہے۔ بے رحم رومیوں کے ہاتھوں یہاں بھی ویسے ہی مظالم اور سنگدلی کے کرشمے نظر آئے جیسے کہ انھیں کے ہاتھوں سے چند روز پہلے یونان کے شہر کورنتھ میں نظر آ چکے تھے۔

اس کی پیہم فتح و نصرت کے پھریرے اُڑاتا ہوا روم میں واپس آیا، حسب معمول اُسے ایک عالیشان ٹرائمف کی عزت ہوئی اور افریقانوس کا معزز خطاب دیا گیا۔ اس کے بعد ہی وہ ہسپانیہ میں بھیجا گیا۔ اس لئے کہ کلٹ لوگ رومیوں کی غیر منصفانہ خلل اندازیوں کی مزاحمت بڑے جوش و خروش اور بڑی بہادری سے کر رہے تھے وہاں کا شہر نیومان شیا اس کے مقابلہ میں مسلسل دو سال تک لڑتا رہا اور آخر قحط کی مہیب مصیبتوں اور تکلیفوں کے بعد جب شہر مذکور کے لوگوں کو نظر آیا کہ اب ہم میں بالکل دم نہیں باقی رہا ہے تو اُن یاس نصیب نامرادوں نے بعوض اس کے کہ بے رحم دُشمنوں کے آگے سر جھکائیں باہم خونریزی کر کے اور ایک دوسرے کو قتل کر کے اپنی زندگیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور نامی سپہ سالار روم افریقانوس کو دوبارہ نظر آیا کہ جس کسی میدان کا وہ مرد میدان ثابت ہوتا ہے، وہ تباہی و پامالی ہی کا منظر ہوتا ہے۔ افریقانوس کے اخلاق اور ذاتی خصائل کا لحاظ کیا جائے تو وہ ایک مہربان رحمدل، اولوالعزم اور فیاض سردار تھا۔ لیکن دیگر سرداران روم کی طرح سلطنت کے ظالمانہ احکام کی تعمیل و بجا آوری میں اسے بھی کوئی عذر و تامل نہ ہوا کرتا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کسی مغلوب و مقہور شخص کے پامال و تباہ کرنے سے اپنی عظمت میں فرق نہیں آتا ہے۔

اسی زمانے کے قریب پرگاموس کے آخری بادشاہ اطالوس نے اپنی سلطنت و دولت روم کے سپرد کر دی اور رومیوں کا قدم ایشیائے کوچک کی سرزمین پر مضبوط جما دیا جس کے وسیع کرنے اور اس کے حدود کے آگے بڑھانے میں رومیوں نے کبھی کمی نہیں کی۔ اگرچہ اس کوشش میں اُنھیں بڑی بڑی خطرناک لڑائیاں لڑنی پڑیں۔

بارھواں باب

رومیوں کی پولیٹیکل پارٹیاں (۱۴۷ سنہ قبل محمدؐ سے ۶۱۰ سنہ قبل محمدؐ تک)

فصل اوّل

گراق چی (۱۴۷ سنہ قبل محمدؐ سے ۶۱۰ سنہ قبل محمدؐ تک)

اب اس باب میں رومیوں کا نیا زمانہ شروع ہوتا ہے جیسی مصیبتیں پہلے رومیوں کے ہاتھ سے دوسری قوموں کو پہونچتی رہی ہیں ویسی ہی اب رومتہ الکبری کو اپنے باہمی جھگڑوں، سینٹ اور رعایا کے اختلاف کی وجہ سے پہونچنے لگی تھیں۔ گویا اپنے مظالم کا بدلہ رومیوں کو خود اپنی ہی ذات سے ملنے لگا تھا۔ ان نزاعوں کی وجہ سے سڑکوں پر روز خون ریزی ہوتی اور آئے دن قتل وخون کا بازار گرم رہتا اور آخر کار انھیں فتنہ انگیزیوں کی بدولت وہ پُرانی آزادانہ جمہوریت بھی تشریف لے گئی۔

پہلے پہل جس نے روم میں پارٹی فیلنگ کے جوش کو پیدا کیا وہ طبریوس سیمپرونیوس تھا اس کے باپ نے ہسپانیہ کی لڑائیوں اور وہاں کے خون آشام میدانوں میں بہادری دکھا کے نام وری حاصل کی تھی۔ اور اُس کی بیوہ افریقانوس اوّل کی بیٹی کورنیلیا اُس کی ماں تھی۔ یہ کورنیلیا تعلیم یافتہ وشائستہ حسین وگل اندام بلند حوصلہ مستقل مزاج اور نہایت مضبوط کیرکٹر کی عورت تھی۔ کم سنی ہی میں بیوہ ہو گئی تھی اور گو بڑے بڑے معزز ونامی سرداران روم نے شادی کے پیام دئے، مگر اس نے قطعاً انکار کیا، رومی عورتیں بیوگی میں زندگی کاٹ دینے کی بالکل عادی نہ تھیں اور اس بارہ خاص میں کارنیلیا نہایت ہی غیر معمولی خاتون تسلیم کی جاتی تھی۔ دوسرا۔

شادی نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ اُسے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا بڑا خیال تھا چنانچہ انھیں نہایت ہوشیاری اور داشت کے ساتھ پالا، لکھایا، پڑھایا اور فنون جنگ سکھائے۔ ایک مرتبہ رومتہ الکبریٰ کی ایک معزز خاتون کارنیلیا سے ملنے کو آئی تھی، جس نے بڑے فخر و ناز کے ساتھ اپنا تمام قیمتی زیور اور اپنے جواہرات اسے دکھائے اور کہا "لے اب تم بھی مجھے اپنا زیور دکھاؤ"۔ کارنیلیا نے اس کے جواب میں اپنے لڑکوں کو اس کے سامنے لاکے کھڑا کر دیا اور بولی "لو بی بی میرے لعلوں کو بھی دیکھ لو میں تو اپنا زیور انھیں کو سمجھتی ہوں"۔

کارنیلیا اپنے بیٹوں کے معاملہ میں انتہا درجہ کی حوصلہ مند بھی تھی۔ اور جب اسکی لاڈلی بیٹی سمپرونیا کی شادی اسکی پیوالمی لیانوس کے ساتھ ہوئی تو وہ اکثر کہا کرتی تھی "یہ اُن لڑکوں کی بدقسمتی ہے کہ میں گراچی کی مشہور ماں ہونے کے بجائے ایک افریقانوس کی ماں اور دوسرے کی ساس کہلاتی ہوں۔ طریوس گراس چوس نے جلیسے ہی ٹری بیون کا درجہ حاصل کیا۔ ایک نیا زمینداری کا قانون سینٹ کے سامنے پیش کر دیا جس کا منشا یہ تھا کہ آراضی کی تقسیم از سرِ نو کی جائے۔ دولتمندان روم نے پوری قوت اور نہایت جوش سے اس قانون کی مخالفت کی۔ لیکن پلے بی لوگوں کی کثرت رائے سے وہ قانون پاس ہی ہو گیا۔ اس کے بعد گراآق چوس نے اس سے بھی قدم آگے بڑھایا اور روز بروز سینٹ کو زیادہ پریشان کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ جب اس کے ٹری بیون ہونے کی مدت ختم ہوئی اور دوبارہ منتخب ہونے کے لئے پیش ہوا تو اسکے طرفداروں نے فورم میں بڑا شور و غوغا مچایا۔ اور سینٹ کے اجلاس میں خبر پہونچی کہ، گراآق چوس روم کا بادشاہ ہونے والا ہے۔ سینٹ والے یہ افواہ سُن کے نہایت ہی طیش اور بڑے غیظ و غضب کے ساتھ فورم میں گھس آئے۔ اُن کی صورت دیکھتے ہی پلے بی لوگ بدحواس بھاگے۔ اس یورش اور ہنگامہ میں کسی کا لٹھ خود گراآق چوس

پر پڑ گیا۔ جس کے صدمہ سے وہ اسی جگہ گر کے مر گیا۔ مخالفوں نے اس کی لاش دریائے ٹلی بیر میں پھینک کے بہادی اور اس کے طرفداروں پر بھی لوگوں نے نرغہ کیا۔ چنانچہ اس کے گروہ کے کم از کم تین سو آدمیوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔

طبریوس گراق چوس کا بھائی قیوس عمر میں اس سے نو سال چھوٹا تھا۔ اس کی ماں کورنیلیا نے کوشش کی کہ قیوس اُس راستہ پر نہ چلے جو بڑے بھائی کے حق میں جانستاں ثابت ہوا تھا۔ مگر قیوس نے اس کی ایک نہ سُنی اور جیسے ہی اس عمر کو پہونچا کہ ٹربی یون منتخب ہو کوشش کر کے ٹربی یون کا رتبہ حاصل ہی کر لیا۔ یہ رتبہ اور اقتدار حاصل کرنے کے بعد اُس نے اپنے بھائی کے قانون زمینداری کو جاری کر دیا۔ اور بھی بہت سی ایسی کارروائیاں کیں جو سلطنت کے حق میں اس قانون سے بھی زیادہ خطرناک تھیں۔ اس کی بیوا ایمی لیانوس جسے قیوس کی بہن بیاہی ہوئی تھی اُن دنوں سینٹ اور پرانے طرز حکمرانی کا بہت بڑا طرفدار تھا۔ وہ کچھ اس طرح اچانک مر گیا کہ لوگوں نے قیوس گراق چوس اور اس کی بہن کے ذمہ یہ الزام عائد کیا کہ ان دونوں نے مل کے ایمی لیانوس کو زہر دے دیا ہے۔ اگرچہ یہ اتہام بالکل بعید از قیاس تھا مگر اس کی اس قدرت شہرت ہوئی کہ قیوس ٹربی یون کی خدمت سے ہٹا دیا گیا اور سینٹ نے موقع پا کے ارادہ کیا کہ اس سے بعض امور کے متعلق جواب طلب کرے سینٹ کے اس ارادہ کی جیسے ہی شہرت ہوئی۔ قیوس کے طرفدار جگہ جگہ کھڑے ہوئے ایک شورش مچادی اور اُن کا ایک زبردست گروہ اے ون ٹائن پہاڑی پر جمع ہوا اور سینٹ کو دھمکی دی کہ ہم اپنے معاملہ کا تصفیہ اپنے اسلحہ کی قوت سے کرائیں گے قیوس کسی ایسی کارروائی کے لئے تیار نہ تھا اور اتنی قوت نہیں رکھتا تھا کہ اپنے ملک اور اپنی سلطنت کے مقابل ہتھیار اُٹھا کے اور خونریزی کر کے کامیاب ہو۔ وہ ہتھیار کھول کے اپنے طرفداروں کے پاس گیا۔ اُن کو سمجھایا اور کوشش کی کہ اُن میں اور

سینٹ میں صلح کرا دے۔ کانسل لوگوں نے بعوض اس کے کہ اُس کی تجویزوں کی طرف توجہ کریں مخالفوں کے مقابلہ پر ایک مسلح اور باضابطہ فوج بھیجدی جس کی صورت دیکھتے ہی قیوس کے تمام پیرو منتشر ہو گئے اور جس سے جدھر بنا بھاگ گیا۔ قیوس نے جب اپنی حالت ایسی نازک دیکھی تو بھاگ کے ایک جھاڑی میں چھپ رہا جو رومیوں میں متبرک تصور کی جاتی تھی۔ یہاں اُس کا ایک وفادار غلام ہمراہ تھا۔ قیوس نے اس جھاڑی کے اندر پہونچتے ہی اُس غلام سے کہا کہ "مجھے مار ڈالو" غلام کو جرات نہ ہوتی تھی مگر آقا کے حکم سے سرتابی بھی نہ کر سکتا تھا۔ تلوار کا ایک زبردست وار مار ہی دیا، مگر جب دیکھا کہ میں نے اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو قتل کیا ہے تو خود بھی اپنی تلوار پر اس طرح گرا کہ اس کی زندگی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ سینٹ نے وعدہ کیا تھا کہ جو کوئی گراکچوس کا سر لائے گا اُسے وہ سر سونے سے تول دیا جائے گا۔ اتفاقاً کسی شخص کو گراکچوس کی لاش مل گئی اس نے سر کاٹ لیا اور اس میں گلا گلا کے خوب سیسہ پلا دیا۔ تاکہ خوب بھاری ہو جائے اور اس کے عوض میں بہت سا سونا ہاتھ آئے۔ اس کے بعد گراکچوس کے پیروؤں کا تعاقب کیا گیا اور جہاں ملے چُن چُن کے نہایت سفاکی و بے رحمی سے قتل کئے گئے اور اب رومیوں میں سفاکی و خوں ریزی کا مادہ اس سرعت سے بڑھ رہا تھا کہ چند ہی روز پہلے قیوس کے بھائی کے ہنگامہ میں جتنے آدمی مارے گئے تھے اس کے دس گنے یعنی تین ہزار آدمی اس موقع پر قتل کئے گئے۔

کورنیلیا اب تک زندہ تھی۔ اپنے دونوں بے بہا لعلوں کے ضائع ہو جانے کے بعد اپنے ایک دیہات کے مکان میں جا کے عزلت گزیں ہو گئی۔ جہاں وہ سالہا سال تک اور ہمیشہ نہایت ہی عزت و حرمت کی زندگی بسر کرتی رہی، جب وہ مری تو اسکی یادگار میں اس کی ایک مورت بنا کے کھڑی کی گئی۔ اور اس پر وہی لقب کندہ کر دیا

گیا جو اُسے بہت پسند تھا اور اسے بہت مہنگا ملا تھا۔ یعنی گراقچی کی ماں"۔

فصل دوم

ماریوس (۱۵۷ تا ۸۶ قبل محمدؐ)

بوڑھے بادشاہ موری طانیہ یعنی ماسی نِسّا کی وفات پر اس کے بھتیجے یوگرتھا نے تخت پر زبردستی قبضہ کرلیا اور رومیوں کے مقابلہ میں لڑائی ٹھان دی۔ قیوس ماریوس (رومی سردار) نے اسے یہاں تک عاجز کیا کہ اس نے ایک دوسرے فرمانروائے نومی دیا (امراکش) کے پاس جاکے جس کا نام بوک کوس تھا پناہ لی بوک کوس نے دغابازی کی اور پکڑ کے اُسے رومیوں کے حوالے کردیا۔ دولت روم کی طرف سے جو عہدہ دار اس خدمت پر مامور ہو کے بوک کوس کے پاس گیا وہ لوقیوس کورنے لیوس سی لا تھا۔ سی لا نے چاہا کہ اس فتحمندی کو ماریوس سے ازراہ فریب چھین کے ناموری کا سہرا اپنے سر باندھ لے۔ چنانچہ اپنی انگوٹھی میں مُہر کی جگہ ایک تصویر کھدوائی جس میں دکھایا گیا تھا کہ وہ بوک کوس سے یوگرتھا کو لے رہا ہے اسی مُہر کو وہ خطوط اور معاہدوں پر ثبت کیا کرتا۔ اور دُنیا پر ظاہر کرتا کہ موری طانیہ کا فاتح وہی ہے۔ یہ امر ماریوس کو نہایت ہی ناگوار ہوا۔ کیونکہ اس ملک کی فتح اور اس کامیابی کا حقیقی باعث وہی تھا۔

الغرض ماریوس اور سی لا میں نہایت ہی عداوت پیدا ہوگئی۔ اور دونوں ایک دوسرے کو حقارت و نفرت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ ماریوس ایک پکے ہی شخص تھا اس کے ماں باپ ایک گاؤں کے غریب و کم حیثیت لوگ تھے۔ جب وہ ایک معمولی ادنیٰ سپاہی تھا اس کی بہادری و شجاعت دیکھ کے اس کی پیو آ ے می لیا نوس اس پر مہربان ہوگیا تھا اور رفتہ رفتہ ترقی دلا کے اسے سلطنت کے اعلیٰ عہدوں پر پہنچا دیا

وہ جاہل و غضبناک شخص تھا اور بطارقہ کے کبر و نخوت اور اُن کی عیش پرستیوں کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا، بچپن میں کسی نجومی کی زبان سے یہ پیشین گوئی سُنی تھی کہ وہ سات بار کونسل کی معزز خدمت پر مامور ہوگا۔ اس لئے بیتابی کے ساتھ آرزومند تھا کہ جس طرح بنے اس پیشین گوئی کو پورا کرے۔ اس کے خلاف سیسی لاکورنے لیاکی نسل سے تھا جو کہ روم کا معززترین خاندان تھا۔ وہ تمام عیوب جن کی وجہ سے بطارقہ روم قابل تزلزل ہو گئے تھے اُس کی ذات میں موجود تھے۔ مگر باوجود ان عیوب کے وہ مستعد جنگجو نہایت ہی تعلیم یافتہ اور سوسائٹی کا مکمل نمونہ تھا۔

اس کے بعد جو لڑائی چھڑی قمبری اور طیوطون لوگوں کے مقابل تھی۔ یہ دونوں وحشی قومیں تھیں جن کی اصلیت کا پتہ نہیں۔ اگرچہ ناموں سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ قمبری سے کلٹ لوگ مراد ہیں اور طیوطون سے مراد عظیم الشان قوم ٹیوٹانک کا کوئی گروہ ہے جو لوگ بحر اسود سے نکل کے مغرب کی جانب پھیل گئے تھے۔ یہ قومیں ایطالیہ میں گھس پڑیں۔ گاکیا (جرمنی) کا جو حصہ رومیوں کے قبضہ میں تھا اس پر قابض و متصرف ہو گئیں اور چند سال تک اُن ملکوں کو سخت نقصان پہونچاتی رہیں۔ روم سے جو فوج اُن کی سرکوبی کو گئی اسے شکست دے دی، یہاں تک کہ ماریوس نے پہونچ کے پہلے شہر اکس کے پاس اور پھر شہر ملان کے قریب انھیں دو زبردست شکستیں دیں۔ اس آخری شکست کے بعد اُن وحشیوں میں سے جتنے لوگ زندہ بچے انھوں نے اپنے جورو بچوں کو قتل کر کے خود بھی خودکشی کر لی اور مملکت ایطالیہ ہمیشہ کے لئے اُن کی دست بُرد سے محفوظ ہو گئی۔

ماریوس پانچ دفعہ کونسل مقرر ہو چکا تھا۔ اب رشوتیں دے دے کے اور تفرقہ پسند پلے بی لوگوں سے طرح طرح کے وعدے کر کے پھر کونسل منتخب ہوا۔ پلے بی لوگوں کی ان دنوں روم میں الجبری ایسی یہ حالت ہو رہی تھی کہ ارکان سینٹ تو جو اس وقت

تک نہایت معززہ محترم رہے تھے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے اور انھیں سلطنت کا دشمن تصور کرتے۔ اس زمانہ میں سرکش گروہ کا سب سے زیادہ پسندیدہ مسئلہ یہ تھا کہ ایطالیہ کے دوسرے باشندوں کو بھی روم کا سٹی زن تسلیم کیا جائے۔ مگر سینٹ کو اس میں سختی کے ساتھ اختلاف تھا جو ڈر تے تھے کہ اگر اس قدر کثیر التعداد نئے ووٹ دینے والے پیدا ہو گئے تو لوگوں پر ہمارا جو کچھ اثر ہے تشریف لے جائے گا۔ آخر کار اہل ایطالیہ نے اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے ہتھیار اُٹھائے اور ماریوس ان کے مقابلہ پر مجبور کیا گیا۔ یہ لڑائی جو سوشیل وار (تمدنی لڑائی) کہلاتی ہے تین سال تک ہوتی رہی آخر ۶۵۹ قبل محمدؐ میں اس بات پر ختم ہوئی کہ رومی سٹی زن ہونے کے حقوق تمام اہلِ ایطالیہ کو دے دئے گئے۔ سوا سامنی قوم والوں کے جو اب تک لڑے جاتے تھے۔ چند شرطیں البتہ ایسی لگا دی گئی تھیں جن سے سینٹ والوں کو اُمید تھی کہ وہ اصلی رومیوں کو ووٹ ملنے سے محروم نہ ہونے دیں گی۔

ادھر رومیوں میں تو یہ جھگڑے بپا رہے اُدھر پونطوس کا بادشاہ متھری داطس ارض مشرق میں قوت پکڑ کے دولت روم کے لئے ایک بڑا بھاری خطرہ بن گیا۔ اسکے مقابلہ کو ایک لشکر روانہ ہونے والا تھا جس کی سپہ سالاری کے ماریوس اور سی لا دونوں ساعی تھے۔

سی لا ان دنوں کونسل تھا اور سینٹ نے باضابطہ طور پر اسے اس خدمت پر مامور کیا تھا۔ مگر ماریوس کو یہ گوارا نہ تھا۔ اس نے اپنے گروہ کے لوگوں کو جمع کیا اور انھیں لے کے فورم میں چڑھ گیا۔ بطریقون کو وہاں سے زبردستی مار کے نکال دیا اور اس کے ہمراہیوں نے اُسے سپہ سالار روم تسلیم کر لیا۔ سی لا اس نرغہ سے بھاگ کے اپنے لشکر میں پہونچا اور ان وفاداروں کو جمع کیا جو ہر حال میں اس کا ساتھ دیتے تھے۔ اُنھیں لے کے وہ شہر روم میں آیا۔ پلکے بی لوگوں پر غلبہ حاصل

کیا۔ اپنی سپہ سالاری کی دوبارہ تجدید کی۔ سینٹ کو پھر حسب سابق بحال اور جمع کیا۔ اور اس کی پہلی حکومت قائم کی۔ ماریوس اُس کے آتے ہی بھاگ کھڑا ہوا اور سیلا نے میدان خالی پا کے پوپ لیوس کور نے لیوس قتہ اور قیوس اوقطادیوس کو کونسل مقرر کر کے اُن سے حلف لی کہ نظام سلطنت کو اُسی آئین پر برقرار رکھیں گے جس پر کہ وہ چھوڑے جاتا ہے اور خود اپنا لشکر لے کے مُہم پر چل کھڑا ہوا۔

ماریوس یہاں سے بھاگا تو افریقا کی راہ لی۔ مگر باد مخالف نے سواحل ایطالیہ سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ مجبوراً ایطالیہ ہی کے ساحل پر ایک غار میں چھپ کے بیٹھ رہا جس کے دہانہ پر گھاس کا پردہ پڑا تھا۔ مگر قسمت نے لوگوں کو اس کا پتہ بتا ہی دیا۔ جنھوں نے گرفتار کر لیا اور شہر من طورنے میں لے جا کے قید کر دیا۔ رومہ کی سینٹ نے قطعی حکم جاری کر رکھا تھا کہ وہ جہاں ملے قتل کر ڈالا جائے۔ اس حکم کی تعمیل کے لئے ایک سپاہی قید خانہ میں بھیجا گیا۔ قید خانہ تنگ و تاریک تھا۔ اور ماریوس زمین پر پڑا ہوا تھا۔ وہ سپاہی اندر گھُسا تو اس کی ہیبت اور اندھیرے کے باعث سہما ہوا تھا اور کانپ رہا تھا کہ اس کی خوف زدہ آنکھوں کو نظر آیا جیسے ماریوس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہیں۔ ان شعلوں کی بجلی سے اس پر اور دہشت طاری ہوئی۔ اتنے میں ماریوس بادل کی طرح گرج کے بولا "قیوس ماریوس کے قتل کی تجھے جرأت ہو سکتی ہے؟" یہ آواز سنتے ہی وہ سپاہی اُلٹے پاؤں بھاگا اور کمال بدحواسی کے ساتھ چلاتا جاتا تھا کہ میں اُسے نہیں مار سکتا!" میں اسے نہیں مار سکتا! اس کے ساتھ ہی اہلِ شہر کو یاد آیا کہ اسی ماریوس نے کبھی کس جوش سے ہم اہلِ ایطالیہ کے حقوق کی حمایت کی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب اس کے بچانے پر آمادہ ہو گئے اسے ایک جہاز دیا جس پر سوار ہو کے وہ ساحل افریقہ پر پہنچ گیا۔ یہاں وہ قرطاجنہ کے ویران کھنڈروں اور ٹیلوں میں مارا مارا پھرتا تھا کہ وہاں کے رومی

والی نے حکم بھیجا "یہاں سے چلے جاؤ۔" جو شخص یہ حکم لایا تھا۔ ماریوس نے اسکی صورت نہ دیکھی اور بے پروائی سے کہا "اُس سے جا کے کہہ دینا کہ اِن ویران کھنڈروں میں تم نے قیوس ماریوس کو بیٹھے دیکھا ہے۔

اس اثنا میں روحتہ الکبریٰ میں یہ واقعات پیش آئے کہ جن دو کونسلوں کو سی لامتقر کرا کے گیا تھا۔ اُن میں باہم نزاع پیدا ہوئی اور قنہ اپنے حریف سے مغلوب ہو کے جلاوطن کر دیا گیا۔ قنہ کو پتہ لگ گیا کہ ماریوس قرطاجنہ کے کھنڈروں میں موجود ہے اس کے پاس پیام بھیجا کہ آپ آ کے میری مدد کیجئے۔ یہ پیام ملتے ہی ماریوس نہایت طیش کے ساتھ واپس آیا۔ اور وہی چیتھڑے لگائے ہوئے جو قرطاجنہ کے کھنڈروں میں اس کے جسم پر تھے۔ روم میں داخل ہوا۔ ابتک نہ اُس نے خط بنوایا تھا۔ اور نہ بال کٹوائے تھے اور صورت بالکل وحشی درندوں کی سی ہو رہی تھی۔ ساحل ایطالیہ پر قدم رکھتے ہی اہل ایطالیہ اور مفرور غلاموں کا ایک زبردست لشکر اس کے گرد جمع ہو گیا جسے لے کے روم پر حملہ آور ہوا۔ روحتہ الکبریٰ کے مضبوط پھاٹک دھاوا کر کے کھلوا لیے۔ اور انتقام کی کارروائی شروع کر دی۔ سی لا کے دوستوں کی بڑی بھاری تعداد قتل کر ڈالی گئی۔ جن میں بڑے بڑے نامور و معزز ارکان سینٹ بھی تھے مظالم کا اس پر بھی خاتمہ نہیں ہوا۔ ماریوس جب فتحیابوں کی شان سے شہر کی سڑکوں پر گذرا تو عام حکم دے دیا کہ جس کسی کے سلام کا میں جواب نہ دوں وہ بلا تامل قتل کر ڈالا جائے اور ایک خلقتِ عظیم اس کے قدموں کے نیچے کاٹ کے ڈال دی گئی۔

یہ قتل و خونریزی روزانہ جاری تھی۔ اور غلاموں کی دست برد نے ایسا ہنگامہ مچا رکھا تھا کہ روحتہ الکبریٰ ایک ہیبتناک اور غضب الٰہی کا نمونہ بن گیا۔ یہاں تک کہ کوئن طوس سرطوریوس نام ایک معزز سردار روم کو غصہ آ گیا جس نے حماقت سے ماریوس ہی کی طرفداری کی تھی۔ وہ اپنے سپاہیوں کو لے کے نکلا اور فتنہ انگیز

غلاموں کے انبوہ پر ٹوٹ پڑا۔ اور ایسا قتل عام کیا کہ ایک ہی شب میں اس نے
چار ہزار غلاموں کو نیزوں سے چھید کے ڈال دیا۔ یوں کوئن طوس کی عنایت سے
خوں ریزی موقوف ہوئی۔

اب ماریوس ساتویں بار کونسل مقرر ہوا۔ مگر اس عہدہ سے بہرہ یاب ہونے
کی زیادہ مہلت نہ ملی۔ جلا وطنی کی مصیبتوں نے اُس کے تمام قویٰ بے کار کر دئے
تھے۔ اور کونسل منتخب ہو کے سولھویں دن ۸۶ قبل محمدؐ میں مر گیا۔ جبکہ اس کی
عمر اکھتّر برس کی تھی۔ اگر اس سے دس سال پہلے ہی وہ مر جاتا تو غالباً اس کے حق
میں بھی اچھا ہوتا اور دولت روم کے حق میں بھی۔ کیونکہ نہ وہ ذلیل و بے خانماں
ہوتا اور نہ قتل عام ہوتا۔

فصل سوم

سلّا ۶۵۹ قبل محمدؐ سے ۶۴۷ قبل محمدؐ تک

متھریڈاطیس شاہ پونطوس جس کے مقابلہ پر سلّا روانہ ہوا تھا سو ہنی بال
کے رومیوں کو اور جتنے حریفوں سے مقابلہ کرنا پڑا ان سب میں زیادہ قابل و ہنرمند
فرماں روا تھا۔ وہ قدیم کیانی شاہانِ ایران کی نسل سے تھا اور یونانی مذاق کی تعلیم پائی
تھی۔ پچیس زبانوں میں گفتگو کر سکتا تھا۔ اور فن طب کا ایک متبحر عالم تھا۔ اسکی مستعدی
و جفاکشی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ قابل حیرت تھی۔ اور اکثر ایسا ہوا کہ جب لوگوں کو
ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو اس نے کوئی نہ کوئی تدبیر سوچ کے صورت فلاح ضرور
پیدا کر لی۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ دغاباز اور ظالم بھی تھا۔ اس کی سلطنت کا آغاز
ہی اس سے ہوا کہ ماں اور بھائی کو قتل کر ڈالا۔ رعایا میں سے بھی اکثر لوگ اسکی شمشیر
خون آشام کی نذر ہوئے۔ اور اس کے عیوب میں سے ایک یہ بھی تھا کہ بڑا شرابی تھا۔

ایشیا کے جو ممالک قلمرو روم میں داخل تھے۔ اُن کا ایک بڑا حصہ اس نے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور اُن تمام شہروں میں جو رومیوں کی حکومت سے آزاد ہونا چاہتے تھے احکام جاری کر دیے کہ جتنے رومی یا اہلِ ایطالیہ ملیں ایک معینہ شب کو صبح ہونے سے پہلے قتل کر ڈالے جائیں اس حکم کو اہلِ ایشیا نے بڑی خوشی سے قبول کیا کیونکہ رومیوں کا سلوک اُن کے ساتھ بہت ہی بُرا تھا۔ غرض بڑا بھاری قتل عام ہوا جس میں نہ عورتیں چھوڑی گئیں نہ بچے، اور تقریباً اسّی ہزار آدمی مار ڈالے گئے۔ اس کے بعد اس نے یونان میں لشکر بھیجا اور ایتھینہ اور بہت سے مشہور شہروں پر قابض ہو چکا تھا کہ سی لا اپنے رومی لشکر کو لئے ہوئے آپہونچا۔ آتی کا پھر اپنا قبضہ کیا۔ اور متھرا داطیس کو اس طرح متواتر اتنی شکستیں دیں کہ آخر اس نے مجبور ہو کے صلح کی درخواست پیش کر دی۔

سی لا نے یہ درخواست خوشی سے قبول کی۔ کیونکہ ان دنوں اسے روما الکبریٰ سے بالکل کمک یا رسد نہ ملتی تھی اور گرد نواح کے علاقوں کو لوٹ کے وہ اپنی زندگی بسر کرتا اور فوج کو پال رہا تھا۔ علاوہ بریں اسے وطن واپس جانے کی بھی جلدی تھی تاکہ اپنے اُن دوستوں کے خون کا بدلہ لے جو ماریوس کے طرفداروں کے ہاتھ سے قتل ہوئے تھے۔ انھیں اسباب سے اس نے متھرا داطیس کو اس بات پر مجبور کر کے اپنے مفتوحہ علاقہ کا ایک بڑا حصہ واپس کر دے۔ صلحنامہ پر دستخط کیے اور روما الکبریٰ کی راہ لی تِنہ تو خود اپنے ہی ایک سپاہی کے ہاتھ سے مارا جا چکا تھا مگر باغیوں کا گروہ اب تک روم پر قابض تھا۔ وہ لوگ سی لا کے مقابل فوج کشی پر آمادہ ہو گئے۔ مگر سی لا کے پہونچتے ہی سرکش سپاہی جن کا معمول تھا کہ کوئی ممتاز افسر ملا اور اس کے ساتھ ہو گئے اپنی جماعت سے ٹوٹ ٹوٹ کے اُس سے آملے۔ فقط تھوڑے سے سامنی لوگ مخالفت پر اڑے رہے۔ جن کو

خاص روما کی شہر پناہ کے نیچے اُس نے فاش شکست دی۔ تین ہزار کو اسیر کر لیا اور فتحمندی کے ساتھ شہر روم میں داخل ہوا۔
اب سی لا کے انتقام لینے کی باری آئی۔ اس نے ماریوس سے بھی بڑھ کے بلکہ بدرجہا زیادہ خوں ریزی کی۔ اور تمدن کے قوانین نظام عالم کے سفید صفحہ پر جیتے دھبے اس کا جاہل حریف بھی نہیں لگا سکتا تھا اُس نے باوجود تعلیم یافتگی کے اپنے ہاتھ سے لگا دیے۔ اُس کی خوں ریزی کا آغاز اس سے ہوا کہ پہلے وہ تین ہزار سامنی اسیر قتل کیے گئے اور جب اُن کے چیخنے چلانے کا شور وہاں پہونچا جہاں ارکان سینٹ جمع تھے اور ان کا خیال اس شور کی طرف متوجہ ہوا تو سی لا نے کہا "آپ اپنا اجلاس کیے جائیں۔ یہ چند بدمعاشوں کا شور ہے۔" اس کے بعد سی لا کو سینٹ نے ڈکٹیٹر مقرر کیا۔ وہ ہر روز سوار ہو کے نکلتا اور جن لوگوں کو اپنا دشمن تصور کرتا ان کی ایک کثیر التعداد جماعت روزانہ قتل ہو جاتی۔ یہاں تک کہ ارکان سینٹ نے گھبرا کے اور اس بے اطمینانی سے عاجز آ کے التجا کی کہ آپ ایک ساتھ بتا دیجیے کہ کون کون لوگ قتل ہوں گے اور کون زندہ رکھے جائیں گے۔ تاکہ جن لوگوں کو زندہ رہنا ہو انکے دل سے موت کا دھڑکا دور ہو، ان کی درخواست کے مطابق سی لا نے واجب القتل لوگوں کی ایک فہرست بنا کے فورم میں آویزاں کرا دی۔ جس میں تقریباً نو ہزار آدمیوں کے نام درج تھے۔ مگر آخر میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ "جن لوگوں کے نام بعد میں یاد آئیں گے اس فہرست میں اضافہ کر دیے جائیں گے۔" اس میں صرف انھیں لوگوں کے نام نہ تھے جو خاص سی لا کے دشمن تھے۔ بلکہ سی لا کے ہمراہیوں، پیرووں اور سپاہیوں میں سے بھی اگر کسی کو کسی سے عداوت و مخالفت تھی تو اس بیچارہ کا نام بھی اس میں موجود تھا۔ بہت سے ایسے بھی تھے جن سے سی لا کے کسی ہمراہی سے زمینداری کے متعلق ڈانڈا مینڈی تھی۔ چنانچہ ایک غریب سہمے ہوئے آدمی کی

زبان سے اس فہرست میں اپنا نام دیکھ کے یہ الفاظ نکلے "آہ میری موت کا باعث میرا مقام البا دالامکان ہے" یہ کہہ کے چند ہی قدم گیا ہوگا کہ سُلّا کے ایک سپاہی نے چھری بھونک کے اس کا کام تمام کر دیا۔

یہی کشت وخون ایطالیہ کے تمام صوبوں اور ضلعوں میں جاری تھا۔ یہانتک کہ تمام علاقے خاصۃً علاقہ سامنی ام بالکل ویران وتباہ ہو گئے۔ بہ ہزار خوبی بصد سُلّا کے خون کی پیاس بجھی اور اب وہ اس حکومت کے از سرِ نو قائم کرانے پر آمادہ ہوا جسے ماریوس اور فتنہ نے درہم وبرہم کر دیا تھا۔ اس کام میں اس نے نہایت ہی دانائی وقابلیت ظاہر کی۔ مگر اس اعلیٰ طرزِ حکومت کو دیکھ کے اور افسوس ہوتا ہے کہ جن ہاتھوں سے اس کی بنیاد پڑی وہ کتنی بڑی خون ریزی کر چکے تھے اور کتنے بڑے کشت وخون کے بعد رومۃ الکبریٰ کو یہ حکومت نصیب ہوئی۔

جب تمام انتظامات قائم ہو گئے اور اس نظام حکمرانی نے سٹی زن لوگوں کی تعداد بہت بڑھا دی تو سُلّا نے ڈکٹیٹر کے عہدہ کو چھوڑ دیا اور اپنے علم وفضل کے مذاق کے مطابق لٹریری کاموں میں مشغول ہوا۔ خود اپنا ایک تذکرہ لکھا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس کے مکمل ہونے کے دوسرے ہی دن مر گیا۔ موت کا سبب یہ ہوا کہ کسی ناگوار واقعہ پر اسے یکایک ایسا طیش آیا کہ ایک رگ پھٹ گئی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ مدت سے کسی مہلک مرض میں مبتلا تھا جسے سخت جرائم کی سزا کے طور پر خدا نے اس پر نازل کیا تھا۔ بہر تقدیر اس کی موت سنہ ۶۴۷ قبل محمدؐ میں ہوئی۔

فصل چہارم

پومپے ای دسنہ ۶۴۷ قبل محمدؐ سے سنہ ۶۳۴ قبل محمدؐ تک)

سُلّا رومۃ الکبریٰ کو جس حالت میں چھوڑ گیا تھا وہ تقریباً بیس سال تک قائم رہی

اس مدت میں سب سے زیادہ سربرآوردہ شخص مارقوس طولیوس قی قرو تھا۔ اصلیت کے لحاظ سے اس کا شمار سواروں کے طبقہ میں تھا۔ اور پیشہ کے اعتبار سے وہ مقنن تھا۔ بڑا صاحب علم تھا اور فصاحت و بلاغت میں دے موس تھے نیز کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ اس کی رائے ہمیشہ صائب رہتی۔ اور ملک کی فلاح ہی کی فکر میں لگا رہتا اس میں تبختر وغیرہ کی قسم کے چند عیوب بھی تھے۔ مگر باوجود ان کے عہد قدیم کے مصلحان ملک میں سے کسی کا دامن اس قدر بے داغ نہیں ہے جس قدر کہ اس کا تھا اپنے کونسل ہونے کے زمانہ میں اس نے سلطنت کے خلاف ایک سازش کا پتہ لگایا جس کا سرغنہ لوقیوس سرجیوس قاطی لینا نام ایک بدمعاش تھا۔ اس موقع پر اس نے جو فصاحت وبلاغت کا جوہر دکھایا ہے اس کے مشہور ترین کمالات علمی میں شمار کیا جاتا ہے۔ اپنے دوستوں کے نام اس نے جو خطوط لکھے تھے وہ بھی اس وقت تک موجود ہیں جن کو دیکھ کے رومیوں کے اوضاع واطوار اور اس عہدہ کے خیالات کی تصویر نظر کے سامنے آجاتی ہے۔

مارقوس پورقیوس قاتو بھی اس زمانہ کا ایک نہایت ہی منصف مزاج اور راستباز شخص تھا۔ مگر اپنے ماسبق لوگوں کی طرح اس کا بھی یہ خیال تھا کہ ایک سنسر کی قابلیت اسی میں ہے کہ درشت مزاج ہو۔ اور اس کا طرز عمل ناگوار ہو۔ چنانچہ وہ نہایت مغرور تھا اور اپنے تبختر کو اس طریقہ سے ظاہر کرتا کہ میل جول میں درشتی تھی اور وضع ولباس میں سب لوگوں سے الگ رہتا۔ ان باتوں کی وجہ سے لوگ اسے ہر صحبت میں ناپسند کرتے۔ اگرچہ بہ ظاہر سب کو اس کی تعظیم کرنا پڑتی۔

مگر قی قرو اور قاتو دونوں میں سے سب کر اور بہادر کوئی بھی نہ تھا۔ اس دور میں جمہوریت رومہ کی فوج کا افسر اعلیٰ قیوس پوم پے ای یوس ماگ نوس تھا جو زیادہ تر پوم پے اعظم کے نام سے مشہور ہے۔ جس نے نہایت کم سنی ہی کے زمانہ میں بڑی لاگی زیر نگرانی

اپنے آپ کو چمکانا شروع کر دیا تھا۔ ملکی خدمات پر وہ اسپین، عنقلیہ اور افریقیہ میں بھیجا گیا تھا، قبل اس کے کسی اعلیٰ خدمت پر مامور ہو ہنوز پچیس ہی برس کی عمر تھی کہ اسے ٹرائمف کی عزت و نام وری حاصل ہو گئی۔ جہاں کہیں وہ والیِ ملک بنا کے بھیجا گیا وہ ملک سرسبز ہو گیا اور وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے ہاتھوں کو ہمیشہ سخت گیری و دست بُرد سے روکے رہا جس مرض میں سارے رومی سردار مبتلا تھے۔ وہ خراج گزار و مفتوح رعایا کو ناانصافی و بے رحمی سے محفوظ رکھتا تھا۔ بحیرۂ روم کو اس نے دریائی لٹیروں کے ایک گروہ سے صاف کر دیا۔ اُن لوگوں نے قی لی قیا کے قلعہ کو اپنا مامن قرار دے کے سمندر میں آفت مچا رکھی تھی، جو کوئی رومی جہاز یونان کی طرف روانہ ہوتا اسے گھیر کے پکڑ لے جاتے۔ اور جو لوگ اُن کے ہاتھ میں گرفتار ہوتے اُن کو بہت کچھ زرِ فدیہ لے کے چھوڑتے۔ اسی طرح اس کے پاس کے سواحل پر سے مردوں عورتوں اور بچوں کو پکڑلے جاتے اور غلاموں کی طرح دیگر مقامات میں لے جا کے فروخت کر ڈالتے۔

پوم پے ای ان بحری ڈاکوؤں پر غالب آیا۔ اُن کے قلعہ قی لی قیا تک بڑھ جا کے اُن کا محاصرہ کیا اور یہاں تک مجبور کیا کہ انھوں نے اپنے جہازوں کو اور خود اپنے تئیں اس کے حوالہ کر دیا۔ ان لوگوں کو مغلوب و مقہور کر کے اُس نے بجائے اس کے کہ انھیں پکڑ کے قتل کر ڈالے یا بازاروں میں فروخت کرے۔ یہ کارروائی کی کہ انھیں اُن شہروں میں جو ساحل سے فاصلہ پر تھے آباد کر دیا۔ ان کے لئے پیشہ اور مشاغل پیدا کیے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز بعد وہ لوگ امن دوست اور متمدن بن گئے۔ اس کے بعد اس نے متھ ری داطیس کے مقابلہ میں فوج کشی کی، جو تھوڑے زمانہ سے بتھی نیا پر قبضہ کرنے کے لئے ایک رومی لشکر سے لڑ رہا تھا جس کا سپہ سالار لوقیوس تھا لوقیوس کی اس مہم کو پورا کرنے کے لئے پوم پے ای آ پہونچا تو متھ ری داطیس کی

دشواریاں بڑھ گئیں۔ تاہم وہ بڑا بہادر اور ہوشیار فرمانروا تھا۔ جان پر کھیل کے نہ مغلوب ہوسکنے والے جوش سے لڑا۔ جب اپنے پہلے لشکر کے تباہ وغارت ہوجانے کا اندیشہ ہوا تو اس نے نیا لشکر جمع کرلیا۔ اور حیرت انگیز ہوشیاری اور مستعدی ظاہر کی مگر اس کا کوئی علاج نہ تھا کہ خود اس کے بیٹے فارناقیس نے اس کے ساتھ دغابازی کی۔ ایسے نازک وقت پر رومیوں کے ہاتھ میں اسیر ہونے کی ذلت سے بچنے کے لئے اس نے اپنے آپ کو تریاقی اجزار کے استعمال کا اس قدر عادی بنالیا تھا کہ زہر کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ جب یوں بھی زور نہ چلا تو اپنے ایک غلام کے ہاتھ سے اپنے آپ کو قتل کرا ڈالا۔

پوم پے ای نے اس لڑائی کے اثنا میں سارے علاقہ مشرق میں بڑی بھاری عظمت حاصل کرلی۔ اور ایک بار شہر دمشق میں ایک دربار کیا جس میں بارہ سے کم باج گزار صاحبان تاج وتخت شریک نہ تھے۔ جن میں ایک انطیوکوس ایشیا طیقوس تھا جو کہ خاندان سلوقوس نکاطور کا آخری وارث تھا۔ اسے طگرانیس شاہ ارمن نے ارض شام سے نکال کے باہر کردیا تھا۔ اور اب چونکہ اس کا حریف متھ ری داطیس کے ساتھ مغلوب ومقتول ہوچکا تھا۔ لہذا اس نے رومیوں سے التجا کی کہ اپنے خاندانی تخت پر بٹھایا جائے، مگر رومی سردار پوم پے ای نے اس کی سنوائی نہ کی۔ اور ارض شام دولت روم کا ایک صوبہ بنالی گئی۔ بطلیموس آدلے طیس یعنی نے نواز بھی اس دربار میں تھا جو مختلف انقلابوں کے باعث تخت مصر سے محروم ہوگیا تھا۔ وہ دولت روم کے ایک دوست کی حیثیت سے مملکت مصر پر بھی قابض ومتصرف کیا گیا۔

ہرقانوس اور ارسطوبولوس جو بھائی بھائی تھے وہ بھی پوم پے ای کے دربار میں شریک تھے، یہ دونوں ارض فلسطین کی حکومت کے دعوے دار اور ایک

دوسرے کے مخالف تھے۔ ارسطوبولوس نے ایک طلائی انگور پوم پے ای کے سامنے نذرانہ میں پیش کر کے اسے اپنا طرفدار بنانا چاہا، مگر جب دیکھا کہ بظاہر وہ ہرقانوس کا طرفدار معلوم ہوتا ہے تو لپک کے بیت المقدس میں پہونچا اور لڑنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مگر پوم پے ای بھی اس کے پیچھے ہی تعاقب کرتا ہوا جا پہونچا۔ شہر کو محاصرہ کر کے فتح کر لیا۔ اور اس رومی فاتح پوم پے ای کی جرأت یہاں تک بڑھی کہ ہیکل سلیمانی کے اندر داخل ہوا۔ اسی قدر نہیں حرم الحرام کے اندر بھی گھس گیا۔ جدھر قدم بڑھانے کی کسی اسرائیلی کو بھی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اس کی سزا میں پوم پے ای پر کوئی فوری عذاب تو نازل نہیں ہوا، مگر لوگوں کو نظر آ گیا کہ اسی بے ادبی کے وقت سے اقبال نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس نے ہرقانوس کو فرمانروا اور مقتدائے دین بنایا۔ انطی پاسں نام ایک اور رومی نژاد شخص کو بھی جو ملت موسوی کا پابند تھا۔ دولت روم کی طرف سے محافظ ارض یہود اقرار دے دیا جو ہرقانوس پر بالادست تھا۔

فصل پنجم

پہلا اتحاد ثلاثہ (سنہ ۶۳۴ قبل محمدؐ سے سنہ ۶۱۹ قبل محمدؐ تک)

پوم پے ای یہ اولوالعزمی کا سفر ختم کر کے جب رومتہ الکبریٰ میں پہونچا تو دیکھا کہ اتنے دنوں کی عدم موجودگی سے میری ہردلعزیزی میں بڑا فرق آ گیا ہو اور لوگوں کا زیادہ تر رجحان لی قی نوس قراسوس کی جانب ہے۔ جو دولتمند کے لقب سے مشہور تھا۔ اور جس نے چند قرار شدہ سواروں اور قیوس یولیوس قیصر کا ہنگامہ فرو کر دیا تھا۔

یولیوس قیصر (جو لیس سیزر) اعلیٰ خاندان بطارقہ سے تھا۔ اس کے خاندان

کو دعویٰ تھا کہ وہ لوگ اسے لیاس کے بیٹے یولوس کی کونسل سے ہیں اور اسی کے نام سے
ان کا خاندانی لقب بھی ماخوذ ہے لیکن اس کی چچی کی شادی ماریوس کے ساتھ ہو گئی تھی
جس تعلق کی بنا پر اسے شورش پسند لوگوں کی جماعت سے بھی ایک واسطہ پیدا ہو گیا
تھا۔ ماسوا اس کے اس نے غور کیا تو صاف نظر آیا کہ ادنیٰ طبقہ والے رومیوں کا ساتھ
دینے سے ہی سلطنتِ اعلیٰ میں قوت بھی حاصل کر سکوں گا۔ اور سینٹ کی قوت کو بھی توڑ
سکوں گا۔ دراصل وہ عجیب و غریب کارناموں کا شخص تھا۔ بہت تعلیم یافتہ بڑا انشا
پرداز اور اعلیٰ ترین سپہ سالار تھا مگر عیب تھا تو یہ کہ نہایت شہوت پرستی اور کاہلی کی زندگی
بسر کرتا تھا۔ مزاج کے اعتبار سے اپنے اکثر ہم عصروں کو دیکھتے اگرچہ بالذات ظالم و
جابر نہ تھا، لیکن اس کی بھی پروا نہ تھی کہ میری اولوالعزمی پر کتنی جانیں قربان ہو گئیں۔

پومپے ای نے جب یہاں پہونچ کے یہ رنگ دیکھا کہ سینٹ کو میری ایشیا کی
اعلیٰ کارگزاریوں کی تصدیق کرنے میں بھی تامل اور پس و پیش ہے تو بے صبری میں اس
سے ایک بڑی بھاری غلطی ہو گئی جو اس کی زندگی کی تمام لغزشوں سے بڑھی ہوئی تھی اور
جس نے دولتِ جمہوری روم کی آزادی کو ہمیشہ کے لئے پامال کر دیا۔ وہ غلطی یہ تھی کہ
اُس نے قیصر اور قراسوس کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا۔ جس کا منشا یہ تھا کہ تینوں
مل کے ایک ہو جائیں۔ اس معاہدے کا نام رومی زبان میں طری یوم ویرات (اتحاد
ثلاثہ) قرار دیا گیا۔ اس عہدنامہ کی رو سے تینوں کا فرض تھا کہ ایک دوسرے کے ممد و
معاون رہیں۔ اور سلطنت کو اپنا مطیع بنائے اور اس کے دشمنوں کے زیر کرنے میں
بھی تینوں اپنی اپنی قوت سے دوسروں کی رفاقت کریں۔ آخر سینٹ کو ان سرداروں
کی عظمت ماننے پر مجبور ہونا پڑا، چنانچہ اس نے قیصر کو گالیا (جرمن) کی سلطنت اور ایک
فوج دی۔ قراسوس کو ایشیا کا صوبہ دیا اور پومپے ای نے مشرق میں جو کارگزاریاں
دکھائی تھیں ان کی تصدیق کی اور اسے اسپین کا پروکونسل بنا دیا۔

قراسوس اپنی خدمت پر روانہ ہو کے یروشلم (بیت المقدس) میں پہونچا جہاں جاتے ہی اُس نے حرم ربانی کا خزانہ لوٹ لیا۔ اور وہاں سے فوج لے کے پارتھیا والوں کے مقابلہ کو روانہ ہو گیا۔ جب سے ارض شام قلمرو میں داخل کر لی گئی تھی پارتھیا ایک سرحدی علاقہ بن گیا تھا۔ وہاں ایک جنگجو قوم آباد تھی جو نہایت ہی اچھے شہسوار اور بڑے چابک دست تیرانداز تھے ان کی لڑائی کی یہ شان تھی کہ دشمن جب حملہ کرتے بھاگ کھڑے ہوتے، مگر دور سے تیروں کا ایسا مینھ برسا دیتے تھے کہ حملہ آوروں میں سے بہت کم لوگ ان کے ہاتھ سے جانبر ہو کے گھر جاتے۔ میسوپوٹامیا (ارض عراق) کے میدانوں میں داخل ہوتے ہی قراسوس دشمنوں کے نرغہ میں گھر گیا۔ اُس کے بہت سے ہمراہی سوار دلدل میں پھنس کے رہ گئے۔ غرض رومی سپاہیوں میں سوا چند لوگوں کے جنھیں قیوس قاسیوس لانجی نیوس نام ایک افسر ارض شام سے واپس لے آیا، سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ خود قراسوس کا یہ حشر ہوا کہ پارتھیا کے بادشاہ نے اس کا سر کاٹا اور اس کی حرص و ہوس پر مضحکہ اُڑانے کے لئے سونا گلا کے اُس کے منھ میں بھر دیا۔ قراسوس اگرچہ غریب الوطنی میں مارا گیا۔ مگر اپنے بیٹے کے لئے ایک بڑی بھاری دولت چھوڑ گیا تھا۔ بیٹا حد سے زیادہ فضول خرچ تھا۔ ساری دولت چند ہی روز میں اُڑا دی۔ اور جب مفلس ہوا تو لوگ بنانے اور ذلیل کرنے کے لئے اکثر اسے قراسوس دی دیس یعنی قراسوس دولتمند کے لقب سے پکارا کرتے۔

ادھر قراسوس پر تو یہ آفتیں نازل ہوئیں ادھر قیصر علاقہ گال میں پہونچا تو وہاں فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وہاں وہ مسلسل نو سال تک رہا اور اس زمانہ میں سخت معرکہ آرائیوں کے بعد اس نے سارے گالیا کو فتح کر کے وہاں کے تمام دلیر باشندوں کو مغلوب و مطیع بنا لیا اور اس کی کارگزاریوں سے گالیا بھی دولت روم کا ایک صوبہ بن گیا۔ اسی سلسلہ میں یولیوس قیصر نے دو مہمیں جزیرۂ انگلستان پر بھی بھیجیں

کیونکہ یہ پہلا رومی سردار ہے جس نے پہلے پہل کوشش کی کہ انگلستان کو بھی قلمرو میں داخل کرلے۔ اس کی ان دو مہموں میں سے پہلی مرتبہ تو اسے صرف اس قدر کامیابی حاصل ہوئی کہ ساحل انگلستان پر لڑ بھڑ کے اتر گیا اور دوسری بار دریا ٹیمس کے شمالی علاقوں تک بڑھ گیا۔

مگر اس سارے زمانہ میں باوجود ان کامیابیوں اور کارگزاریوں کے اس کی اصلی غرض یہ نہ تھی کہ سلطنت کی خدمت بجالائے اور دولت روم کو ترقی دے بلکہ اس کا دلی مقصد یہ تھا کہ ایسی اعلیٰ درجہ کی فوج تیار کرے جو اس کی ذات سے وابستہ اور اس کی جاں نثار ہو تاکہ اس کی مدد سے وہ سینٹ پر غالب آئے اور ساری دولت روم پر قابض و متصرف ہو جائے۔

پوم پے ای روم ہی میں مقیم رہا اس کی فوج اس کے پاس تھی اور اس کے نائب اُس کے نام سے اسپین پر حکومت کر رہے تھے۔ اہلِ رومہ کے خوش کرنے، اور دار السلطنت کی سوسائٹی میں وقار حاصل کرنے کے لئے اس نے دھوم دھام سے کئی ضیافتیں کیں جن میں وحشی درندوں کی لڑائیوں کے عظیم الشان تماشے دکھائے گئے۔ انھیں ضیافتوں میں پہلے گینڈا لاکے اہلِ روم کے سامنے پیش کیا گیا جسکی صورت سے دولتہ الجبری والوں کی نگاہیں ناآشنا تھیں۔ علاوہ بریں ان دعوتوں میں پانچ سو شیر ببر قتل ہوئے، ڈرامے کے کھیل بھی ہوئے اور سواروں کے کرتب بھی دکھائے گئے اور پوم پے ای نے ان قومی دعوتوں میں یہانتک الوالعزمی دکھائی کہ خود اپنے صرف سے ایک نیا ایتھی تھیٹر تعمیر کرا دیا۔

ابتدا میں اس سے اور قیصر سے بڑی دوستی تھی اور اس سے اس قدر وابستہ تھا کہ اپنے اثر کو اس کی موافقت میں کام میں لاتا اور سینٹ کو کبھی سر نہ اٹھانے دیتا۔ لیکن جب قیصر کی خود غرضانہ الوالعزمیاں زیادہ نمایاں اور عالم آشکارا ہونے

لگیس تو پوم پے ای نے اپنے اگلے اصول پھر اختیار کر لیے اور جوش و خروش کے ساتھ سینٹ کی تائید کرنے لگا۔ قیصر علاقہ گال کو پوری طرح مغلوب کر کے واپس روانہ ہوا اور مارقوس انطونیوس نام اپنے ایک دوست کے ذریعہ یہ درخواست پیش کی کہ پوم پے ای کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ میرے داخلہ سے پہلے اپنی فوج کو توڑ دے۔ اس کی اس درخواست کے قبول کرنے سے انکار کیا گیا اور انطونیوس ندکور رومتہ الکبریٰ سے بھاگ کے قیصر کے پاس پہونچا اور اسے اطلاع دی کہ آپکا روم میں آنا خطرے سے خالی نہیں۔

مگر قیصر نے اس کی پروا نہ کی۔ اپنے لشکر کو لے کے اور آگے بڑھا اور گو ممانعت تھی کہ بغیر سینٹ کی اجازت کے کوئی لشکر اس کی قلمرو میں نہ داخل ہو وہ کمال بیباکی کے ساتھ سرزمین روم میں گھس آیا۔ علاقہ گال اور قلمرو ایطالیہ کی سرحد پر ایک ندی ہے جو روبی قون کہلاتی ہے اس سے پار ہوتے وقت قیصر چند لمحوں تک پس و پیش میں رہا کہ اُتروں یا نہ اُتروں، مگر آخر دل مضبوط کر کے اُتر پڑا۔ اور اسی وقت سے ضرب المثل کے طور پر یہ محاورہ پڑ گیا کہ جو کوئی شخص گومگو کے عالم سے یکسوئی کر کے کسی مہم میں قدم رکھ دے۔ اس کی نسبت کہتے ہیں کہ "روبی قون سے پار ہو گیا"۔ جیسے ہی یہ خبر رومتہ الکبریٰ میں پہونچی سینٹ نے پوم پے ای کو اپنی حمایت پر مامور کیا۔ ان دنوں روم میں نہ کوئی زبردست لشکر موجود تھا اور نہ فوری طور پر کوئی ایسا لشکر مرتب کیا جا سکتا تھا جو قیصر کے آزمودہ سپاہیوں کا مقابلہ کر سکے۔ پوم پے ای فوج جمع کرنے کے لئے جنوبی ایطالیہ میں گیا، پھر یونان کی راہ لی۔ اس سفر میں تمام ارکان سینٹ، کونسل اور تقریباً وہ تمام اشخاص جو پرانی وضع سلطنت سے علاقہ رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ تھے پوم پے ای فوج کی جستجو ہی کرتا رہ گیا اور قیصر نے پوم پے ای کے اُن لشکروں کو جو اسپین میں تھے شکست دے کے رومتہ الکبریٰ

پر قبضہ کیا۔ اور اس کے تعاقب میں یونان کی راہ لی۔ پوم پے ای اپنی کمزوری دیکھ کے مقابلہ سے بچتا تھا۔ مگر آخر اسے مقابلہ کرنا ہی پڑا۔ تھسلی کے شہر فرسالا میں ایک بڑی بھاری لڑائی ہوئی جس میں غریب پوم پے ای شکست کھا کے بھاگا۔ بال بچوں کو لے کے جہاز پر سوار ہوا اور اسکندریہ کی راہ لی۔ جس بطلیموس کی اس نے تلاج بخشی کی تھی اور صاحب سریر سلطنت بنایا تھا، وہ تو مر چکا تھا۔ مگر اس کے بیٹے سے امید تھی کہ اگلے حقوق کا کچھ پاس و لحاظ کرے گا۔ جیسے ہی بندرگاہ میں داخل ہوا ایک کشتی اس کے استقبال کو آئی اور وہ ایک شریف رومی شخص کے ساتھ اُتر کے کنارے گیا۔ کشتی ساحل سے لگی اور اس نے کشتی سے قدم باہر نکال کے زمین پر رکھا ہی تھا کہ ایک دغاباز رومی نے پیچھے سے آ کے پہلو میں چھری بھونک دی اور پوم پے ای اسی جگہ ڈھیر ہو گیا۔ اس کا سر کاٹ لیا گیا، بے سر کی لاش رات تک دریا کے کنارے پڑی رہی، یہاں تک کہ اُس شریف رومی نے جو اس کے ساتھ اُترا تھا اور ایک دوسرے رومی سپاہی نے مل کے جہازوں کے ٹوٹے ہوئے تختے جمع کر کے ایک چتا بنائی اور لاش کو اس پر رکھ کے جلا دیا۔ پوم پے ای کی بی بی اور اس کے بیٹے نے اپنے جہاز پر سے اس کو مارے جاتے دیکھا تو فوراً جہاز کا لنگر اُٹھا دیا۔ اور اس بے دفا سرزمین سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ پوم پے ای کا بیٹا سکس طوس نشو و نما پا کے ایک معزز و ممتاز شخص ثابت ہوا جو اپنے باپ کی بہت سی خوبیوں کا وارث تھا۔

فصل ششم

یولیوس قیصر (سنہ ۶۱۹ قبل محمدؐ سے سنہ ۶۱۵ قبل محمدؐ تک)

پوم پے ای کے تعاقب میں یولیوس قیصر بھی ارض مصر میں پہونچا۔ سرزمین مصر

پر ندامت دیکھتے ہی اس کے حریف کا سر اس کے سامنے لا کے پیش کر دیا گیا۔ جسے دیکھ کے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ کیونکہ اگلی دوستی کے ساتھ خدا جانے کیا کیا باتیں اور کون کون صحبتیں یاد آ گئیں

اس کے بعد یولیوس مصر کی تخت نشینی کا جھگڑا چکانے میں مصروف ہوا۔ سابق فرماں روا بطلیموس آولےطیس مرتے وقت وصیت کر گیا تھا کہ اس کا بیٹا بطلیموس اور بیٹی قلوپطرہ (کلیوپیٹرا) بالاشتراک سلطنت کریں۔ لیکن نوعمر بادشاہ نے اپنی ہوشیار بہن کو نکال باہر کیا۔ قلوپطرہ نے بھائی کو بے ہر دیکھ کے ایک فوج جمع کر لی اور آمادہ ہوئی کہ اپنے حقوق کو بزور شمشیر حاصل کرے۔ لیکن یہ سن کے یولیوس قیصر سردار روم اسکندریہ میں آیا ہوا ہے، فریادی بن کے اس کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ یہاں پہونچ کے معلوم ہوا کہ قیصر کے دربار تک رسائی محال ہے تو پُرفن قلوپطرہ نے یہ چالاکی کی کہ اپنے آپ کو کپڑوں کے ایک گٹھر میں بندھوا دیا اور ایک شخص تاجرانہ حیثیت سے اس گٹھر کو لے کے قیصر کے محل میں پہونچا۔ اسکے سامنے جب وہ گٹھر کھولا گیا تو اس میں سے قلوپطرہ نکلی جس کے دلفریب حسن و جمال دیکھ کے قیصر مبہوت رہ گیا۔ رعب حسن سے ہنوز لب ہلانے کی جرات نہ ہوئی تھی کہ قلوپطرہ نے فریاد کرنا شروع کی، اور اس کی دلکش آواز اور ناز آفرینی کی اداؤں نے اس کے دل پر اور بھی قبضہ کر لیا۔ الغرض قلوپطرہ نے اپنے حسن کے جادو سے یولیوس قیصر کو ایسا گرفتار کیا کہ دو سال تک مصر ہی میں پڑا رہا اور سوا قلوپطرہ کی ناز برداری کے دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا۔ یولیوس نے بلا تکلف قلوپطرہ کو ملکۂ مصر بنا دیا۔ اور اس کا بھائی بطلیموس دریائے نیل میں ڈبو دیا گیا۔ دو سال کے بعد یولیوس قیصر مصر کو چھوڑ کے ایشیا کی طرف روانہ ہوا، وہاں سولہ دن کے اندر متھرادی داطیس کے دغاباز بیٹے فرناقیس کو شکست دے کے مطیع فرمان بنا

اور جہاز پر سوار ہو کے افریقہ کی راہ لی۔ جہاں قاتو اور پرانی جمہوریت کے اور بہت سے زبردست حامی جمع تھے اور اُن لوگوں نے موری طانیہ کے بادشاہ یوبا سے تعلقات بڑھا لئے تھے۔

یہاں بھی لڑائی ہوئی اور قیصر نے مقام تھاپ سوس میں ایک دوسری نمایاں اور مکمل فتح حاصل کی۔ اب قاتو نے اپنے دوستوں کو اُبھارا کہ شہر علیقہ کے محاصرہ میں استقلال دکھائیں مگر کچھ نتیجہ نہ ہوا۔ تب اس سے جہاں تک بنا اس بات کی کوشش کی کہ انھیں وہاں سے بھگا دے۔ مگر اب وہ بالکل مایوس تھا اور اسے یقین ہو گیا کہ رومتہ الکبریٰ کی آزادی و جمہوریت تشریف لے گئی۔ جمعیت نے اس کو بھی گوارہ نہ کیا کہ فتحیاب قیصر کی اطاعت قبول کر لے۔ دینی اُمید و آرزو کا جلوہ اس کی نظر کے سامنے نہ تھا۔ آخر سب طرف سے مایوس ہو کے اپنے چھری مار لی۔ اس کے دوستوں نے اُسے زندہ پایا اور زخم باندھ دیا۔ لیکن قاتو نے اپنی پٹی خود ہی نوچ کے پھینک دی اور اُسی کے ساتھ دم بھی توڑ دیا۔ قیصر جب اس کی لاش پر پہونچا تو اس کی لاش بے جان کی طرف خطاب کر کے کہا "قاتو! تیرے حسد نے اس کو بھی گوارا نہ کیا کہ اپنی جان بچانے ہی کی عزت مجھے حاصل ہونے دے!"

اب رومتہ الکبریٰ اور اس کی ساری قلمرو کا پورا مالک قیصر تھا۔ جمہوری سلطنت کے تمام حامیوں نے یا تو اطاعت قبول کر لی یا مارے گئے اور سینٹ مجبور تھا کہ اسی کی مرضی پر چلے اس کا تابع فرمان رہے۔ وہ مدت العمر کے لئے ڈکٹیٹر مقرر ہو گیا اور ان کارروائیوں کے بعد رومتہ الکبریٰ میں واپس آیا تو مسلسل چار دن تک چار ٹریمفوں کی عزت حاصل کی۔ ان ٹریمفوں میں اس کے فتوحات مشرق کے اظہار کی غرض سے ایک جھنڈا نکالا گیا۔ جس کے پرچم پر یہ الفاظ لکھے تھے "و ے

ئی - وی - وی سی ۔ (میں آیا، میں نے دیکھا، میں نے فتح کیا) ان الفاظ سے اس جانب اشارہ تھا کہ میں نے کس طرح جھٹ پٹ فرناقیس کی فتح حاصل کر لی۔ اس کے بعد اُس نے لوگوں کو بہت سا غلّہ اور روپیہ تقسیم کیا۔ اپنے سپاہیوں کو زمینیں دیں۔ سٹی زن شپ۔ یعنی رومی نژاد ہونے کے حقوق زیادہ وسیع کئے اور اس طریقہ سے اپنی ہر دلعزیزی بہت بڑھا لی۔

یولیوس قیصر کو منجملہ اور باتوں کے کے لنڈر (تقویم) کی اصلاح میں بھی شہرت حاصل ہے۔ کیلنڈر کا لفظ "کالنڈ" سے نکلا ہے جو کہ لاطینی زبان میں مہینہ کے پہلے دن یعنی غرہ کا نام ہے۔ اس لئے کہ اس زبان میں مہینہ کے دن مختلف ناموں سے یاد کئے جاتے تھے۔ رومیوں کے حساب کے مطابق اس وقت تک سال کبھی بہت بڑا ہوتا تھا اور کبھی بہت چھوٹا۔ چنانچہ گرمیوں اور جاڑوں کا وسط بجائے سال کے صحیح ایام میں واقع ہونے کے خزاں اور بہار میں جا پڑتا تھا۔ اس خرابی کے دور کرنے کے لئے قیصر نے حکم دیا کہ آئندہ سے سال ۳۶۵ دن کا ہوا کرے، اور چونکہ سال کا حقیقی زمانہ ۳۶۵ دن اور ۶ گھنٹوں کے قریب ہوا کرتا ہے اس لئے ہر چوتھے برس جبکہ گھنٹوں کا شمار ۲۴ کو پہونچ جائے، ایک دن اور بڑھا دیا جائے اس حساب سے یہ فائدہ ہوا کہ برس کا زمانہ آفتاب کی اصلی رفتار سے پیچھے نہیں پڑنے پاتا۔ چھٹا علیح فروری دو دفعہ گنا جاتا، تاکہ حساب پورا ہو جائے یہ ۳۶۶ دن کے برس "بیس سکس ٹیل" کہلاتے تھے۔ قیصر نے یہ کام بھی کیا کہ بلاد قرطاجنہ اور کورنتھ کو پھر تعمیر کرایا۔ جنھیں ایک صدی پہلے رومیوں نے مسمار کر دیا تھا۔

قیصر کی یہ منصوبہ قوت و شوکت روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی۔ اور اس کے صاف آثار پائے جاتے تھے کہ اسے عملی طور پر شاہی حاصل کرنے کی خواہش ہے۔ اسپرا طور لوگ یعنی فتحمند سپہ سالاران فوج جس قسم کے صدا بہار ہار پہنا کرتے تھے ویسے

ہی ہار وہ ہمیشہ پہنے رہتا۔ اس کے دوستوں نے اس کی مورت کو شہر یاری کی تمام علامتوں سے آراستہ و مزین کیا۔ اگر چہ اس کا مقولہ تھا کہ مجھے اپنا نام قیصر ہی زیادہ عزیز ہے، میں بادشاہ بننا نہیں چاہتا۔ اور مارک انطونی نے جب اس کے سامنے ایک تاج شاہی پیش کیا تو عام لوگوں کے سامنے اس کے لینے سے بھی اُس نے انکار کر دیا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ چاہے وہ شاہی کے لقب کو نہ چاہتا ہو، مگر شاہی اقتدارات ضرور اپنے ہاتھ میں لیتا جاتا تھا۔

اب قاسیوس (وہ جو فراسوس کی فوج کے چند باقی ماندہ لوگوں کو لے کے چلا گیا تھا) قاتو کا داماد مارقوس یونیوس برو طوس جو رومتہ الکبریٰ کے سب سے پہلے کونسل کی نسل سے تھا۔ اُس کا چچازاد بھائی دقی موس اور روم کے چند اور لوگ یہ دیکھ کر کہ ایک شخص واحد نے جمہوریت کی بنیاد اُکھاڑ کے پھینک دی ہے آمادہ ہوئے کہ اپنے خنجروں سے کام لے کے ملک کی آزادی کو بچائیں۔ قاسیوس اور برو طوس دونوں کی جان صرف قیصر کی رحم دلی سے بچی تھی۔ اور دقی موس بھی اُس کے جھنڈے کے نیچے لڑ چکا تھا اور اس کا دلی جاں نثار، رنج و راحت کا شریک اور بڑا سچا دوست سمجھا جاتا تھا۔ اور ابھی اسی زمانہ میں قیصر کے ہاتھوں سے اسے گال کی حکومت عطا ہوئی تھی۔ مگر اگلے حقوق کو فراموش کر کے یہ تینوں نمک حرامی پر آمادہ ہو گئے اور مارچ کی ۱۵ تاریخ قیصر کے قتل کے لئے مقرر کی۔ قیصر خاص سینٹ کی عمارت میں مقیم تھا۔ اس سازش کے متعلق کچھ افواہیں بھی مشہور ہوئیں اور ایک نجومی نے قیصر کو متنبہ کر دیا کہ مارچ کی ۱۵ کو ہوشیار رہیے گا۔ قیصر کی بیوی نے ایک مہیب خواب بھی دیکھا اور میاں کو سمجھایا کہ اس دن آپ گھر سے باہر نہ جائیے گا۔ اتنے میں دقی موس برو طوس اُس سے آ کے ملا۔ اُسے باہر کی سیر کا شوق دلایا اور کہا محض ایک خواب کی بنیاد پر گھر میں چھپ کے بیٹھ رہنا نہایت ہی لغو بات ہے۔

قیصر اُس کے بہکانے سے باہر نکلا تھا کہ سڑک پر وہ نجومی نظر آیا جس نے پیشنگوئی کی تھی اس کی طرف دیکھ کے مُسکرایا۔ اور کہا "وہ مارچ کی ۱۵ تو آ گئی۔ نجومی نے جواب دیا "ہاں حضور آ تو گئی۔ مگر ابھی گزر نہیں گئی ہے"۔

اس کے بعد باہر کے دیوان خانہ میں جیسے ہی وہ کرسی پر بیٹھا ان پندرہ سازشیوں نے اس کے گرد حلقہ باندھ لیا جو اس کے قتل پر مامور تھے۔ پھر اُن میں سے ایک نے اس کے سامنے ایک عرضداشت پیش کی۔ قیصر نے اسکے منظور کرنے سے انکار کیا۔ لفظ انکار کے ساتھ ہی اُس پر ایک چھُری پڑی۔ وار کھاتے ہی اس نے مزاحمت شروع کی اور ارادہ کیا کہ ان لوگوں کے حلقہ میں سے نکل بھاگے۔ لیکن نہ نکلنے پایا اور ہر طرف سے اس پر حملے ہونے لگے۔

مرتے وقت بروطوس کی صورت دیکھ کے یہ الفاظ اس کی زبان سے نکلے۔ "اے تو بردت!" (ایں بروطوس تو بھی ہے؟) یہ کہتے ہی اُس نے اپنا چہرہ چادر میں چھپالیا۔ پھر زمین کی طرف جھکا اور پوم پے اعظم کی مورت کے نیچے گر کے مر گیا۔ یوں سنہ ۶۱۵ قبل محمدؐ میں مارچ کی ۱۵ کو دنیا کا بہت بڑا اقبال، بہت بڑا اولوالعزم اور نہایت مستقل مزاج بہادر اپنی عمر کے ستاونویں برس میں دغابازوں کے بُزدلانہ حملوں سے مارا گیا۔

فصل ہفتم

دوسرا اتحاد ثلاثہ (سنہ ۶۱۵ قبل محمدؐ سے سنہ ۶۱۳ قبل محمدؐ تک)

یولیوس قیصر کے بعد رومۃ الکبریٰ میں بڑی پریشانیاں پیدا ہوئیں۔ پُرانی جمہوریت کے طرفدار جن کا سرغنہ تی قرو تھا اس واقعہ پر بہت خوش ہوئے اور انھیں اطمینان ہوا کہ ہمیں پھر آزادی حاصل ہو گئی۔ لیکن مارک انطونی نے ادنیٰ طبقہ کے لوگوں

اور سپاہیوں کو اُبھار کے قیصر کے قاتلوں سے خون کا انتقام لینے کا شوق پیدا کر دیا۔ چنانچہ وہ لوگ گھبرا کے مجبور ہوئے کہ ملک چھوڑ کے کسی طرف بھاگ جائیں مار قوس بروطوس نے تو ایشیا کی راہ لی۔ دقی موس اپنی ولایت گال کو روانہ ہوا۔ اسی اثنا میں انطونی نے قیصر کا وصیت نامہ اور اس کی ساری جائداد اپنے قبضہ میں کر لی۔ جسے وہ اپنے بھتیجے قیوس اقطادیوس اور اپنی بہن یولیا کے پوتے کے لیے چھوڑ گیا تھا۔

اقطادیوس جب اٹھارہ برس کا نوعمر لڑکا تھا۔ روم میں آ کے اپنے چچا کے خاندان کا وارث اور اس کا متبنیٰ قرار پایا تھا۔ یہاں اس نے قیوس یولیوس قیصر اقطادیانوس کا لقب اختیار کیا تھا۔ پہلے یہ دیکھ کے کہ انطونی نے مجھے قیصر کے ورثہ سے محروم کر دیا ہے اس نے ناراضی ظاہر کی اور سینٹ کا طرفدار بنا۔ لیکن انطونی اب یولیوس قیصر کی پرانی کار آزمودہ فوج کا سردار تھا اور علانیہ بغاوت کر رہا تھا۔ اور دقی موس بروطوس نوعمر قیصر اقطادیانوس مذکور۔ اور مارقوس امےمی لیوس لے پی دوس والی گال میں سے ہر ایک شمالی ایطالیہ میں ایک جداگانہ لشکر لئے ہوئے اس کی مخالفت پر تیار تھا۔

نوعمر قیصر کو تھوڑے ہی زمانہ میں نظر آیا کہ دراصل میرا نفع اسی میں ہے کہ میں اپنے چچا کے لشکر کو راضی رکھوں، اور چونکہ طبیعت کا رُکا تھا اور دور اندیش تھا اور چنداں قول و قرار کا پابند بھی نہ تھا۔ اس لئے سینٹ سے بے وفائی کرنے پر فوراً آمادہ ہو گیا، تاکہ انطونی سے مِل جائے۔ ادھر لے پی دوس نے بھی جو یولیوس قیصر کا ایک افسر فوج تھا دیکھا کہ کامیاب ہونے والے یہی معلوم ہوتے ہیں۔ لہذا وہ بھی ان سے آملا۔ فقط دقی موس بروطوس رہ گیا اس کے ساتھی افسران فوج نے خود ہی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ یوں بے دست و پا ہو کے اس نے کوشش کی کہ مقدونیہ کے علاقہ میں بھاگ جائے، مگر گال کے ایک شخص نے گرفتار کر کے قتل

کر ڈالا۔ اب انطونی لوپی دوس اور اقطادیانوس تینوں دریائے اری دانوس کے کنارے ملے اور باہم معاہدہ کیا کہ پانچ سال کے لئے ہم تینوں کا اتحاد ثلاثہ قائم ہوتا کہ اُن لوگوں سے میدان صاف کرلیں جنھیں ہم اپنا دشمن سمجھتے ہوں۔ قیصر کے خون کا انتقام لیں اور پُرانی جمہوریت کو بیخ و بن سے اُکھاڑ کے پھینک دیں۔ مخفی طور پر ایک نئی فہرست واجب القتل لوگوں کی تیار کی گئی جو سَلا کی فہرست سے بھی بڑی تھی۔ اور بدنیتی میں اس سے بدرجہا زیادہ ناپاک تھی۔ کیونکہ سَلا کا قتل عام اسکے خیال کے مطابق سلطنت کی بھلائی اور جمہوریت کو برقرار رکھنے کے لئے تھا اور ان متحدین ثلاثہ کا قتل عام اس غرض سے تھا کہ سلطنت کا تختہ اُلٹ دیں، لے پی دوس نے خود اپنے سگے بھائی کا نام اس جانستاں فہرست میں درج کیا۔ انطونی نے اپنے چچا کا نام لکھا اور زور دیا کہ تی قرو کا نام بھی واجب القتل لوگوں میں شامل کیا جائے۔ انطونی کو اس اعلیٰ درجہ کے نامور جادو بیان سے ذاتی پرخاش تھی۔ علاوہ بریں اسے اس لئے ناپسند کرتا تھا کہ قانون سلطنت کے طرفداروں میں سب سے زیادہ باا ثر شخص وہی ہے ان وجوہ سے اس کے قتل پر تینوں کا اتفاق ہو گیا۔ تی قرو اپنے فورمیوم کے دیہاتی مکان میں تھا کہ موت کا حکم سُنانے والا ایلچی جا پہونچا۔ تی قرو کے غلاموں نے اسے ایک ڈولی میں بٹھا کے ارادہ کیا کہ لے بھاگیں۔ لیکن سپاہیوں نے پیشتر ہی سے آ کے گرفتار کر لیا۔ اور تی قرو نے نہایت ہی بردباری و سنجیدگی سے ان کی تلواروں کے سامنے اپنے سر کو پیش کر دیا جو کمال سنگدلی سے کاٹ کے انطونی کے پاس بھیجا گیا۔ انطونی کی بی بی فلویا اسے دیکھ کے بے انتہا خوش ہوئی۔ اور اس بات کے انتقام میں کہ تی قرو نے اس کے شوہر کے ملزم ٹھہرانے میں بڑے جوش و فصاحت کی تقریر کی تھی اپنے کشیدے کی سلائی سے اُس کی زبان چھیدی۔

فی قمر و نہایت ہی معزز و سربرآوردہ مظلوموں میں تھا۔ مگر اُن تینوں شخصوں نے اُن کے علاوہ ہزاروں بے گناہوں کو نہایت ہی سفاکی و سنگدلی سے قتل کیا۔ قاتلوں کے حسب حیثیت معقول انعام تجویز کئے گئے تھے اور یہ حالت تھی کہ غلام اپنے آقاؤں پر ہاتھ صاف کرتے۔ بھائی بھائی کی جان لیتا اور بیٹے باپوں کے خون میں ہاتھ رنگتے۔ مقتولوں میں صرف وہی لوگ نہ تھے جو اتحاد ثلاثہ کے مخالف تھے بلکہ بہت سے وہ لوگ بھی تھے جن کی زمینوں اور دولت کا لوگوں کو لالچ تھا۔ ان مظلوموں میں ایسے کم سن بچے بھی تھے جن کی امارت و ریاست نے لوگوں کے دلوں میں آتش حرص حسد بھڑکا رکھی تھی۔ خلاصہ یہ کہ بے اعتباری دہشت اور خونریزی سارے ایطالیہ میں پھیلی ہوئی تھی۔

آخر کار جب جی بھر کے خونریزی ہو چکی تو انطونی اور اقطاویانوس دونوں مقدونیہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں بردطوس اور قاسیوس نے فوجیں جمع کر لی تھیں اور اُن کی مخالفت پر آمادہ تھے۔ شہر فلپ پی میں ایک عظیم الشان لڑائی ہوئی جس میں قاسیوس کے آدھے لشکر کو شکست ہوگئی۔ اور بردطوس غالب تھا۔ قاسیوس نے یہ خیال کر کے کہ معاملہ ہاتھ سے نکل گیا اپنے ایک غلام کو حکم دیا کہ مجھے قتل کر کے میرا کام تمام کر دو۔ اُس نے اس حکم کی تعمیل کی۔ دوسرے دن پھر میدان نبرد گرم ہوا جس میں بردطوس کو بھی شکست ہوگئی۔ اپنی فوج کے بھاگنے کے بعد وہ میدان سے ہٹ کے ایک تنگ گھاٹی میں آیا اور جب شام ہوئی تو اپنے دوستوں سے رخصت ہو کے الگ ہوا اور اپنے آپ کو خود اپنی تلوار کی نوک میں چھید کے جان دے دی۔ اور غاصبان سلطنت جمہوری کے راستے سے تمام کانٹے دور ہو گئے۔

فصل ہشتم

انطونی اور قلوبطرہ (سنہ ۶۱۳ قبل محمدؐ سے سنہ ۶۰۲ قبل محمدؐ تک)

اس فتح کے بعد قیصر اقطادیانوس اور انطونی جدا ہوئے۔ قیصر رومتہ الکبریٰ میں واپس گیا اور انطونی نے مشرق کی راہ لی کہ وہاں کی حکومت کو اپنے قبضۂ تصرف میں لائے۔ ملکۂ مصر قلوبطرہ پر یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ بروطس اور کاسیوس کے مقابلہ میں اس نے اتحادِ ثلاثہ کو کوئی مدد نہیں دی۔ چنانچہ اسی جوش میں انطونی نے اسکے نام اس مضمون کا فرمان بھیجا کہ "علاقہ قلی قیہ کے شہر طرسوس میں حاضر ہو کے جوابدہی کرے" یہ فرمان نہایت درشت اور توہین کرنے والے الفاظ میں تھا لیکن قلوبطرہ اپنے حسن وجمال کی دلفریبیوں اور اپنی نرگس فتاں کے جادو سے خوب واقف تھی بظاہر بُرا نہیں مانا اور دل میں کہا ع "گرگ سے جو مرے تو زہر کیوں دو؟" فوراً انطونی کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے چل کھڑی ہوئی۔ جہاں تک سمندر میں جانا تھا اپنے معمولی جہازوں میں گئی۔ مگر دریائے قدموس کے دہانے میں داخل ہوتے وقت اس نے ایسی شان وشوکت کا سفر اختیار کیا کہ نہ کبھی دیکھا گیا تھا اور نہ سنا گیا۔ اس کی کشتیاں نہایت زرق برق اور عجیب رعنائی کی وضع کی تھیں۔ پتواروں پر چاندی کے پتر چڑھے ہوئے تھے اور بادبان ارغوانی رنگ کے تھے۔ خاص اسکی کشتی بخوبی بیچ کے عروس زیبا بنا دی گئی تھی جس پر ارغوانی بادبان کے نیچے زربفت کا شامیانہ کھنچا ہوا تھا اور اس کے نیچے ملکہ قلوبطرہ یونانیوں کی حسن کی دیوی وینس (زہرہ) کے روپ اور لباس میں گاؤتکیہ سے پیٹھ لگائے بیٹھی تھی۔ خوبصورت، خوبصورت نوعمر لڑکے کیوپڈ (عشق کے دیوتا) کے روپ میں اس کے گرد حلقہ باندھے ہوئے تھے۔ اُن میں سے کوئی پنکھا جھلتا اور کوئی اس کے احکام بجالاتا۔ صدہا

حسین و مہ جبین خواصیں جل پریوں کے بھیس میں دریا میں اُتری ہوئی تھیں جو اُس کی معشوقانہ کشتی کو اپنے جھرمٹ میں لیے ہوئے تھیں۔ بعض کشتی کو کھینچ کھینچ کے آگے بڑھاتی تھیں اور بعض پانی سے کھیلتی جاتی تھیں۔ کشتی پر خوشگوار زمزموں میں گانا ہوتا جاتا تھا جو دیوتاؤں کا آسمانی نغمہ تصور کیا جاتا۔ اور خوشبوؤں کی لپٹیں کشتی سے نکل نکل کے دریا کے دونوں جانب میدانوں میں جھکتیں۔ اور جس کے دماغ میں پہونچتیں مست و از خود رفتہ ہو جاتا۔ راستہ بھر یہ عالم رہا کہ جس کسی نے دیکھا یقین کر لیا کہ یہ انسان نہیں آسمانی دیویاں دُنیا کی سیر کو اُتر آئی ہیں۔ اور واقعی اُن دنوں جبکہ اُس سرزمین میں سوا دیوتاؤں کے ماننے کے اور کوئی عقیدہ نہ تھا۔ ہر شخص کا خیال سوا اس کے اور کسی جانب نہ جا سکتا تھا۔ انطونی نے طرطوس میں دربار کرتے کرتے ناگہاں کیا دیکھا کہ سارے شہر والے اور وہ بھی جو اس کے دربار میں حاضر تھے دریا کی طرف دوڑے جاتے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ دریا میں وینس دیوی جی آج سیر کو آئی ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد قلوبطرہ کے خدام نے آ کے عرض کیا کہ "ملکہ مصر آپ سے ملنے کو آئی ہیں۔" انطونی نے کہا "تو اُن سے کہو کہ یہاں تشریف لائیں۔ اور میری دعوت قبول کریں۔" قلوبطرہ نے دل میں خیال کیا کہ میری کشتی کا ساز و سامان اور میری دیویوں کی سی آمد کا جلوہ اگر انطونی کی نظر سے نہ گزرا تو کچھ بات نہ ہوئی۔ کہلا بھیجا کہ "پہلے آپ میری دعوت قبول کریں پھر میں تو حاضر ہی ہوتی ہوں۔" انطونی لوگوں کی زبان سے اس کی شان زیبائی کے حالات سُن سُن کے خود ہی مشتاق ہو رہا تھا۔ بلا تکلف دریا کنارے کی راہ لی۔ وہاں کا منظر دیکھ کے اس کے ہوش و حواس بجا نہ رہے۔ اور خود ملکہ کی صورت زیبا دیکھی تو۔ ع

وہ نظر ہی وداع طاقت تھی

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ ۔۔۔ صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

اب قلوبطرہ کے عروسانہ زرنگار بجرہ میں انطونی کی دعوت کا سامان ہوا۔ وہاں کا ساز وسامان۔ وہاں کی محفل عیش وطرب، وہاں کا نغمۂ وسرود، وہاں کا حسن وجمال وہاں کی زیبائی ورعنائی۔ غرض ہر چیز انسان کی دنیوی قوت وقدرت سے مافوق نظر آتی تھی۔ ان سب سے زیادہ دل لبھانے اور جادو کرنے والی پری جمال ملکہ کی باتیں تھیں۔ چند ہی لمحوں کی صحبت میں انطونی قلوبطرہ پر ایسا مفتوں وشیدا ہوا کہ دین ودنیا فراموش ہو گئے۔ الوالعزمی وحکمرانی کے جتنے مسودے اس کے ذہن میں تھے سب لوح دل پر سے محو ہو گئے۔ اب وہ قلوبطرہ کے تیر نظر کا بسمل تھا۔ اور قلوبطرہ اسے اپنی زلف گرہ گیر کا ایک بے خود اور بے بس اسیر بنا کے اسکندریہ میں کھینچ لے گئی۔ اور وہاں ان دونوں عاشق ومعشوق کا ناز برداری وناز آفرینی میں مشغول ہو جانا اس حد سے گزرا ہوا تھا کہ آج تک دُنیا میں حیرت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کی عیش وعشرت کی صحبتیں، اُن کی شاہانہ بلند حوصلگیاں اور انکے جشن وطرب ایسے غیر معمولی درجہ کے تھے کہ لوگوں کو اُن کے حالات سن کے آج تک مشکل سے باور آتا ہے۔ ایک بار ملکۂ قلوبطرہ اور اتحاد ثلثہ روم کے اس دل ازدادہ رکن میں شرط ہوئی کہ دیکھیں ایک دوسرے کی دعوت میں شان وشوکت اور بے جگرانہ حوصلہ مندی کے لحاظ سے کون سبقت لے جاتا ہے اور کون زیادہ دولت لٹاتا ہے۔ انطونی نے تو خیر جو کچھ سامان کیا کیا، مگر قلوبطرہ نے اپنی دعوت کے موقع پر کہا "تمھارا شوق وصال ایسا بڑھا ہوا ہے کہ میں ایک گھونٹ پر دس لاکھ روپیہ اُڑا دوں گی۔" اور یہ کہہ کے اپنی ایک انتی سے اسی قیمت کا ایک بڑا بھاری موتی نکال کے سرکہ کے ایک جام میں ڈالا اور جب وہ گھُل گیا تو اُٹھا کے پی گئی۔ اس کے ساتھ کا دوسرا موتی جو دوسرے کان کی انتی میں تھا۔ زمانہ مابعد میں دو ٹکڑے کر کے وینس دیوی کے سنگھار میں صرف کیا گیا، کہتے ہیں کہ انطونی

کے باورچی خانہ میں ہر وقت آٹھ بڑے جنگلی سور بھنتے نظر آتے تھے، تاکہ جب خاصہ طلب ہو بلا انتظار چن دیا جائے۔

اب انطونی کو اپنے فرائض یاد آئے۔ ملکہ قلوبطرہ سے رخصت ہو کے مشرق کی راہ لی اور پارتھیا والوں پر فوج کشی کی مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اسی زمانہ میں اس نے ارض یہودا کے تخت پر ادومی خاندان والے انطی پاس کے بیٹے ہیرودڈ (ہیرودوطوس) کو تخت پر بٹھایا۔ اس کا باپ انطی پاس وہی شخص تھا جسے پوم پے ای نے رومیوں کی جانب سے کلکٹر مقرر کیا تھا۔ ہیرودڈ نے پرانی مکابی خاندان کے آخری وارث ہرقانوس کی خوب صورت بیٹی مریم سے شادی کی تھی۔ بس اس کے سوا اور کسی حق سے اسے تخت شاہی نہیں پہونچتا تھا جسے اس نے زبردستی اور دغابازی سے حاصل کیا۔ لیکن مقتدائی کی خدمت کسی طرح اسے نہیں مل سکتی تھی اس لئے حضرت ہارون کے خاندان میں سے جس شخص کو اس نے منتخب کیا وہی ملت یہود کا مقتدائے اعظم بنا دیا گیا

انطونی ایک مرتبہ روم جانے پر مجبور ہوا تھا وہاں اپنی بی بی فلویا کے مرنے کے بعد اس نے قیصر کی بہن اقطاویہ سے شادی کر لی۔ اقطاویا ایک شریف و با عصمت خاتون تھی اور اس کی مستحق نہ تھی کہ اس کا ہاتھ انطونی کے ایسے ایک نفس پرست اور شہوت پرست سپاہی کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ جسے اس کے ساتھ کسی طرح محبت نہ ہو سکتی تھی۔ اور جو قلوپطرہ کے حسن کا دلوانہ تھا۔ شادی کے بعد موقع پاتے ہی وہ اس شریف خاتون کو چھوڑ کے قلوبطرہ کے شوق میں مصر روانہ ہو گیا۔ اس دوسرے موقع پر انطونی اور قلوبطرہ کی عیش پرستیاں پہلے سے بھی بڑھی ہوئی تھیں اسے نہ انجام کی فکر تھی اور نہ اپنے بُرے بھلے کا خیال، قلوپطرہ کی الفت میں اس قدر اندھا ہو گیا کہ قیصر

قطادیانوس کا دل دکھانے کی بھی پروانہ کی۔ اور اس کی بہن اقطادیا کو طلاق نامہ لکھ کے بھیج دیا اور مشہور کر دیا کہ اس کے ساتھ شادی ہونے سے پہلے ہی میری شادی ملکۂ مصر کے ساتھ ہو چکی تھی۔

قیصر اقطادیانوس ہمہ تن اس دھن میں لگا ہوا تھا کہ جو عظمت و سطوت میرے چچا قیصر کو حاصل تھی میں بھی حاصل کروں اور سلطنت میں میرا کوئی سہیم و شریک باقی نہ رہے۔ اپنے حریف کے مغلوب کرنے کے لئے کوئی بہانہ ڈھونڈھ ہی رہا تھا۔ کیونکہ اتحاد ثلاثہ کے تیسرے رکن نے پی ڈیس کو جو تینوں میں کمزور تھا اس نے بیکار کر کے کونے میں ڈال ہی دیا۔ فقط انطونی باقی تھا۔ اس سے مخالفت کرنے کے لئے پورا بہانہ ہاتھ آگیا۔ فوراً ایک زبردست بیڑا تیار کیا گیا اور تمام رومی لوگ جن کے دلوں میں اس غصہ کی آگ بھڑک رہی تھی کہ مشرق کی ایک ظالم شہوت پرست، دغاباز اور دلفریب ملکہ کے شوق میں اقطاؤ کی ایسی شریف، و پاکدامن خاتون کی توہین کی گئی اور اسے طلاق دے دی گئی۔ قیصر کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ الغرض رومیوں کا ایک زبردست لشکر جہازوں پر سوار ہو کے بڑے جوش و خروش سے روانہ ہوا۔ ادھر سے انطونی اور قلوبطرہ اپنے بیڑے کو لے کے اور اپنے جہازوں پر سوار ہو کے ان کے مقابلہ کو چلے اور راس اقطیوم کے پاس جو علاقہ ایپائرس میں واقع ہے، اور سمندر کے اندر دور تک بڑھ آئی ہے۔ دونوں بیڑوں کا سامنا ہوا۔ اور بڑی بھاری بحری لڑائی شروع ہو گئی۔ یہ لڑائی دیر تک ہوتی رہی اور کسی جانب فتح کے آثار نہیں نمایاں ہوتے تھے کہ ناگہاں قتل و خونریزی اور جہازوں کے ٹکرانے اور ڈوبنے کا ہولناک منظر دیکھ کے قلوپطرہ کا دل دہل گیا اور ایسی ہیبت زدہ ہوئی کہ اپنے جہاز کو پیچھے ہٹانے کا حکم دیا۔ اس جہاز کو میدان سے ہٹتے دیکھ کے

سب لوگوں کے حواس جاتے رہے اور سارا مصری بیڑہ میدان چھوڑ کے مصر کی طرف بھاگا۔ سب لوگوں کو واپس جاتے دیکھ کے مجبوراً انطونی نے بھی میدان چھوڑ دیا اور اپنے بیڑے کے پیچھے پیچھے اس نے بھی اسکندریہ کی راہ لی۔

اسکندریہ میں پہونچتے ہی انطونی و قلوپطرہ پھر عیش و عشرت اور رنگ رلیوں میں پڑ گئے۔ دن رات جشن طرب تھا۔ اور عشق و محبت کی صحبت میں کسی کو یاد بھی نہ آیا کہ قیصر اقطادیانوس تعاقب میں ہے اور نہایت تیزی کے ساتھ بڑھتا چلا آتا ہے۔ آخر قیصر بندرگاہ کے دہانہ میں آ دھمکا۔ یہاں پہونچتے ہی اس نے اپنے ایلچی بھیج کے کچھ ایسی حکمت عملی سے کام لیا کہ خود فروش ملکۂ مصر نے اسکے برتاؤ کو دیکھ کے دل میں کہا "کیا مضائقہ ہے۔ اگر انطونی مغلوب ہو گیا ہے تو میں اپنے حسن و جمال کے اسلحہ سے اب قیصر کو بھی اپنا اسیر دام کر لوں گی۔ یہ خیال آتے ہی اس نے خود ہی موقع دے دیا کہ جہازوں کا بیڑا اور شہر دونوں بلا مزاحمت قیصر کے قبضہ میں ہو جائیں۔ اس کے بعد اپنی دو جانباز سہیلیوں کو ساتھ لے کے برج میں چلی گئی جسے اس نے شاہان مصر کی طرح اپنے مقبرے کی حیثیت سے تعمیر کرایا تھا۔ اس کے وہاں جاتے ہی شہر میں افواہ اڑی کہ ملکہ قلوبطرہ نے خودکشی کر لی۔ انطونی جو وفور محبت سے ایک گھڑی بھی بغیر قلوبطرہ کے جی نہ سکتا تھا یہ وحشت ناک خبر سنتے ہی اس قدر پریشان ہوا کہ خودکشی پر آمادہ ہو گیا اور خود ہی اپنی تلوار اپنے سینے میں بھونک لی۔ یہ کاری زخم کھانے کے بعد پلنگ پر پڑا ہوا تھا کہ خبر آئی "قلوبطرہ مری نہیں زندہ ہے اور اس بات کی آرزومند ہے کہ آپ بھی اسی برج میں تشریف لے چلیں جس میں وہ ہے۔" وہ فوراً آمادہ ہو گیا اور لوگ اس کے پلنگ کو اٹھا کے اس برج کے پاس لے گئے۔ قلوبطرہ چونکہ برج کا دروازہ کھولتے ڈرتی تھی۔ اس لئے اس کے پلنگ کو رسیوں میں

باندھ کے اوپر کھینچا اور کوٹھے کے ایک دریچے کے راستہ سے اندر کر لیا۔ انطونی اوپر پہونچتے ہی عجیب جوش اور بے تابی کے ساتھ قلوبطرہ سے لپٹ گیا اور اسی حالت میں اس کی روح پرواز کر گئی۔

لیکن قلوبطرہ ابھی تک ناامید نہ تھی۔ اپنی دل ربائی و دل ستانی کے تمام کرشموں کو کام میں لا کے تھک گئی اور قیصر کے دل پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ اب اس کے دل میں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اب اگر میں قیصر کے ہاتھ لگ گئی تو رومۃ الکبریٰ میں اس کے ٹرائمف کے جلوس میں نکالی جاؤں گی اس ذلت سے بچنے کی کوئی تدبیر نہ بن پڑتی تھی۔ آخر عاجز آ کے وہ بھی خودکشی پر آمادہ ہو گئی۔ اسی خیال سے اقطادیانوس قیصر سب سے زیادہ اسی اہتمام میں مصروف تھا کہ اس نہایت خوبصورت و پرفن اور باشان و شکوہ ملکہ کو زندہ گرفتار کرے۔ برج کے چاروں طرف سخت پہرہ مقرر تھا کہ اس میں کوئی پرندہ بھی پر نہ مار سکتا تھا۔ اس کے اندر نہ کوئی شخص جانے پاتا تھا اور نہ کوئی چیز باہر سے بھیجی جا سکتی تھی۔ مگر پہرے والوں نے غفلت یا حماقت سے انجیروں کا ایک ٹوکرا اندر پہونچ جانے دیا۔ اس کے چند ہی گھنٹوں کے بعد قیصر کے پاس قلوبطرہ کا ایک خط آیا جس میں یہ التجا کی تھی کہ "میرے بچوں کی جاں بخشی کی جائے اور اجازت دی جائے کہ میری اور انطونی کی لاشیں اسی مقبرے میں دفن کی جائیں"۔ اس خط کے دیکھتے ہی قیصر کو خیال گزرا کہ معلوم ہوتا ہے اس ملکہ کو میرے قابو سے نکل جانے کا موقع مل گیا فوراً سوار ہو کے اس برج کی راہ لی۔ سب طرف عالم خاموشی طاری تھا۔ اور برج کا راستہ بھی کھلا ہوا تھا۔ اندر جا کے دیکھا تو نظر آیا کہ ملکہ قلوبطرہ شاہانہ لباس پہنے شاہی پلنگ پر آرام کر رہی ہے اس کی دونوں سہیلیوں میں سے ایک اس کے پاؤں کے پاس لیٹی ہے اور دوسری سرہانے گھٹنے ٹیکے کھڑی ہے اور

تاج کو دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہے جو قلوبطرہ کے سر پر رکھا ہے۔ اُس کے ساتھ ہر طرف خاموشی ہے اور موت کا سناٹا۔ قیصر نے پوچھا "کیا یہ اچھا کیا؟" سہیلی جو تاج سنبھالے تھی بولی " اچھا اور بہت اچھا۔ ایسی عالی مرتبہ ملکہ کے یہی شایان شان تھا۔ یہ جواب دیتے ہی خادمہ بھی زمین کی طرف جھکی اور گر کے مر گئی۔ اب قیصر کو اس بات کی جستجو ہوئی کہ قلوبطرہ نے کیونکر جان دی۔ اس کے بازو میں بازوبند کی طرح ایک چھوٹا کالا سانپ جو افعی کہلاتا ہے لپٹا ہوا ملا جو غالباً انجیروں کے ٹوکرے میں رکھ کے اس کے پاس پہونچا دیا گیا تھا۔

مصر کی سلطنت اسی قلوبطرہ کے دم تک تھی۔ اس کے بعد ملک مصر دولت روم میں ملحق کر کے روتہ الکبریٰ کا ایک صوبہ بنا لیا گیا۔ اور اقطادیہ نوس قیصر دولت اور خزانے سے لدا پھندا روم واپس گیا۔ اس کی ٹرمیف یعنی اس کے داخلہ کا جلوس نہایت ہی شاندار تھا۔ قلوبطرہ کی ایک مورت اپنے اسی شاہی پلنگ پر سوتی ہوئی جلوس میں نکالی گئی۔ جس کے پیچھے پیچھے اس کا بیٹا اسکندراؤ اس کی بیٹی قلوبطرہ تھی۔ جو زمانہ مابعد میں اپنے ماں باپ کے عیاشانہ مفاخر کی بنیاد پر اپالو (دیوتا) اور ڈیانا (دیوی) کے ناموں سے یاد کیے جاتے تھے۔ اور غلاموں یا اسیروں کی طرح اپنے دشمنوں کے درمیان میں تھے۔ اگرچہ قیصر کو ان کے حال پر مطلق ترس نہ آتا تھا مگر یہاں بھی اُن کے سروں تک ایک دستِ شفقت پہونچ ہی گیا جو ان کے باپ کی مطلقہ اور دل شکستہ جورو اور قیصر کی شریف بہن اقطادیہ کا ہاتھ تھا۔ جس نے اُن دونوں کو اپنے بے مہر شوہر کی یاد میں فرزندوں کی طرح اپنے پاس رکھا۔ بڑے اہتمام سے پالا اور تعلیم دلائی اور آخر کار لڑکی یعنی چھوٹی قلوبطرہ کی شادی موری طانیہ کے بادشاہ کے ساتھ کر دی۔

فصل نہم

اوغسطوس قیصر (سنہ ۶۰۱ قبل محمدؐ سے سنہ ۵۴۵ قبل محمدؐ تک)

انطونی کے مرتے ہی قیصر اقطادیانوس کے سارے دشمن فنا ہو گئے۔ کسی میں مزاحمت کی جرأت نہ تھی اور سلطنت روم کا اکیلا وہی مالک تھا۔ وہ ایسی اعلیٰ قوت کے درجہ کو پہونچ گیا تھا جو اس کے چچا کو بھی نہیں نصیب ہوئی تھی۔ اس نے اوغسطوس کا لقب اختیار کیا جس سے مراد کوئی ایسی چیز تھی جو کسی معبد یا مقدس مقام کی طرح اچھوتی، متبرک اور محترم ہو۔ ہر سال کا ساتواں مہینہ چونکہ اس کے چچا یولیوس یا جولیوس کے نام کی یادگار میں جولائی کہلاتا تھا اس لئے اس کے بعد والا مہینہ اسکے لقب اوغسطوس (آگسٹس) کی یادگار میں اگسٹ کے نام سے مشہور رہا۔ اس نے اپنی عظمت کے اظہار کے لئے امپراطور کا لقب اختیار کیا جس کے معنی سپہ سالار کے تھے۔ مگر اس کے بعد سے شہنشاہ کے ہو گئے، کیونکہ خود اس کا مقصد اس لقب کے اختیار کرنے سے یہ ہرگز نہ تھا۔ گو اس نے تمام مجسٹریٹوں کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے تھے اور در اصل ایک خود مختار بادشاہ بن گیا تھا۔ مگر وہ بالذات شاہی کے لقب سے بہت بھاگتا تھا۔ رومۃ الکبریٰ والے مسلسل ڈیڑھ سو برس سے باہمی نااتفاقیوں کے باعث لڑتے لڑتے تھک گئے تھے، سبھوں نے اس بات کو خوشی سے قبول کر لیا کہ اس کے زیر حکومت ذرا چین سے بیٹھیں، اور آرام کریں۔ اور در اصل اب یہ ممکن بھی نہ تھا کہ سارے سٹی زن لوگوں کو معاملات سلطنت میں دخل ہوا۔ ابتداءً صرف اہل رومۃ الکبریٰ سٹی زن تھے۔ مگر اب ان کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ اور بجائے اس کے کہ وہ رومۃ الکبریٰ کے قرب و جوار ہی میں ہوں۔ ساری مملکت اور تمام رومی نو آبادیوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہ سٹی زن ہونے کا حق یولیوس قیصر

کے عہد میں بہت وسیع ہو گیا تھا۔ اب اغسطوس نے ایطالیہ کے باہر بھی بہت سے لوگوں کو سٹی زن ہونے کے حقوق دے دئے گئے۔ جو شخص سٹی زن ہونا چاہے، وہ کسی صوبہ میں ہو اور کوئی ہو اس سے نہ کوئی محصول وصول کیا جاتا اور نہ صوبجات کے والی ان کو سزا دے سکتے۔

اوغسطوس نے جب اعلیٰ درجہ کی پوری قوت حاصل کر لی تو پھر خوں ریزی سے ہاتھ روک لیا۔ کیونکہ اس کے خیال میں حکمرانی کی بہترین پالیسی یہ تھی کہ اپنے قوانین کی نرمی کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں اپنی محبت کو ترقی دے۔ اس کوشش میں وہ نہایت کامیاب ہوا۔ امن وامان کے قائم رہنے سے علم وفضل نے اسکے دور میں اس قدر ترقی کی کہ آجتک جس بادشاہ کے عہد کی نسبت یہ خیال ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ اس میں علم وفضل ترقی پر تھا اور اعلیٰ درجہ کے مصنفین موجود تھے اُسے "عہد اوغسطوس" کہتے ہیں۔ طی طوس لی ویوس نے اس کے زمانہ میں ایک تاریخ روم لکھی مگر افسوس کہ اس کا ایک بڑا حصہ فنا ہو گیا۔ دیہاتی زندگی کے مشاغل پر ورجل شاعر نے اپنی اعلیٰ درجے کی نظم لکھی۔ اور خاص شہنشاہ کی فرمائش سے اُس نے دو ایک اور نظمیں آے نیاس کی سرگردانیوں اور رولین قوم کی پہلی برکتوں پر تحریر کرنا شروع کیں۔ ہوراق اور اووڈ بھی زندہ موجود تھے اور ان کے کلام کو خود شہنشاہ اور اس کے دو بڑے دوست اگرپ پا اور مے قناس بہت پسند کرتے تھے۔ اسی مے قناس نے ہوراق کے حال پر ایسی ایسی فیاضیاں کیں کہ اس کا نام عربی علم وفن کی حیثیت سے ضرب المثل ہو گیا۔

اوغسطوس بیرونی ممالک پر حملہ کرنے میں بہت ہی کم مصروف رہا۔ اور اب اس کے عہد میں لڑائی کے دیوتا یانوس کے مندر کا دروازہ بند ہو گیا۔ شروع بنائے روم سے اس وقت تک یہ تیسری بار اس خوں ریز دیوتا کا مندر بنا ہوا تھا،

کیونکہ رومی لوگ امن و امان کی برکتوں سے لطف اُٹھا کے خوشیاں منا رہے تھے۔ شہنشاہ کی دانائی و قابلیت کی تعریف کرتے تھے کہ اس کی بدولت باہر کی ساری لڑائیاں رُک گئیں اور ملک کے اندرونی جھگڑے بھی دور ہو گئے۔

اسی کے عہد میں حضرت مسیحؑ پیدا ہوئے جن کی ولادت نے دنیا کی تاریخ میں انقلاب پیدا کر دیا

ختم شد

